صفحۂ عالم پر تاریخی نقوش

هو الله

حضرت مولانا فضل محمد صاحب
استاذ الحدیث جامعۃ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

المعی
کراچی

صفحۂ عالم پر تاریخی نقوش

مولانا فضل محمد بن نور محمد

المشعل

0321-2211971

صفحۂ عالم پر تاریخی نقوش

مولانا فضل محمد بن نور محمد

طبع اوّل:
جمادی الاول / مئی
1430ھ/ 2009ء

المشعل

0321-2211971

انتساب

خالد بن ولیدؓ سے محمد بن قاسمؒ

صلاح الدین ایوبیؒ سے شیر میسور

اور

محمود غزنویؒ سے شاہ اسماعیل شہیدؒ

تک

اسلام کے سپہ سالاروں، جانبازوں اور سرفروشوں

کے نام

جنہوں نے آگ اور خون کے دریا عبور کر کے

کرۂ ارض پر ہر دور میں اسلام کے پھریرے

کو سربلند رکھا۔

فہرستِ مضامین

حرف اوّل

استاذ المجاہدین حضرت مولانا فضل محمد صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔سرخ وسفید چہرہ درمیانہ قد، سرخ ڈاڑھی اور سر پر سیاہ پگڑی رکھنے والے جہاد بالقلم کے شہسوار کو کون نہیں جانتا۔مولانا کی تصنیفات نے جہاں اسلام کے محکم فریضے ''جہاد فی سبیل اللہ'' کو مٹانے کی کوششیں کرنے والے کفار اور ان کے پیدا کردہ ''فتنہ قادیانیت'' کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے، وہیں مؤمنین کے لیے تقویت کا سامان بھی ہیں۔

یہ کتاب قاری کی انگلی پکڑ کر جزیرہ عرب سے صحرائے افریقہ، جبل طارق سے باب کابل اور جنگ بدر سے معرکہ بالاکوٹ تک بکھرے رزم حق وباطل کے میدانوں کی سیر بھی کرائے گی اور امت کے گوہر پاروں کے بکھرے خون کی نشاندہی بھی۔

یہ کتاب جہاں باطل کے سامنے ڈٹ جانے والے سرفروشوں کی حکایتیں بیان کرے گی، وہیں اغیار اور منافقین کی سازشوں کے پردے بھی چاک کرتی نظر آتی ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کی تڑپ ہر کلمہ گو مسلمان کے دل کی دھڑکن بن جائے۔

فقط
ڈائریکٹر
المشعل

عرض حال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَعَزَّ الْاِسْلَامَ بِاَوْلِیَائِهٖ وَشَیَّدَ مَعَالِمَهٗ بِاَصْفِیَائِهٖ وَاَتْقِیَائِهٖ وَصلَحَائِهٖ وَاَذَلَّ الْکُفْرَ وَالْکَفَرَةَ بِرُسُلِهٖ وَاَنْبِیَائِهٖ.

هُوَ الْمَلِکُ الدَّیَّانُ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ هَازِمُ الْاَحْزَابِ وَمُنْزِلُ الْفُرْقَانِ اَحْمَدُهٗ تَعَالٰی وَلَهُ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِهٖ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلْاَتَمَّانِ الْاَکْمَلَانِ عَلٰی سَیِّدِ الْاِنْسِ وَالْجَآنِّ صَاحِبِ الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ وَالسَّیْفِ الْمُشَهَّرِ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ وَرَسُوْلِ الْمَلَاحِمِ.

جَیْشِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ اِمَامِ الْمُجَاهِدِیْنَ اَشْجَعِ بَنِیْ عَدْنَانَ اَفْصَحِ بَنِیْ قَحْطَانَ، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ رَفَعُوْا لِوَاءَ الْاِسْلَامِ عَلٰی سَائِرِ الْاَدْیَانِ فَفَتَحُوْا الْبُلْدَانَ مُتَقَلِّدِیْ السُّیُوْفِ وَحَامِلِی الْقُرْاٰنِ.

اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَکَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قَاتَلَ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَا اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَکَانُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ. (آل عمران: ۱۴۶)

اور کئی نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت اللہ والے لڑے ہیں پھر اللہ کی راہ میں تکلیف

پہنچنے پر نہ ہارے ہیں اور نہ سست ہوئے ہیں او نہ وہ دبے ہیں اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وقال تعالیٰ:

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ. (بقرہ: ۲۵۱)

پھر اللہ کے حکم سے مومنوں نے جالوت کے لشکروں کو شکست دی اور داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو مارڈالا اور اللہ نے سلطنت اور حکمت داؤد کو دی اور جو چاہا اسے سکھایا اور اگر اللہ کا بعض کو (یعنی کافروں کو) بعض کے ذریعہ سے (یعنی مسلمانوں کے ذریعہ سے) دفع کرا دینا نہ ہوتا تو زمین فساد سے بھر جاتی لیکن اللہ جہان والوں پر بہت مہربان ہے۔

وقال تعالیٰ: اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوَاتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ. (سورة الحج: ۴۰)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے (یعنی کافروں کو مسلمانوں کے ذریعہ سے) نہ ہٹاتا تو ڈھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ زبردست غالب ہے۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَائَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ. (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۱۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں کافروں سے اس وقت تک لڑوں کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور میری رسالت کا اقرار کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، جب انہوں نے ایسا کیا تو انہوں نے مجھ سے اپنا خون اور اپنا مال محفوظ کرلیا ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے تحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

تمام عالم اسلام کو جو تڑپائے
میں ساز دل میں وہ نغمہ تلاش کرتا ہوں
تمام عالم اسلام جس میں شامل ہو
میں ایسی جنگ کا نقشہ تلاش کرتا ہوں
کہاں ہے مفتی دین متین و شرع متین
جہاد شوق کا فتویٰ تلاش کرتا ہوں

محترم قارئین!! آپ کے ہاتھوں میں جو کتاب ہے اس کا نام ''نقوش جہاد'' ہے یعنی صفحہ عالم پر نقوش جہاد اور اس کے نتائج واثرات اور اسلامی جرنیلوں کے وہ کارنامے جو انہوں نے میدان جہاد میں صفحات تاریخ کی جبینوں پر مقدس خون کے انمٹ نقوش سے بطور یادگار چھوڑے ہیں ان کا صحیح نقشہ اور واضح آئینہ دار آپ کے سامنے رکھا ہے جرأت وشجاعت اور عزت وعظمت کے پیکر اور میدان کارزار کے شہسواروں کے سارے کارنامے تو قید قلم میں لانا کسی انسان کے بس کی بات نہیں تاہم ''مشتے ازنمونہ خروارے'' چند اہم اشخاص اور ان کے چیدہ چیدہ معرکے بطور ''الفضل للمتقدم'' آپ کے سامنے رکھ دیے ہیں۔

چنانچہ اسلام کے قرن اول یعنی دور صحابہ کے شہداء سے لے کر تیرہ صدیوں پر مشتمل خونچکاں واقعات کا یہ تسلسل شہداء بالاکوٹ اور تحریک ریشمی رومال کے شہداء تک جا پہنچا ہے۔

میں نے اپنے قارئین کرام کے سامنے یہ واقعات ایسے رکھے ہیں کہ ان شاء اللہ

پڑھنے کے دوران وہ خود کو ان نفوس قدسیہ کے ساتھ میدان کارزار میں محسوس کریں گے اور جان کی قربانی اور جذبہ جہاد سے اپنے آپ کو سرشار پائیں گے۔

میں یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ چونکہ دور اول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ابتدائی غزوات کو منظر عام پر لانے کی بھرپور کوشش اہل تاریخ نے کی ہے اور چونکہ ان غزوات کا تعلق آقائے دوجہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے تھا اس لیے قرآن کریم نے بھی اور احادیث مقدسہ نے بھی اور اہل تاریخ نے بھی ان کو نمایاں کر کے پیش کیا ہے، اس لیے بندہ عاجز نے اس کی تفصیلات کو اس کتاب میں ضروری نہیں سمجھا۔لہٰذا میں نے دور اول کے غزوات کو صرف اشاروں میں بیان کیا ہے۔

ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جہادی کارناموں کے اجاگر کرنے کی ضرورت تھی تو میں نے اس میں کچھ تفصیل سے کام لیا ہے۔

اس کے بعد اسلامی جرنیل محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد اور پھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے واقعات کو میں نے خاصی تفصیل سے پیش کیا ہے کیونکہ عام مسلمانوں کے سامنے ان کے جہادی کارنامے منظر عام پر زیادہ نہیں آئے تھے، ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے میں نے زمین کے جغرافیات کو پیش نظر رکھا ہے لہٰذا تاریخ اور زمانہ کی تقدیم و تاخیر کو میں نے ایک حد تک نظر انداز کیا ہے۔

بہرحال پھر یہ سلسلہ محمود غزنوی سے شروع ہو کر سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک جا پہنچا ہے۔اس میں محمود غزنوی کے جہادی کارنامے میں نے نمایاں کر کے پیش کیے ہیں کیونکہ اس کی ضرورت تھی جیسا کہ اس سے پہلے صلاح الدین ایوبی کے کارناموں کو میں نے نمایاں طور پر بیان کیا ہے۔مغل بادشاہوں کے بعد میں نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے جہادی معرکوں کو بہت زیادہ نمایاں کر کے پیش کیا ہے کیونکہ اس کی آج کل بہت ہی زیادہ ضرورت تھی۔اس کے بعد علماء دیوبند اور شاملی کے میدان کے واقعات اور تحریک شیخ الہند کو بھی میں نے ذرا تفصیل سے پیش کیا ہے کیونکہ آج کل اس

کی بھی بہت اہمیت تھی۔

اس طرح الحمدللہ جزیرہ عرب کے ریگستانوں افریقہ اور صحرا اندلس کے بیابانوں میں رزم جہاد کے واقعات بھی قلمبند ہو گئے اور سندھ و ہند اور القدس شریف و فلسطین و مسجد اقصیٰ کے واقعات بھی۔ غرناطہ اور الحمراء، ساحل اندلس وجلولا اور افغانستان وایران کے میدانوں، چٹانوں اور کوہساروں میں نعرہ تکبیر کے ساتھ ولولہ انگیز مناظر بھی سامنے آ گئے اور ہندوستان و پاکستان کے تمام خطوں میں مقدس جنگوں کی تفصیلات بھی۔

اس طرح دنیا کے اکثر ربع مسکون پر علم جہاد کی بلندی کے تذکرے ''جہاد کے میدان سے'' احباب کرام کو یکجا ایک ہی کتاب میں مل جائیں گے۔ اسلامی جرنیلوں اور بادشاہوں کی ان جہادی تفصیلات سے ہر مسلمان یہ بھی سمجھ لے گا کہ اس امت کے صلحاء اور مومنین نے دین اسلام کے پھیلانے کے لیے کون سا راستہ اختیار کیا تھا۔ بندہ عاجز کی ایک دیرینہ تمنا تھی کہ میں ان اسلامی نامور جرنیلوں سے متعلق الگ الگ کتابچے لکھوں گا مگر اس کے لیے حالات بالکل سازگار نہیں تھے کیونکہ مجھے وقت اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام اس طرح فرمایا جس کا میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور وہ اس طرح ہوا کہ میں نے ہفت روزہ ''جریدہ الہلال'' کو ''جہاد کے میدان سے'' کے عنوان سے ایک مضمون دینا شروع کر دیا وہی مضمون بڑھتا گیا اور گمشدہ مقصود ملتا گیا یہاں تک کہ پورا مقصود ہاتھ میں آ گیا۔ اب شوق جہاد رکھنے والا میرا ہر بھائی اسی ایک کتاب کی مدد سے ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی اسلامی جرنیلوں اور سرفروش مجاہدین کی جہادی تاریخ کو یکجا پا کر فائدہ اٹھا سکتا ہے وہ دنیا کے جس خطہ میں سفر کرے گا اس خطہ میں زندہ و تابندہ جہادی تاریخ سے مستفید ہوتا رہے گا۔

میں اس محنت پر اور اس میں مدد و نصرت پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور پھر ہفت روزہ الہلال کا شکر گزار ہوں کہ اس نے با قاعدہ اس طویل مضمون کو اپنی رنگین پیشانی پر نمایاں جگہ دی اور پھر الہلال کے ایڈیٹر مولانا سلطان محمود ضیاء صاحب کا شکر گزار

ہوں کہ انہوں نے اہتمام کے ساتھ اس مقالہ کو اپنے مؤقر جریدہ میں جگہ دی اور آخر میں الہلال کے روح رواں مولوی جمیل الرحمٰن فاروقی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ان مضامین کو یکجا کرنے اور پھر مرتب کرنے میں بڑی محنت اٹھائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ درجہ بدرجہ قارئین کرام کو، ساتھیوں اور الہلال کے منتظمین کو دنیا وآخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے اور اس کتاب کو امت مسلمہ کے لیے جہادی بیداری کا ذریعہ بنائے اور اسے قبولیت عامہ وخاصہ عطا فرمائے اور عوام وخواص کے لیے اس کو نافع بنائے اور بندہ عاجز کے لیے نجات کا سرمایہ بنائے۔ آمین یارب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی

استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

5 جمادی الثانیہ 1422ھ، 25 اگست 2001ء

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے دو مرحلے

علماء کرام حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے دو مرحلے اور دو دور بتاتے ہیں، ایک کو مکی اور دوسرے حصے کو مدنی دور سے یاد کرتے ہیں۔ مکی دور کا دورانیہ نبوت عطا ہونے کے بعد 13 سال پر مشتمل ہے جبکہ مدنی دور کا دورانیہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال پر مشتمل ہے۔ مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال کا وہ عرصہ گزارا ہے جسے نبوت سے پہلے کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح آپ نے مکہ مکرمہ میں عمر شریف کے کل 53 سال گزارے ہیں اور مدینہ منورہ میں دس سال گزار کر 63 سال کی عمر شریف میں دنیا سے رخصت ہوئے ہیں، سیرت کا اطلاق عموماً آپ کی عمر مبارک کے دونوں حصوں پر کیا جاتا ہے، اگرچہ محدثین کرام اور فقہاء عظام نے آپ کی سیرت کو غزوات کے ساتھ خاص کر کے بیان کیا ہے چنانچہ کتاب السیر کے عنوان کے تحت فقہاء کرام نے جہاد فی سبیل اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات ہی کو بیان کیا ہے۔ محدثین عظام کبھی کتاب الجہاد اور کبھی کتاب السیر کا عنوان رکھتے ہیں اور اس کے تحت صرف جہاد فی سبیل اللہ کو بیان کرتے ہیں اور آپ کی حیات طیبہ کے دیگر شعبوں کو دوسرے عنوانات سے بیان فرماتے ہیں مثلاً شمائل النبی، اخلاق النبی، عیش النبی، ولادت النبی، اس فرق کو دیکھتے ہوئے مناسب تو یہی تھا کہ لفظ سیرت کو اسی شعبہ کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے جس کے لیے

فقہاء کرام نے اس کو استعمال کیا ہے۔

لیکن اگر اس کو عام کیا جائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی پر سیرت کا اطلاق کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ مناسب نہیں ہوگا کہ سیرت النبی کے عنوان سے ایسا مفہوم لیا جائے جس میں جہاد کا تصور ہی نہ ہو اور یہ کہا جائے کہ بھائی یہ سیرت کا جلسہ ہے جہاد کا نہیں۔ بہرحال میں قارئین کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور اور مدنی دور دونوں کا مختصر نقشہ رکھنا چاہتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکی دور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب چالیس سال ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم نبوت کا عظیم درجہ عطا فرمایا اور ''اقرأ'' یعنی پڑھیے اور قوم کو ڈرایئے کی عظیم ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی۔ تین سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں گھر کی چہار دیواری میں خفیہ طور پر دین اسلام کی دعوت چلائی۔ پھر حکم ہوا کہ آپ دین اسلام کے اس پیغام کو کسی کی پروا کیے بغیر کھول کھول کر عوام کے سامنے بیان کریں، چنانچہ آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کا آفاقی پیغام قریش کے سامنے رکھ دیا۔ قریش اور اہل مکہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق الامین کے نام سے یاد کرتے تھے، توحید کے اس آفاقی پیغام کے سننے سے دو منٹ پہلے بھی آپ کو صادق الامین اور اپنا دوست سمجھتے تھے، حق کے اس اعلان کو سننے کے ایک منٹ بعد آپ کو جادوگر، جھوٹا کہہ کر اپنا دشمن سمجھنے لگے اور اب حق و باطل کا ایک نہ ختم ہونے والا معرکہ شروع ہوگیا۔

کفار قریش نے انسانیت اور شرافت کے تمام اصولوں کو پامال کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ مظالم ڈھائے اور ظلم وستم کے وہ پہاڑ توڑے جن کا تذکرہ کرنا آسان نہیں، جو شخص جس وقت جہاں بھی چاہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کرے یا آپ کو تنگ کرے یا آپ کا مذاق اڑائے وہ ایسا کرسکتا تھا۔ اپنے گھر کے اندر

دروازہ بند کر کے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ تھے۔ تین سال تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان سے ایسا سوشل بائیکاٹ کیا گیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ شعب ابی طالب کے اس قید خانے سے جب آپ تین سال قید رہنے کے بعد باہر تشریف لائے تو آپ کے لیے اپنے شہر مکہ میں آزادی سے گھومنا پھرنا اور حرم شریف میں داخل ہونا دشوار ہو گیا۔ کسی بھی نو وارد مسافر یا اہل مکہ میں سے کسی کا آپ سے ملنا جرم قرار دیا گیا تھا۔ قرآن کریم سننے سنانے پر پابندی تھی۔ اگر حج کے موسم میں یا کسی دوسرے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی وادی میں کسی مسافر کو حق کا پیغام سناتے تو کفار میں سے ابولہب ساتھ لگا رہتا اور کہتا پھرتا کہ یہ میرا بھتیجا ہے، یہ (نعوذ باللہ) مجنون ہو گیا ہے اس لیے اس کی بات نہ مانو۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کفار قریش نے آپ کی ایذا رسانی اور آپ کے ساتھیوں پر مظالم ڈھانے میں انتہا کر دی تو آپ نے چاہا کہ مکہ مکرمہ کے اطراف میں قبائل عرب اگر مجھے اور میرے صحابہ کو اپنے ہاں لے جا کر پناہ میں رکھیں تو اس سے میرے ساتھی اہل مکہ کے مظالم سے بچ جائیں گے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ نے اپنے آپ کو ہر قبیلہ پر پیش کیا اور فرمایا کہ اہل مکہ نے دین کی اس دولت کو قبول نہیں کیا، تم اس دولت کو قبول کرو اور مجھے اپنے ہاں لے جاؤ۔ اس پیش کش کو ''عرض علی القبائل'' کے نام سے احادیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ اسی مقصد کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا وہ سفر کیا جو مصائب اور مشکلات سے اتنا بھرا ہوا تھا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود کسی قبیلے والوں نے سردار دو جہاں اور عبدالمطلب اور بنو ہاشم کے چشم و چراغ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں جگہ نہیں دی بلکہ عرب کے رسم ورواج اور مشہور مہمان نوازی کے بالکل برعکس اہل طائف نے آپ کو شہر بدر کیا اور آپ پر سر عام طائف کے بازاروں اور گلیوں میں پتھروں کی بارش کر دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے سرداروں سے درخواست کی کہ میرے اس

سفر کی اطلاع اہل مکہ کو نہ دو مگر انہوں نے بہت جلدی ابو جہل کی طرف اطلاع بھیج دی کہ ہم نے تمہارے مخالف شخص کو اپنے ہاں سے بھگا دیا اور ہم تم سے محاذ آرائی نہیں چاہتے۔ ادھر جب اہل مکہ کو اطلاع ہوئی تو وہ جل بھن گئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے مخالفین طائف ایجنسی کے لوگوں کے پاس جا کر ہمارے خلاف محاذ کھولنے کی کوشش کی ہے۔ اب صورت حال اس طرح ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں اپنے گھر میں واپس آنا اور مکہ میں رہنا مشکل ہوگیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ مجھے اپنی پناہ میں لے کر مکہ میں لے جاؤ۔ چنانچہ مطعم اپنے جوانوں کو مسلح کر کے خود ساتھ ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ میں لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔ ابو جہل نے مطعم سے کہا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہو یا صرف پناہ دی ہے مطعم نے کہا میں نے صرف پناہ دی ہے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں رہ کر وقت گزارنے لگے۔

مکی دور میں جہاد کی درخواست

ان کٹھن حالات میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! یہ ابو جہل اور یہ قریش ہمارے خاندان کے لوگ ہیں۔ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیں ہر جگہ گالی دیتے ہیں اور تنگ کرتے ہیں۔ آپ کو بھی ایذا دیتے ہیں اور ستاتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہمیں ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دے دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے اب تک مجھے لڑنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو خاموش تعلیم دی کہ دشمن کے مظالم پر صبر کرنا، موقع کا انتظار کرنا، جسمانی تکالیف سے آشنا ہونا، ذہنی کوفت اور ایذا رسانی پر سنجیدہ رہنا یہ جہاد فی سبیل اللہ کا وہ حصہ ہے جو ایک مجاہد کو استقلال اور ثبات قدم کا درس دیتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مرحلہ جہاد بالسیف کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

مکی دور میں جہاد بالسیف کی اجازت کیوں نہ دی گئی

☆ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مکہ مکرمہ میں بعض صحابہ نے تلوار اٹھانے کی اجازت مانگی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے ابھی تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی ہے، تو ایک وجہ یہی ہوگی کہ آسمان سے اب تک جہاد کا حکم نہیں آیا تھا اور اپنی طرف سے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم جاری نہیں فرماتے تھے۔

☆ مکہ مکرمہ میں لڑنے والے صحابہ کی تعداد بہت کم تھی، چند آدمیوں کو پورے قبائل عرب سے لڑانا حکمت الٰہی کے موافق نہیں تھا۔

☆ اگر مکہ میں ہجرت سے پہلے لڑنے کا حکم آتا تو مکہ میں گھر گھر لڑائی شروع ہو کر خانہ جنگی شروع ہو جاتی جس کی زد میں بچے بوڑھے اور عورتیں سب آ جاتے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ قرآن کریم کا بیشتر حصہ ایسے ماحول میں اتر جائے جہاں جنگ نہ ہوتا کہ دعوت و تبلیغ کے حوالہ سے کفار پر حجت قائم ہو جائے۔

☆ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں اگر جہاد کا حکم آتا ہے تو دنیا کے لوگ یہی سمجھتے کہ یہ بھی اہل مکہ کی قبائلی جنگوں کا ایک حصہ ہے، جو ہمیشہ سے آپس میں لڑتے چلے آئے ہیں۔ اس پروپیگنڈا کو دور کرنا اور اس لڑائی کو جہاد قرار دینا آسان کام نہیں تھا لیکن جب مسلمانوں نے اسلام کے نام پر ہجرت کر کے ملک چھوڑا پھر لڑنے کے لیے میدان میں آئے تو سب نے جان لیا کہ یہ حق اور باطل کے درمیان جنگ ہے جو مسلمانوں کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کے درجہ میں ہے، جس کو جنگ نہیں بلکہ مقدس جہاد کہہ سکتے ہیں۔

امید ہے کہ اس وضاحت سے ہر مسلمان اس بات کو جان لے گا کہ مکی دور کا نقشہ کیا تھا اور ہم نے کیا سمجھا ہوا ہے۔ دوسری بات یہ بھی سمجھ میں آ جائے گی کہ مکہ مکرمہ میں جہاد بالسیف کا حکم کیوں نہیں آیا۔ تیسری بات یہ سمجھ میں آ جائے گی کہ جب مکی دور میں اسلام کے دوسرے احکامات نہیں تھے اور بعد میں آئے، اسی طرح جہاد کا حکم بھی بعد میں آ گیا تو جس طرح باقی احکامات پر چلنا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے اسی طرح جہاد کو اپنانا بھی

ضروری ہے۔

مدنی دور کا آغاز

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلے آپ پر جہاد کا حکم نازل ہوا۔ جنگ بدر سے پہلے آپ نے مہاجرین کی مختصر جماعت کو لے کر غزوہ عشیرہ، غزوہ ابواء اور بواط اور غزوہ ودان میں حصہ لیا اور آپ نے ان غزوات میں زیادہ تر چھاپہ مار جنگ کا طریقہ اپنایا اور قریش کے تجارتی قافلوں پر مسلح حملے کیے کیونکہ جہاد مسلح کارروائی کا نام ہے۔ کنز العمال کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ جہاد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ''جہاد اس کا نام ہے جب میدان میں کفار سے تمہارا آمنا سامنا ہو تو تم ان سے خوب لڑو اور بزدلی نہ دکھاؤ اور نہ خیانت کرو۔'' ان چھوٹے غزوات کے بعد پھر بڑی جنگوں کا آغاز ہو گیا اور جنگ بدر، احد اور خندق و خیبر وغیرہ 27 جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس حصہ لیا اور ان جنگوں میں زخمی بھی ہوئے اور احد کے میدان میں اپنے دستِ مبارک سے ایک کافر کو قتل بھی کیا ہے۔ آخری عمر میں غزوہ تبوک میں خود تشریف لے گئے اور بستر علالت پر آخری جنگی جھنڈا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لیے باندھ کر لشکر اسامہ کو روانہ فرمایا۔ آپ کی وفات کے وقت پورا جزیرۂ عرب جہاد مقدس کی برکت سے اسلام کے زیرِ نگین آ چکا تھا اور اس پر اسلامی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اس وقت آپ نے اعلان فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں اب دو دین نہیں چلیں گے، یہاں ایک اسلام ہو گا۔ آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ ''یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو''۔

چنانچہ جب تک جہاد رہا جزیرہ عرب میں یہود و نصاری کے گھسنے کی گنجائش نہ رہی مگر آج کل جہاد کے کمزور ہونے سے یہود و نصاریٰ کی آنکھیں پھر جزیرۃ العرب پر لگی ہوئی ہیں۔ اللہ حرمین شریفین کی حفاظت فرمائے اور امت مسلمہ کو جہاد کے راستے پر لائے۔ (آمین)

خلفاء راشدینؓ کے دور میں جہاد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے تشریف لے گئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جہاد کے اس مقدس عمل کو آگے بڑھایا۔ جزیرۂ عرب میں شورشوں اور جھوٹی نبوتوں کو جہاد کے ذریعہ ختم کیا اور پھر بلا تاخیر سرزمین فارس کی طرف عراق کے علاقے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں فوج بھیج دی اور دوسری جانب شام کی طرف سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تیس سے 35 ہزار کا لشکر جرار روانہ کر دیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی رفتار جنگ میں کچھ نرمی محسوس کر کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سرزمین شام میں بلا کر افواج اسلامیہ پر سربراہ مقرر فرمایا اور دمشق تک شام فتح ہو گیا۔ اسی دوران آپ کا انتقال ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جہاد کے اس عمل کو آگے بڑھا دیا۔ آپ نے خالد بن ولید کی جگہ ابوعبیدہ بن الجراح کو امیر جیوش اسلامیہ بنا دیا اور سرزمین شام میں حق و باطل کے وہ قیامت خیز معرکے بھڑک اٹھے کہ چشم فلک نے کبھی اس کا نظارہ نہیں کیا تھا۔ حصن ابوالقدس کے طوفانی معرکے ہوئے جس میں حق غالب آیا اور حق کا یہ قافلہ بعلبک کو فتح کرتے ہوئے عزت و عظمت کا یہ کارواں قلعہ حمص پر جا پہنچا۔ اس کے بعد یرموک کے وہ معرکے ہوئے جس نے زمین میں زلزلے برپا کیے۔ آٹھ لاکھ رومیوں سے 45 ہزار صحابہ نے مقابلہ کیا اور کئی معرکوں کے بعد لاکھوں کفار خاک میں مل گئے اور ہزاروں صحابہ کرام نے جام شہادت نوش کیا اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ اسلام کا جھنڈا بلند ہوا اور کفر کی شوکت ٹوٹ گئی۔ یرموک ہی کے ایک معرکے میں ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار کفار کو شکست فاش دی اور شجاعت کی تاریخ رقم کی۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ لشکر جرار بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور اسلام کا قبلہ اول اپنے اصل وارثوں کے انتظار میں شوق کی گھڑیاں گن رہا تھا یہاں تک کہ لشکر اسلام بیت المقدس میں داخل ہوا اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہایت عاجزی کے ساتھ فاتحانہ انداز سے

اس مقدس خطہ ارض میں داخل ہوئے اور اسلام کی عظمت کا اعلان کیا۔ اس کے بعد لشکر اسلام قلعہ حلب کو فتح کرتا ہوا سرزمین شام کے آخری مرکزی مقام اور ہرقل کی قیام گاہ انطاکیہ میں جا پہنچا اور وہاں پر اسلامی جھنڈے لہرا دیے۔ ہرقل اپنے بچوں سمیت ایک ذاتی کشتی میں سوار ہو کر کسی اور مقام کی طرف بھاگ نکلا اور سرزمین شام پر آخری نظر ڈال کر کہا ''اے سرزمین شام میں تجھے آخری سلام کر کے جا رہا ہوں'' ملک شام کے اطراف بھی لشکر اسلام کے ہاتھ میں آ گئے اور پھر عزت و عظمت کا یہ لشکر مصر کی طرف بڑھ گیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر اور قاہرہ فتح کیا اور پھر شدید جنگوں کے بعد مصر کے اسکندریہ اور دمیاط فتح ہو گئے۔

اس کے بعد گلشن اسلام کے شاہینوں نے صعید مصر کا رخ کیا اور کامل تین سال تک علاقہ صعید میں شدید جنگیں لڑیں۔ مرج وہشور میں زبردست معرکوں کے بعد اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر قلعہ اہناس کا محاصرہ کیا۔ جب اس قلعہ پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آگے قلعہ ہنسا کی طرف بڑھ گئے۔ حضرت خالدؓ کے شہزادے صاحبزادے حضرت سلیمانؓ یہیں شہید ہو گئے اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ نے بھی اسی راستے میں جام شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد صحابہ کرام نے شہر جاہل اور دیگر چھوٹے بڑے شہروں کو فتح کرتے ہوئے قلعہ ہنسا کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کا گورنر بطلیموس بے حد بہادر اور عیار و مکار شخص تھا۔ کئی شدید جنگوں کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس قلعہ میں داخل ہو گئے اور بطلیموس کو ہلاک کر دیا۔ قلعہ ہنسا تین سال کی شدید جنگوں کے بعد فتح ہو گیا۔ صعید مصر کے علاقہ میں پانچ ہزار صحابہ کرام شہید ہوئے، جن کا اجتماعی قبرستان آج بھی مسلمانوں کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مسلمانوں کی عزت و عظمت اور اسلام کی سربلندی کا واحد راستہ جہاد ہے، کہتے ہیں کہ اس قبرستان میں آج بھی رات کو مسلمانوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے اور تلواروں اور نیزوں کے کھٹکھٹانے کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں اور کوئی عیسائی اور یہودی آج بھی ان شہداء کی قبروں کے پاس نہیں جا سکتا۔

جہاد کا رخ عراق کی طرف

اس کے بعد صحابہ کرام دیار بکر و ربیعہ سے ہوتے ہوئے عراق پہنچ گئے اور وہ واقعہ جس میں شدید معرکہ ہوا اور چار ہزار صحابہ و تابعین ایک دن میں شہید ہو گئے۔ اس کا بدلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کفار سے مقام بویب میں لیا اور جنگ میں کفار کے ایک لاکھ آدمیوں کو ہلاک کر کے علاقہ فتح کر لیا اور شیروں کی طرح آگے بڑھتے ہوئے میدان قادسیہ میں پہنچ گئے۔ جس طرح سرزمین شام میں 32 ہزار صحابہ کرام کے مقابلے میں سات آٹھ لاکھ کا لشکر اکٹھا ہو گیا تھا اسی طرح قیامت خیز معرکہ قادسیہ کا بھی تھا جس میں فارس کے مجوسیوں کے بڑے پہلوان رستم کے لاکھوں فوجیوں سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی 32 ہزار کی فوج نے وہ ٹکر لی جس کو دنیائے کفر قیامت تک نہیں بھولے گی۔ دن رات ایک کر کے صحابہ نے لڑائی لڑی اور آخر میں اسلام کے شاہینوں نے جھپٹ کر رستم پہلوان کو دبوچ کر موت کی نیند سلا دیا اور مجوسیوں کو شکست فاش ہو گئی۔ اس کے بعد کمانڈر زہرہ نے شمشیر میں شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے پورے علاقے کو فتح کیا اور پھر نہاوند کے قیامت خیز معرکے شروع ہو گئے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات عالیہ سے نوازا۔ اب تمام علاقے صاف ہو کر اسلام کے جھنڈے کے نیچے آ گئے اور صحابہ کے صف اول کے بہادر دریائے دجلہ کے کنارے کھڑے دشمن کی طرف اس پار نکلنے کا سوچ رہے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایوان کسریٰ میں

ادھر دجلہ کا دریا اپنا جوش دکھا رہا تھا اور ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جذبہ جہاد سے سرشار تھے مگر پار نکلنے کے لیے نہ پل ہے نہ کشتی ہے۔ دشمن اس پار اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے کہ ہم تک آنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے، مگر ان کو کیا معلوم تھا کہ جذبہ جہاد ایسی حرارت کا نام ہے جس کے سامنے نہ فلک بوس پہاڑ ٹھہر سکتے ہیں اور نہ موجوں سے پر سمندر ان کا راستہ روک سکتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے افواج

اسلامیہ کو حکم دے دیا کہ ''اپنے اونٹوں اور گھوڑوں سمیت دجلہ میں کود جاؤ'' چنانچہ لشکر اسلام نے دجلہ کی موجوں کو اپنی ایمانی حرارت سے ایسا مسخر کیا کہ نہ کسی کا جوتا گرا، نہ ٹوپی گری اور نہ کوئی مجاہد ضائع ہوا اور نہ ہی کسی کا سامان ضائع ہوا۔ دریا کے بالکل بیچ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی ''ذالک تقدیر العزیز العلیم'' یعنی یہ بھی قادر مطلق زبردست اور جاننے والے علام الغیوب کے اندازے ہیں کہ ان کی مخلوق وسط سمندر میں کس طرح دشمن کا مقابلہ کرتی ہے۔ دریا کے وسط میں دشمن نے حملہ کر دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریا ہی سے جوابی کارروائی کی جس سے دشمن ساحل سے بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوا اور بھاگتے ہوئے کہنے لگا ''دیو آمدند دیو آمدند'' (دیو آ گئے، جن آ گئے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بحفاظت تمام دجلہ کے پار کنارے پر اتر آئے۔ اس عجیب منظر کا نقشہ علامہ اقبال نے اس طرح کھینچا ہے۔

اے موج دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

کسی نے سچ کہا

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

فارس کے بادشاہ یزدجرد کو جب معلوم ہوا کہ محمدی کچھار کے شیر مدائن اور ایوان کسریٰ کی طرف بڑھنے لگے ہیں تو اس نے ایک جرنیل ابن ساور کے ہاتھ میں فوج کی کمان دے کر میدانِ مقابلہ میں اتار دیا۔ گلشن اسلام کے شاہینوں نے فارس کے زاغانِ کفر پر جھپٹ کر ایسا حملہ کیا کہ کسریٰ کی ساری فوجیں تتر بتر ہو گئیں اور لشکر اسلام کے ایک تیر نے ابن ساور کو ہلاک کر دیا اور کفار کے لشکر کو ذلت آمیز شکست ہو گئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کسریٰ کے وائٹ ہاؤس میں

و بـــات ایـوان کســـریٰ و هـــو مـنـصـدع
کشـــمـــل اصــحـــاب کســـریٰ غیـــر مـلـتـئـم

(یعنی کسریٰ کا محل اس طرح ریزہ ریزہ ہوگیا جس طرح اس کی فوجیں تتر بتر ہوگئیں)

شاہ فارس نے جب محمدی کچھار کے شیروں کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اس نے کچھ ضروری سامان ساتھ لیا اور حلوان کی طرف بھاگ نکلا۔ بیوی بچوں کو پہلے ہی مدائن سے نکال چکا تھا اور اب خود بھی کئی ارمانوں کے ساتھ نکل گیا۔ گلشن اسلام کے نامور سپوت توحید کا نعرہ لگاتے ہوئے اس شخص کے ایوانِ صدارت میں داخل ہوگئے جو اپنے آپ کو انسانوں کا رب کہتا تھا۔ سب سے پہلے حضرت تعقاع رضی اللہ عنہ اپنے خاص لڑاکا دستے کے ساتھ ایوانِ کسریٰ میں داخل ہوئے۔ مقابلے کے لیے پورے شہر میں کوئی موجود نہ تھا۔ صرف ایک چودھری پہلوان اکڑتا ہوا آیا تو لشکر اسلام کے ایک شیر نے اسے سر اٹھائے بغیر ٹھنڈا کردیا اور مڑ کر اس کی طرف دیکھا بھی نہیں کہ کس طرح مر رہا ہے۔ سب سے آخر میں لشکر اسلام کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی آب وتاب کے ساتھ فاتحانہ انداز سے دارالخلافہ اور پھر محل کسریٰ میں داخل ہوئے۔ آپ کی زبان پر یہ آیت تھی ''واورثناھا قوما اخرین'' یعنی ہم نے دوسری قوم کو اس کا وارث بنایا۔''

آپ نے گھوڑے سے اتر کر آٹھ رکعت نماز فتح ادا فرمائی اور اقامت کی نیت کر کے سفر کی بجائے مقیم والی پوری نماز پڑھی۔ محل کسریٰ کو آپ نے جامع مسجد میں تبدیل کیا اور اس کا نام ''جامع المدائن'' رکھا جو الحمدللہ آج بھی ''جامع المدائن'' کے نام سے موجود ہے۔ آپ نے قیام کے دوران یہاں پر جمعہ کی نماز پڑھائی یہ تاریخ کا پہلا جمعہ تھا جو دارالخلافہ مدائن میں قائم ہوا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ تین دن کے بعد قصر ابیض (وائٹ ہاؤس) میں منتقل ہوگئے۔ یہ کسریٰ کی خاص قیام گاہ تھی جس طرح آج کل امریکا میں وائٹ ہاؤس ہے۔ بہر حال کسریٰ ساسان کا خاتمہ ہوا اور اسلام کا جھنڈا بلند ہوا اور کفر پٹ

گیا اور پھر مٹ گیا۔

سکھایا ہے ہمیں اے دوست طیبہ کے والیؑ نے
کہ بوجہلوں سے ٹکرا کر ابھرنا عینِ ایمان ہے

وائٹ ہاؤس کا مالِ غنیمت

ایوان کسریٰ کے مال غنیمت کو قید قلم میں لانا میرے بس کی بات نہیں تاہم کچھ اہم اشاروں پر اکتفاء کروں گا۔ مگر اس سے قبل علامہ شبلی نعمانی کی کتاب ''الفاروق'' سے چند فصاحت بھرے جملے نقل کرتا ہوں، ملاحظہ ہو، فرمایا:

''دو تین دن ٹھہر کر سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ دیوانات شاہی کا خزانہ اور نوادرات یکجا کیے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لے کر نوشیروان کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقان چین، راجہ داہر، قیصر روم، نعمان بن منذر، سیاؤس اور بہرام کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ ہرمز اور کیقباد کے خنجر تھے۔ نوشیروان کا تاج زرنگار اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے، ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب وغریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی ''بہار'' کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے، اس رعایت سے اس میں بہار کے تمام سامان مہیا کیے گئے تھے، بیچ میں سبزے کا چمن تھا چاروں طرف سے جدولیں تھیں، ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول و پھل تھے، طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا یعنی سونے کی زمین، زمرد کا سبزہ، پکھراج کی جدولیں، سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے، جواہرات کے پھل تھے۔ یہ تمام سامان فوج کی عام غارت گری میں ہاتھ آیا تھا لیکن اہل فوج ایسے راست باز اور دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لا کر افسر کے پاس حاضر کر دی۔ چنانچہ جب سب

سامان لا کر سجایا گیا اور دور دور تک میدان جگمگا اٹھا تو خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نوادرات کو ہاتھ نہیں لگایا بلا شبہ انتہاء کے دیانت دار تھے۔ مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و استقبال کا تماشا دیکھیں۔

حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغناء پر حیرت ہوئی، محلم نامی مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ نوشیروان کے ملبوسات ان کو پہنائے جائیں، یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے، سواری کا جدا، دربار کا جدا، جشن کا جدا، تہنیت کا جدا، چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی منشا تھا۔ لیکن حضرت علی کے اصرار سے اس ''بہار'' پر بھی خزاں آئی اور دولتِ نوشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔ (الفاروق صفحہ 118)

الغرض حضرت سعد نے عمرو بن مقرن کو مال غنیمت پر نگران مقرر کیا اور عام اعلان کیا کہ جہاں جہاں کسی کو کوئی چیز مل جائے وہ لا کر عمروؓ کے پاس جمع کرا دے۔ چنانچہ سب سے پہلے وائٹ ہاؤس کا مال اکٹھا کیا گیا اور پھر درجہ بدرجہ کسریٰ کے محلات کا سامان لایا گیا اور پھر عام شہر کا مال جمع کیا گیا۔ اکثر کنوؤں کے ڈھکن سونے یا چاندی کے تھے۔ شہر میں بعض مقامات پر کچھ جھڑپیں بھی ہوئیں۔ ایک موقع پر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے ایک شہسوار کا تعاقب کیا تو اس نے مڑ کر تیر برسانے شروع کیے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اب میرے مقابلے کے لیے ٹھہر جا۔'' آپ نے اس کو ایسا نیزہ مارا کہ وہ وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ جب اس کے سامان کو دیکھا گیا تو اس میں دو صندوق تھے دونوں میں پانچ پانچ

تلواریں تھیں جن کو سونے کا پانی دیا گیا تھا۔ اس میں کسریٰ کی زرہیں اور تاج تھا اور دیگر بادشاہوں کا اسلحہ و سامان تھا۔ اسی طرح ایک کجاوے میں بادشاہ یزدجرد کی بیٹی شیریں بانو تھی وہ بھی قید میں آ گئی۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا تو ''قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء'' آیت پڑھی ''یعنی اے مالک تو جسے چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے''۔

کسریٰ کے کنگن مدینہ منورہ میں

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت جب مجاہدین میں تقسیم کیا تو ہر مجاہد کے حصہ میں بارہ بارہ ہزار دینا آئے۔ پانچواں حصہ بطور خمس آپ نے مدینہ روانہ کیا جس میں یزدجرد کی بیٹی شیریں بانو بھی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق کے نام ایک تفصیلی خط بھی لکھا اور فتح مدائن کے تمام احوال بھی لکھے۔ ایوان کسریٰ کا خاص فرش تقسیم کے بغیر مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کے بعد اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرا کر اہل مدینہ پر تقسیم کر دیا۔ جس شخص کو جو ٹکڑا ملا وہ فروخت کے وقت 20 ہزار دینار کا نکلا۔

کسریٰ کے کنگن بھی اس مال میں تھے جن کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت نہایت بے سروسامانی کے عالم میں سراقہ بن مالکؓ کے سامنے کیا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ کنگن آ گئے تو آپ نے حضرت سراقہ کو بلایا اور یہ کنگن ان کو پہنا دیے اور پھر فرمایا کہ نعرہ تکبیر بلند کرو۔ حضرت سراقہ نے نعرہ لگایا تو حضرت عمر نے فرمایا سب تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے کسریٰ بن ہرمز سے یہ کنگن چھین کر بنی معالج کے ایک دیہاتی سراقہ بن مالک کو پہنا دیے۔ کہتے ہیں کہ جب کسریٰ کی تلواریں حضرت عمر کے سامنے لائی گئیں تو آپ نے فرمایا کہ سب تعریفیں اس رب کی ہیں جس نے کسریٰ کی تلواریں اس کے لیے مضر بنائیں اور باعث منفعت نہیں بنائیں، کسریٰ کی بیٹی حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بطور تحفہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔

معرکہ جلولا

مدائن جب کسریٰ کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ بھاگ کر حلوان سے ہوتا ہوا جلولا کے مقام پر جا اترا۔ ادھر ادھر کے مجوسی دوبارہ یزدجرد کے اردگرد اکٹھے ہو گئے اور ایک جم غفیر اور کثیر مخلوق جمع ہوگئی۔ یزدجرد نے قوم کے سامنے ایک زوردار تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اے میری قوم! ملک فارس ہم سے چلا گیا، خزانے لٹ گئے، اموال چھین لیے گئے، میری بیٹی عرب کی قید میں چلی گئی، تمہاری عزتیں پامال ہوگئیں، تمہارے مکانات پر آج عرب قابض ہو گئے، بڑے بڑے قلعے ان کے قبضے میں چلے گئے، پورے فارس پر عرب قابض ہو گئے اور وہ یہاں بھی تمہارا تعاقب کرنے والے ہیں۔ اب تو بھاگنے کی جگہ بھی نہیں رہی اس لیے ہوش کرو خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ اب اپنی بقاء اور زندگی کا سوال ہے۔ اب تو ایسا حملہ کرو کہ یا عرب باقی رہیں یا تم باقی رہو۔ آگ اور سورج سے مدد مانگو وہ تمہاری مدد کریں گے۔''

یہ زوردار تقریر سن کر لوگ زاروقطار رونے لگے اور مرنے مارنے پر تیار ہو گئے اور مقام جلولا میں انسانوں کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ ادھر مسلمانوں کو جاسوسوں نے آکر سب صورتِ حال بتادی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار سپاہیوں کا لشکر جرار ترتیب دیا اور حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کی کمانڈ میں روانہ کر دیا۔ مجوسیوں نے شہر کو ہر لحاظ سے انتہائی محفوظ بنا رکھا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آکر محاصرہ کر دیا اور ایک طویل عرصہ تک محاصرہ جاری رہا۔ وقتاً فوقتاً لڑائی ہوتی تھی، 80 معرکے ہوئے لیکن فیصلہ کن جنگ کی نوبت ابھی تک نہیں آئی۔ ادھر ایرانی مجوسیوں نے محاصرہ سے تنگ آکر میدان میں نکلنے کا فیصلہ کرلیا۔ مسلمان بہت خوش ہوئے کہ میدان جنگ تیار ہو گیا۔ لشکر رحمٰن نے لمبے لمبے نیزوں سے لشکر شیطان کا استقبال کیا۔ ادھر کفر کے نعرے لگ رہے تھے اور ادھر توحید کے مستانہ نعرے بلند ہو رہے تھے۔ جنگ شروع ہونے والی تھی کہ کفار کی مدد کے لیے مزید بارہ

ہزار فوجیوں کی تازہ دم فوج آگئی۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں ایک بلیغ خطبہ دیا اور فرمایا کہ ''اے عرب کسی کی کثرتِ عدد کو مت دیکھو۔ ہم کثرت کی بنیاد پر نہیں لڑتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر لڑا کرتے ہیں۔''

خطبہ جاری تھا کہ حضرت قعقاع شیر ژیان کی طرح دھاڑتے چنگھاڑتے آئے اور توحید کا مستانہ نعرہ بلند کیا اور بارہ ہزار تازہ دم فوج کو لڑنے کا حکم دے دیا۔ جلولا کے اس معرکہ کے متعلق علامہ شبلی نعمانی نے اس طرح نقشہ پیش کیا ہے:

''ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولا پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں تک محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے، اس طرح 80 معرکے ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی، تاہم شہر میں ہر قسم کا ذخیرہ مہیا تھا اور لاکھوں کی جمعیت موجود تھی لیکن کوئی مسلمان بے دل نہیں ہوا۔ ایک دن ایرانی بڑے زور شور سے نکلے، مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعتاً اس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا چھا گیا۔ ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے لیکن گرد وغبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا چنانچہ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا خندق کو کاٹ کر راستہ بنا دیا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملہ کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ انہوں نے اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رخ پر گوکھرو بچھوا دیے اور فوج کو ساز و سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جما دیا۔ دونوں فریق اس طرح جی توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الھریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اول تیروں کا مینہ برسا، ترکش خالی ہو گئے تو بہادروں نے نیزے سنبھالے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا حضرت قعقاع نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے لیکن سپہ سالار قوم یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ انہی کے رکاب میں تھا۔ حضرت قعقاع نے نقیبوں سے کہلوایا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا

ہے۔فوج نے قیقعاع کو ہاشم سمجھا اور دفعتاً ٹوٹ کر گرے۔ ایرانی گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے تھے گوکھرو بچھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے بے دریغ قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ مؤرخ طبری کی روایت کے مطابق ایک لاکھ آدمی جان سے مارے گئے اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی۔ (الفاروق 120)

''جلولا'' سے جب ایرانی لشکر پسپا ہوا تو حضرت قعقاع نے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جنگ حلوان میں جا پہنچی۔ فارس کے بڑے بڑے جرنیل مارے جا چکے تھے یا قید ہو چکے تھے۔ مسلمان بڑی آسانی سے حلوان میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوئے۔ کسریٰ یزدجرد سے ''رئی'' کی طرف بے سروسامانی کے ساتھ بھاگ آیا اور اس طرح فارس کی قدیم ساسانی شہنشاہیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عظیم جہاد کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئی اور قیامت تک سطح عالم سے اس کا نقشہ ہی ختم ہو گیا۔

و بات ایون کسریٰ و ھو منصدع
کشمل اصحاب کسریٰ غیر ملتئم

بنا کردند خوش رسے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یزدجرد کا قصہ

کسریٰ ساسان کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا، یزدجرد بن شہریار بن پرویز بن ہرمز بن نوشیروان جب مدائن سے حلوان بھاگ نکلا تو وہاں سے بھی اصفہان کی طرف بھاگا۔ جب اصفہان کے سارے علاقے فتح ہو گئے تو یزدجرد وہاں سے اصطخر بھاگ نکلا۔ اصطخر بہت محفوظ و مضبوط گڑھ تھا جس میں مجوسی آباد تھے مگر پھر یزدجرد نے طبرستان کا ارادہ کرلیا لیکن اس کی بجائے وہ کرمان بھاگ کر چلا گیا۔ لشکر اسلام میں حضرت مجاشع نے اس کا پیچھا کیا مگر وہ یزدجرد کو قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک دن یزدجرد کرمان میں بیٹھا ہوا

تھا کہ علاقے کا ایک چودھری اس کے سامنے آ گیا اور بوجہ تکبر بات کیے بغیر یزدجرد کی ٹانگ کھینچی اور کہا کہ تم ایک دیہات پر حکمرانی کی اہلیت نہیں رکھتے ہو چہ جائیکہ تمہیں فارس کا بادشاہ بنایا جائے۔ اگر تم میں کچھ بھلائی ہوتی تو اس طرح ذلیل نہ ہوتے۔ یزدجرد کرمان سے بجستان بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر کچھ عرصہ بعد وہاں سے بھی بھاگنے پر مجبور ہو گیا اور اب وہ خراسان بھاگ آیا۔ یہ افغانستان کا علاقہ تھا جب یزدجرد ''مرو'' کی حدود میں داخل ہوا تو علاقے کے چودھریوں نے ان کا استقبال کیا مگر کچھ دنوں کے بعد ایک چودھری نے یزدجرد کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام دیا تو یزدجرد اس پر غصہ ہوا اور جواب دیا کہ تم میرے غلام ہو۔ تجھے میری بیٹی سے نکاح کا کیسے خیال آیا۔ چنانچہ ''مرو'' کے چودھریوں نے سازش کر کے اسے قتل کر دیا پھر جس شخص نے کسریٰ کا قتل کیا تھا چودھریوں نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ فتوح البلدان نے لکھا ہے کہ ایک دن یزدجرد نے کھانے کے بعد شراب پی لی اور اپنا شاہی جوڑا پہن کر سر پر تاج رکھا۔ جب میزبان نے دیکھا تو اس کا ارادہ بدل گیا اور تاج کی لالچ میں اس کو قتل کر دیا۔ چکی کا پاٹ اس کے سر پر دے مارا اور سامان چھین کر بادشاہ کو گندے پانی میں ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ یزدجرد نے روٹی کے لیے اپنے میزبان چودھری سے پیسے مانگے تو اس نے چار درہم دیے بادشاہ ہنسا اور پھر کہا کہ مجھے کہا گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ تم چار درہم کے محتاج بنو گے۔ پھر جب وڈیرے اس کو قتل کرنے لگے تو اس نے کہا کہ مجھے قتل نہ کر بلکہ مجھے عرب کے کسی بادشاہ کے پاس لے جاؤ۔ میں ان کے ساتھ تمہاری صلح کرادوں گا تم امن میں رہو گے۔ مگر چودھریوں نے نہیں مانا اور یزدجرد کا گلا گھونٹ کر قتل کر دیا اور بوری میں لاش بند کر کے پانی میں پھینک دی۔ یہ ہوا حال اس شخص کا جو اپنے آپ کو رب کہتا تھا اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور مجاہدین کا مقابلہ کرتا تھا، اگر جہاد جاری رہا تو بہت سارے فرعون ایسے ہی غرق ہو جائیں گے۔

جہاد اپنی ترقی کی راہ پر گامزن ہے

حضرت عثمان رضی اللہ کے عہد خلافت میں آپ نے ولید بن عقبہ کو عراق کے پاس کوفہ

کا امیر مقرر کیا تھا کوفہ میں اس وقت چالیس ہزار لڑنے والی فوج رہتی تھی ان افواج اسلامیہ کا مقابلہ زیادہ تر رئی اور آذر بائیجان کے مجوسیوں سے ہوتا تھا۔ آذر بائیجان میں چھ ہزار کا اسلامی لشکر پڑا تھا اور رئی میں چالیس ہزار کا لشکر جرار تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فارس کے بعض علاقے ایسے تھے جو ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے اور بعض میں آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بغاوت اٹھی تھی۔ ایسے ہی علاقوں میں جہاد کا بازار گرم ہوا اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ جب کوفہ کے امیر بنے تو آپ نے آذر بائیجان اور آرمینیہ وغیرہ کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا۔ آپ نے امیر الجیش حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور خود بھی عام لشکر کے ساتھ جہاد کے لیے نکل گئے۔ آذر بائیجان کو فتح کیا اور ایک اور کمانڈر کو چار ہزار لشکر دے کر موتان، ببر اور طیلستان کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ لشکر اسلام نے ان تینوں اہم مقامات کو فتح کیا اور عظیم مال غنیمت ہاتھ آیا اور آذر بائیجان والوں پر آٹھ لاکھ ٹیکس مقرر کیا اس کے بعد لشکر اسلام نے ان علاقوں میں دور دور تک کفار کا تعاقب کیا اور تمام علاقے اسلامی جھنڈے کے نیچے آ گئے۔ پھر سلمان بن ربیعہ کو بارہ ہزار لشکر جرار دے کر آرمینیہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ آپ نے وہاں کامیاب جہاد کیا اور بڑے غنائم کے ساتھ تمام علاقے فتح ہو گئے۔

یہاں جہاد اپنے عروج پر تھا کہ اچانک رومیوں نے شام کے بعض علاقوں پر حملہ کر دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کو خط لکھا کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے کوفہ سے لشکر تیار کر کے بھیج دو۔ چنانچہ ولید بن عقبہ نے ایک زوردار تقریر کی اور آٹھ ہزار کا لشکر جرار تیار کر کے سلمان بن ربیعہ کی کمان میں روانہ کر دیا۔ لشکر اسلام نے جا کر اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کی اور کفار کو شکست فاش ہوگئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین افغانستان میں

اطراف فارس سے فارغ ہو کر تابعین اور بعض صحابہ پر مشتمل اسلامی لشکر خراسان یعنی افغانستان کی طرف متوجہ ہوا اور کئی شدید جنگوں کے بعد کابل اور قندھار تک فاتحانہ انداز

سے پہنچ گیا۔ چنانچہ فتح کابل کے موقع پر وسط کابل میں حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت اور دیگر جہادی مسائل اور فضائل پر مشتمل تقریر فرمائی جس کا تذکرہ صحاح ستہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ تاریخی اعتبار سے وہاں ایک مقبرہ ہے جس میں تقریباً 72 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی قبریں ہیں اور کچھ فاصلے پر دو اور قبریں ہیں جن کے متعلق یہی لکھا ہے کہ یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہیں جو جہاد میں شہید ہو چکے ہیں۔

ادھر حضرت ابن عامر نے احنف بن قیس کو ''مروروز'' کی طرف روانہ کر دیا۔ آپ نے اس علاقہ کا محاصرہ کیا علاقے کے کفار نے نکل کر سخت مقابلہ کیا لیکن لشکر اسلام نے ان کو شکست دے دی اور وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے اور پھر فصیل سے بلند آواز سے اس طرح اعلان کیا: اے عرب! تمہارے متعلق ہمارا یہ خیال نہیں تھا جو حال رونما ہوا۔ اگر ہم آپ کو اسی طرح (کامیاب جنگجو) سمجھتے تو ہمارا اور تمہارا کچھ اور معاملہ ہوتا (یعنی جنگ نہ کرتے) اب ہمیں مہلت دے دو اور تم اپنی چھاؤنی میں چلے جاؤ تاکہ ہم ایک دن تک سوچ لیں۔ چنانچہ ایک دن کی مہلت کے بعد ''مرو'' کے والی نے قاصد بھیجا اور صلح کی درخواست کی اور کہا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ ہم پورے علاقے کے لوگوں کی طرف سے آپ کو ساٹھ ہزار درہم بطور ٹیکس دیں گے۔ مگر میری ایک شرط یہ ہوگی کہ جو زمین ہے وہ میرے پاس رہے گی۔ اس کے جواب میں حضرت احنف بن قیس نے ان کے لیے امان لکھ دیا اور شریعت کے مطابق قواعد وضوابط کا ذکر کیا اور یہ عہد لیا کہ جہاد میں حصہ لیں گے۔ جب اہل ''مرو'' سے صلح مکمل ہو گئی تو ابن عامر تخارستان یعنی تخار کی طرف متوجہ ہوئے۔

تخار میں شدید جنگ

ادھر تخار، جوزجان، طالقان اور فاریاب کے لوگ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے اکٹھے ہو گئے اور تین مرحلوں پر تیس ہزار لوگ میدان جنگ کی طرف بڑھنے لگے۔ جب یہ لوگ اس کثرت کے ساتھ میدان میں اتر آئے تو مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ بعض نے حملہ کرنے اور لڑنے کا مشورہ دیا، بعض نے ''مرو'' جانے کا

مشورہ دیا، بعض نے مزید کمک منگوانے کی رائے دی۔ جرنیل اسلام احنف بن قیس نے عام لوگوں کی رائے جاننا چاہی تو لشکر اسلام کے مختلف اطراف میں رات کو گشت کیا۔ ایک خیمہ میں ایک مجاہد دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ اسلامی جرنیل کو چاہیے کہ فوراً کفار پر حملہ کر دیں تا کہ کفار پر رعب پڑ جائے۔ دوسرے نے جواب میں کہا کہ لشکر اسلام نے ایسا کیا تو یہ بڑی غلطی ہوگی کیونکہ یہ صحرائی علاقے ہیں اور یہاں گہرے غار اور وادیاں ہیں۔ دشمن کے لوگ ان علاقوں سے واقف ہیں اور مسلمان نو وارد ہیں۔ اگر ہم اندر داخل ہو گئے اور کفار نے گھیرے میں لے کر ہم پر حملہ کر دیا تو وہ ہمیں بھون ڈالیں گے اس لیے مسلمانوں کو ایسا کرنا چاہیے کہ ''بالائے مرغاب'' میں جا کر اس کے پہاڑ کے دامن میں اتر کر اس طرح پڑاؤ ڈالنا چاہیے کہ بالائے مرغاب دائیں اور پہاڑ بائیں طرف ہو۔ اس طرح ہم پر اتنے ہی دشمن حملہ کریں گے جتنے کہ ہم ہیں۔ لہٰذا ہم آسانی سے مقابلہ کر لیں گے۔ احنف بن قیس کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور لشکر کو تیار کرنا شروع کیا۔ اہل مرو نے مدد کی پیش کش کی مگر احنف بن قیس نے فرمایا ہم کافروں کے مقابلہ کے لیے مشرکوں سے مدد نہیں لیتے۔ ہاں اگر ہمیں شکست ہوگئی تو پھر اپنا دفاع کرنا۔

راوی کا بیان ہے کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا کہ اتنے میں دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر شدید حملہ کر دیا اور شام تک لڑائی جاری رہی۔ کہتے ہیں کہ احنف بن قیس رات کے وقت طالقان، فاریاب اور مرو میں مقیم مسلمانوں سے ملے اور کفار پر مشترکہ حملہ ہوا، رات بھر لڑائی جاری رہی۔ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست سے دوچار کیا۔ اب کفار بھاگ رہے تھے اور صحابہ کرام و تابعین ان کو کاٹ رہے تھے۔ کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے، کفار مقام سکن تک بھاگ کھڑے ہوئے۔

ایک اسلامی شاعر نے اس وقت جوز جان کے بارے میں کہا

سقی مزن السحاب اذا ستهلت

مصارع فتية بالجوز جان

(یعنی جوز جان میں ہمارے نو جوان شہداء کی جو قبریں ہیں، سفید بادل جب آئے تو ان کو پانی پلا کر سیراب کرے)

مزار شریف میں معرکہ

قدیم تاریخ نے مزار شریف کو بلخ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ احنف بن قیس کے لشکروں نے مزار شریف کا سخت محاصرہ کیا اور جب وہاں کے لوگ مقابلہ سے عاجز آ گئے تو انہوں نے چار لاکھ درہم ٹیکس پر رضامندی ظاہر کی۔ احنف بن قیس نے مزار شریف پر ایک امیر مقرر کیا اور خود بادغیس اور ہرات کی طرف متوجہ ہو گئے۔ چنانچہ لشکر اسلام نے انہیں فتح کر لیا لیکن وہاں سے جب عالم لشکر چل دیا تو پیچھے ہرات اور بادغیس والوں نے بغاوت کر دی اور سب کے سب جرنل "قارن" کے ساتھ مل گئے۔ جرنل قارن کے ساتھ ادھر ادھر کے بہت لوگ اکٹھے ہو گئے۔ قہستان، طبسین، بادغیس اور ہرات کے چالیس ہزار آدمی قارن کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ حضرت ابن عامر عمرہ کے لیے چلے گئے اور خراسان پر اپنی جگہ قیس بن ہیثم کو امیر مقرر کیا اور افواج اسلامیہ کے امیر حضرت عبداللہ بن حازم مقرر ہوئے۔ عبداللہ بن حازم کے پاس صرف چار ہزار کا لشکر تھا جس کو چالیس ہزار سے لڑانا بہت مشکل تھا۔ اس لیے آپ نے یہ تدبیر کی کہ افواج اسلامیہ میں حکم جاری کیا کہ ہر شخص ایک لاٹھی لے اور اس کے ساتھ روئی یا کپڑا باندھ لے اور پھر اس پر گھی، تیل یا چربی وغیرہ لگا کر اس میں آگ روشن کرے۔ چنانچہ رات کے وقت لشکر اسلام نے کفار پر اچانک حملہ کیا۔ جب قارن کی فوجوں نے دیکھا تو حیران اور دہشت زدہ ہو کر رہ گئی کیونکہ وہ جدھر دیکھتی ہر طرف ان کو ایک متحرک آگ ہی آگ نظر آتی۔ اس دہشت کے ساتھ مسلمانوں نے کفار پر سخت حملہ کر دیا۔ جرنل قارن مارا گیا اور اس کا لشکر تتر بتر ہو گیا اور مسلمانوں نے ان کو کاٹنا شروع کر دیا۔ اس طرح پورے علاقے پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ یہ سن 32 ہجری کا زمانہ تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہند اور سندھ میں

یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ قدیم زمانہ میں ہند کا اطلاق برصغیر کے بڑے حصہ پر ہوتا تھا

جس میں افغانستان کچھ حصے بھی آتے تھے۔خود افغانستان خراسان کے نام سے مشہور تھا جو ایک وسیع علاقے پر بولا جاتا تھا۔لہٰذا ''الہند'' کے اسی وسیع مفہوم کے پیش نظر آیندہ مباحث کو پڑھا جائے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض اشعار میں ہند اور سندھ میں جہاد کرنے کا تذکرکیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین قرون اولیٰ میں بھی مکران سے ہوتے ہوئے سندھ کی طرف آئے تھے اور پھر حجاج بن یوسف کے زمانہ میں محمد بن قاسم نے باقاعدہ کارروائی کر کے ملتان تک پیش قدمی کر کے ملت بیضاء کا جھنڈا سندھ کے میدانوں میں لہرا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ اپنے مشہور قصیدہ میں اس طرح اپنے شہسواروں کے متعلق فرماتے ہیں:

وعندی الثلاثون الذی قدشاع ذکرهم

وکل فتی یا صاح بالالف یرجح

ورحنا فتحنا الهند والسند کله

واسیافنا فی الغمد لله تسبح

(یعنی میرے ساتھ تیس مشہور کمانڈر ہیں جن میں سے ہر ایک جوان ایک ہزار پر غالب ہے۔پھر ہم ہند اور سندھ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں فتح کرلیا اور ہماری تلواریں نیام میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی تھیں)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے عراق کے گورنر عبداللہ بن عامر بن کریز کو حکم دیا کہ آپ کسی کو ہند کی سرحد پر بھیج دیں تاکہ وہاں کے احوال ہم کو معلوم ہوسکیں۔ چنانچہ عراقی گورنر نے حکیم بن جبلہ کو اس مہم پر روانہ کیا۔ انہوں نے تمام احوال کا جائزہ لیا اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس طرح رپورٹ پیش کی:

''یا امیر المؤمنین! قدعرفتها وتنحرتها. قال فصفها لی قال ماء هاوشل

وتمرها دقل ولصها بطل، ان قل الجيش ضاعوا وان كثروا جاعوا۔"

"اے امیر المؤمنین! میں نے ہندوسندھ کی خوب گہرائی سے جائزہ لیا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ آپ بیان کریں۔ انہوں نے کہا کہ سندھ کا پانی قلیل اور کمزور ہے اور اس کی کھجور ردی اور بیکار ہے اور اس کے ڈاکو بڑے بہادر ہیں۔ اگر لشکر اسلام کم ہوا تو دشمن کے ہاتھوں ضائع ہو جائے گا اور اگر زیادہ ہوا تو بھوک سے مرجائے گا۔"

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوج بھیجنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے ہندوسندھ کے سرحدی علاقوں پر چڑھائی کے لیے حارث بن مرہ کو کمانڈر بنا کر بھیجا۔ کمانڈر حارث نے ان سرحدی علاقوں میں خوب جہاد کیا اور اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے مجاہدین پر ایک ہزار غلام تقسیم کر دیے اور پورا علاقہ "قیقان" آپ نے فتح کیا مگر آپ انہی علاقوں میں اپنے اکثر ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ پھر مہلب بن ابی صفرہ نے حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ان علاقوں پر جہادی کارروائی کی، جس میں انہوں نے ملتان کابل کے درمیان کئی علاقوں کو فتح کر لیا۔ پھر اس کے بعد عبداللہ سوار بن ان علاقوں کے جنگی امور پر کمانڈر مقرر ہوئے۔ آپ نے "قیقان" پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ اس کے بعد کمانڈر سنان بن مسلمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر سندھ کی طرف آگے بڑھے اور پورے مکران کو فتح کر کے ان میں شہر آباد کیا، پھر عباد بن زیاد نے ہند کے سرحدی علاقوں میں جہاد کیا اور بجستان سے ہوتے ہوئے ہلمند آئے اور ہلمند سے قندھار کو فتح کرتے ہوئے ہندوکش کے پہاڑوں پر قبضہ جما لیا۔ قندھار کے بارے میں ایک شعر اس طرح ہے

بقندهار ومن تكتب منيته
بقندهار يرجم دونه الخبر

(یعنی کتنے لوگ قندھار میں مارے گئے جن کی قبروں کا پتا نہیں اور جس شخص کی موت

قندھار میں لکھی جائے تو اس کی صحیح خبر نہیں آتی ہے)

پھر اس کے بعد ہند کے سرحدی علاقوں پر جنگی کمانڈر منذر بن جارود مقرر ہو گئے۔ آپ ان تمام علاقوں کو فتح کرتے ہوئے خضدار تک فاتحانہ انداز سے آئے۔ شدید معرکے ہوئے اور بالآخر حق غالب آیا اور باطل مٹ گیا۔ لشکر اسلام نے قیقان، بوقان، قنداییل اور مکران کو فتح کیا اور مگر ابھی تک سندھ باقی تھا۔ ان تمام واقعات کو تسلسل کے ساتھ اشارات کے طور پر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آج کل کے سوئے ہوئے مسلمان اور خصوصاً نوجوان بیدار ہو جائیں کہ ہمارے اسلاف نے کس طرح جہاد کیا تھا اور جہاد مقدس کے ذریعہ اسلام کو کس طرح مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں پھیلایا تھا اور اب ہماری کیا ذمہ داری ہے۔

مجاہدین افریقہ میں

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جب سن 27ھ میں عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک سرکاری حکم نامہ ان کے نام جاری فرمایا کہ افریقی ممالک میں جہاد کا علم بلند کریں اور اگر آپ نے افریقہ کو فتح کر لیا تو علاقوں کے مال غنیمت میں سے آپ کو بطور تنفیل "خمس الخمس" دیا جائے گا۔ یعنی مال غنیمت کے پانچویں حصے کا پانچواں بطور انعام آپ کو ملے گا (یہ انعام نکالنا امام المسلمین اور امام الحرب کی طرف سے شرعاً جائز ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے مودودی صاحب نے خلافت وملوکیت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا ہے جو مودودی صاحب کی علمی اور فنی غلطی ہے، راقم)۔

بہر حال حضرت عبداللہ بن ابی سرح نے دس ہزار مجاہدین کو ساتھ لیا اور شدید جنگوں کے بعد افریقہ کے میدانی اور صحرائی علاقے فتح کیے۔ کفار کے مقتولین کے ڈھیر لگ گئے اور باقی ماندہ نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا اور اخلاص کے ساتھ اسلام پر برقرار رہے۔ عبداللہ بن ابی سرح نے اپنا انعام وصول کیا اور بقیہ مال غنیمت کو مجاہدین پر تقسیم کیا اور بیت

المال کا حصہ مرکز کی طرف بھیج دیا۔ مجاہدین کے ہر شہسوار کو تین ہزار دینار اور پیدل کو ایک ہزار دینار ملے۔ ''البدایہ والنہایہ'' نے لکھا ہے کہ مجاہدین نے کفار کے کمانڈر انچیف کے ساتھ دو لاکھ بیس ہزار دینار پر صلح کر لی کہ یہ مال تم مرکز اسلام کو دو گے، اس نے قبول کر لیا۔ (البدایہ والنہایہ ج7 ص157)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خط

جب افریقہ فتح ہو گیا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے دو کمانڈروں کے نام خط لکھا کہ ''تم فوراً اندلس میں سمندر کی طرف داخل ہو جاؤ، نیز قسطنطنیہ بھی سمندر کی طرف سے فتح ہو سکتا ہے۔ اگر تم نے اندلس کو فتح کیا تو اس کے بعد جو لوگ قسطنطنیہ کو جس وقت بھی فتح کریں گے تم ان کے ثواب میں شریک رہو گے۔'' (والسلام)

مجاہدین بربر کے بادشاہ جرجیر کے مقابلہ میں

حضرت عبداللہ بن ابی سرح کی قیادت میں بیس ہزار مسلمانوں نے جب افریقہ میں بربر کے بادشاہ جرجیر کی طرف جہاد کا علم بلند کیا تو اس وقت لشکر اسلام میں دو مبارک کمانڈر عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ بربر کے بادشاہ جرجیر نے مقابلہ کے لیے دو لاکھ تازہ دم فوج اکٹھی کر رکھی تھی اور بڑے ناز و نخرے کے ساتھ میدان میں نکل آیا تھا۔ جونہی لشکر کفار کی نگاہیں لشکر اسلام کی مختصر سی جماعت پر پڑیں تو انہوں نے فوراً ان پر ہلہ بول دیا اور سب کو گھیرے میں لے لیا۔ اس وقت مسلمانوں نے اپنی جنگی تاریخ میں اس طرح خوفناک اور قیامت خیز منظر کبھی نہیں دیکھا تھا مگر شاباش کہ ایسے ڈٹے رہے کہ نئی تاریخ رقم کی۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا حملہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے جب دیکھا کہ کفار کا بادشاہ جرجیر صف کے پیچھے اپنے عمدہ گھوڑے پر سوار ہے اور دو خوبصورت لڑکیاں طاؤسی پنکھا ہلا رہی ہیں اور طاؤس کے پروں کی چھتری سے ان پر سایہ کر رہی ہیں تو میں امیر لشکر عبداللہ

بن ابی سرح کے پاس گیا اور کہا کہ میں بادشاہ پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے بہادروں کی ایک جماعت دے دیں تاکہ وہ میری پیٹھ کی طرف سے دشمن کا دفاع کریں۔ انہوں نے مجھے بہادروں کا ایک لڑاکا دستہ دے دیا اور میں کفار کی صفوں کو چیرتا ہوا بادشاہ کی طرف آگے بڑھنے لگا۔ کفار کے لوگ خیال کررہے تھے کہ میں کوئی خط یا پیغام لے کر بطور قاصد آیا ہوں لیکن جب میں قریب ہوگیا تو بادشاہ نے محسوس کیا کہ یہ تو حملہ آور ہے۔ چنانچہ جرجیر بھاگنے لگا اور میں اس کے پیچھے پڑ گیا یہاں تک کہ میں نے اس کے جسم میں نیزہ پیوست کیا اور پھر تلوار سے اس کے ٹکڑے کر دیے اور اس کا سر قلم کر کے نیزہ پر اٹھایا اور زوردار نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جب لشکر کفار نے یہ منظر دیکھا تو وہ ایسے بھاگے جیسے کبوتر ایک دم اڑ کر بھاگتے ہیں۔ لشکر اسلام کے شیر دل نوجوانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ان کو بے تحاشا کاٹتے رہے اور گرفتار کرتے رہے۔ یہ پہلا واقعہ ہے جس سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ایک عظیم جرنیل کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ افریقہ کے اس علاقہ کا نام ''سیفلہ'' تھا جس میں پہلی دفعہ اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا اور کفار اپنے بادشاہ کے ساتھ زمین پر تڑپتے رہے اور راقم الحروف نے کہا۔

من عهد عاد كان معروفا لنا
اسر الملوك و قتلها و قتالها
خلق الله للحروب رجالا
و رجالا لقصعة و ثريد

(بادشاہوں سے لڑنا اور انہیں قید و قتل کرنا قدیم زمانہ سے ہمارے جانے پہچانے کارنامے ہیں اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو لڑنے اور بعض کو کھانے پینے کے لیے پیدا کیا ہے)

مجاہدین چین میں

البدایہ والنہایہ جلد 9 صفحہ 93 میں ابن کثیر نے لکھا ہے کہ خاندان بنوامیہ نے جہاد کا عظیم ماحول پیدا کیا تھا۔ ان کے حکمرانوں کا کام یہی جہاد تھا جس کی وجہ سے اسلام کا کلمہ

اطراف عالم میں مشرق سے لے کر مغرب تک اور خشکی سے لے کر سمندر کی گہرائیوں تک پھیل گیا۔ ان کے جہاد کی وجہ سے کفر اور کفار ذلیل ہو کر رہ گئے اور مشرکین کے دلوں میں مسلمان مجاہدین کا بہت بڑا رعب بیٹھ گیا۔ مجاہدین دنیا کی جس سمت کی طرف متوجہ ہوتے اللہ تعالیٰ ان کو فتح عطا فرماتے تھے لشکر اسلام میں بڑے بڑے اولیاء اللہ، شب بیدار اور زاہد شریک تھے اور بڑے بڑے تابعین اور صحابۂ کرام کے شاگرد شامل تھے۔ چنانچہ حضرت قتیبہ بن مسلم نے جب بلاد ترکیہ میں مسلسل جہاد کیا اور ان علاقوں کو فتح کیا اور بہت اموال غنائم حاصل کیے تو آپ اس کے بعد چین کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ اپنی افواج کے ساتھ چین کی سرحدات پر جا کھڑے ہوئے اور چین کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی کہ یا اسلام قبول کرو یا جزیہ ادا کرو یا لڑائی کے لیے میدان میں آ جاؤ۔ چین کا بادشاہ بہت ڈر گیا حالانکہ اس وقت اردگرد کے بادشاہ چین کے اس بادشاہ کو ٹیکس دیا کرتے تھے۔ ان کی بہت بڑی طاقت اور بڑی فوج تھی، مگر وہ لشکر اسلام سے خوف زدہ ہو گیا اور اس نے قتیبہ بن مسلم کی افواج کی خدمت میں خیر سگالی اور صلح کی غرض سے تحفے اور کثیر مقدار میں اموال بھیج دیا۔ یہ مہم ابھی جاری تھی کہ حجاج بن یوسف کا انتقال ہو گیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں اگر حجاج کا انتقال نہ ہوتا تو لشکر اسلام پورے چین میں داخل ہو جاتا اور وہاں سے کبھی پیچھے نہ ہٹتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین قبرص میں

سن 28 ہجری میں لشکر اسلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جزیرہ قبرص کو فتح کیا یہ جزیرہ سرزمین شام کی مغربی جانب بحر روم کے ساحل میں واقع ہے اس جزیرہ کا ایک حصہ دمشق کے قریب تک جا پہنچا ہے۔ یہ عمدہ جزیرہ ہے جس میں طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں۔ حضرت معاویہ کے مبارک جہاد سے یہ جزیرہ فتح ہوا تھا۔ اس فتح کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی بھی تھی۔ احادیث میں اس کا تذکرہ اس طرح ہے: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرام رضی اللہ عنہ کے ہاں استراحت

فرما رہے تھے۔ آپ جب بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے میری امت کے کچھ لوگ خواب میں دکھائے گئے جو سمندر کی موجوں میں سوار ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کر رہے ہیں۔ وہ بادشاہوں کی طرح لگ رہے ہیں جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے انہی میں سے بنا دے۔ آپ نے فرمایا کہ تم انہی میں سے ہوگی۔'' چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ کے زمانہ میں قبرص پر جہاد شروع ہوا تو حضرت ام حرام اس میں گئی تھیں اور واپسی میں سواری سے گر کر شہید ہوگئیں۔ غزوہ قبرص کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بار بار قبرص پر حملہ کی اجازت مانگی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ علاقہ مشکل ہے میں لشکر اسلام کو اس تکلیف میں نہیں ڈال سکتا۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اجازت مانگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری کشتیوں اور جنگی بحری بیڑے کا اہتمام وانتظام کیا اور ایک عظیم لشکر کے ساتھ جزیرہ قبرص کی طرف متوجہ ہوئے۔ خدا کی شان دیکھیے کہ جزیرہ قبرص پر جس طرف سے حضرت معاویہ نے حملہ کیا اور آگے بڑھنے لگے تو دوسری طرف سے حضرت عبداللہ بن ابی سرح کی فوج نے قبرص پر حملہ کیا ہوا تھا۔ دونوں طرف لشکر اسلام نے لشکر کفار کو ایسے نرغے میں لے لیا کہ اب ان کا بچنا محال ہو گیا۔ بڑی مخلوق ہلاک ہوگئی اور بے شمار لوگ گرفتار ہو گئے۔ بے انتہاء اموال غنائم ہاتھ آئے اور پورا علاقہ فتح ہو گیا جب قبرص کے قیدیوں کو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو رونے لگے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ اسلام کی اس عظیم الشان فتح پر روتے ہیں حالانکہ یہ خوشی کا موقع ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ذرا سوچو تو سہی یہ لوگ ایک طاقتور امت سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی اطاعت کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قید و بند کی ذلتوں میں ڈال دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل قبرص پر

سالانہ سات ہزار دینار کا ٹیکس مقرر کیا اور وہاں سے واپس آ گئے۔ سمندری جہاد کی ابتداء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیات اور کارناموں میں سے ہے۔

فتح قسطنطنیہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب مکمل طور پر خلافت سونپی گئی تو آپ نے اہل قسطنطنیہ کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا اور مضبوط لشکر کو اس طرف روانہ کیا جس نے کامیاب کارروائی کر کے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کے متعلق بھی پیشین گوئی اور بشارت فرمائی تھی۔ اسی غزوہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بڑھاپے اور بیماری کی حالت میں شریک ہوئے تھے اور وہیں پر فوت ہوئے اور وہیں پر آپ کی قبر ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان غزوات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کے بعد کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی یا بے ادبی کرے۔ نیز حضرت ابوایوب انصاری کے اس تاریخی جہادی سفر کو کوئی اور رنگ دینا بھی مناسب نہیں۔ نیز خواہ مخواہ یزید کی قدر و قیمت بڑھانے کے لیے اس بشارت سے استفادہ کرنا بھی مناسب نہیں۔ کل کا پارسا اگر آج بگڑ جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو بگڑا ہوا نہ کہو۔

غزوہ ''صواری'' ہولناک جنگ

سن 34 ہجری کی یہ جنگ ایک تاریخی جنگ تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ممالک افریقہ کے خلاف سمندر کے بیچ لڑی گئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن ابی سرح اس جنگ کی قیادت فرما رہے تھے۔ اس کو ''صواری'' یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں سمندر کے بیچ میں کشتیوں کے اوپر سائبان اور بادبان اٹھائے جاتے تھے یا یہ کسی جگہ کا نام ہے۔ بہر حال اس ہولناک جنگ کا قصہ اس طرح پیش آیا کہ جب حضرت عبداللہ بن ابی سرح نے اطراف اندلس، بربر اور مغربی افریقہ کے تمام علاقوں کو فتح کر لیا اور ایک مجاہد نے آسمان کو دیکھ کر یہ دعا مانگی کہ ''اے اللہ! ہم نے تیرے دین کے جھنڈے کو ساحل سمندر

پر گاڑ دیا۔ اگر اس سمندر سے اس پار کوئی علاقہ ہے جہاں لوگ آباد ہوں تو ہمیں ان تک رسائی کا راستہ دے دے تا کہ ہم تیرے دین کو وہاں بھی نافذ کردیں۔" یہ حالت دیکھ کر روما سلطنت کے عیسائی پوری دنیا سے حضرت عبداللہ کے خلاف اکٹھے ہو گئے۔ ادھر حضرت معاویہ بھی سال کے ہر موسم گرما میں رومیوں پر حملے جاری رکھتے تھے۔ رومی جب گھبرا گئے تو وہ ہرقل کے بیٹے قسطنطین کے اردگرد جمع ہو گئے اور عبداللہ بن ابی سرح پر اقصائے مغرب میں حملہ آور ہو گئے۔ عیسائی سمندر میں پانچ سو جہاز اتار کر مقابلے پر آ گئے اور ادھر سے مسلمان بھی آب وتاب کے ساتھ مقابل ہوئے۔ رات بھر مسلمان دعاؤں، نمازوں اور تلاوت میں مشغول تھے اور عیسائی اپنے پادریوں اور صلیبوں کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے تھے۔ جب صبح ہوئی تو عبداللہ بن ابی سرح نے لشکر اسلام کو سمندر کے اندر کشتیوں میں ترتیب کے ساتھ متعین کیا۔ مجاہدین کا کہنا تھا کہ سمندر میں دشمن کے اتنے جنگی جہاز سامنے آئے جو تاریخ میں کبھی نہ دیکھے گئے تھے۔ انہوں نے جہازوں پر بادبان اٹھا لیے ادھر سمندری ہوا دشمن کے حق میں تھی اور ہمارے مخالف تھی۔ ہم نے اپنے جہازوں کے لنگر ڈال دیے۔ جب کچھ دیر کے بعد ہوا ساز گار ہوئی تو ہم نے کفار سے کہا کہ اگر تم چاہو تو خشکی میں ہو کر سمندر سے باہر کھلے میدان میں لڑائی لڑیں تا کہ غالب اور مغلوب کا پتا چلے۔ یہ سن کر رومیوں نے بہت برا مانا اور ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ نہیں نہیں لڑائی سمندر کے بیچ میں ہوگی۔ لشکر اسلام کے ایک سپاہی کا بیان ہے کہ ہم کشتیوں کے ذریعہ سے کفار کے قریب ہو گئے اور اپنی کشتیوں کو دشمن کی کشتیوں کے ساتھ مضبوط باندھ لیا اور اور پھر دونوں طرف سے کوڑوں، نیزوں اور تلواروں سے شدید جنگ شروع ہو گئی۔ کشتیوں میں دونوں طرف کے فوجیوں نے خنجروں اور تلواروں سے چھلانگ لگا لگا کر ایک دوسرے کو مارنا شروع کر دیا۔ ادھر سمندری موجوں نے کشتیوں کو ہنکا ہنکا کر کنارے سے لگا دیا، ساحلِ سمندر پر انسانی لاشوں کے ڈھیر ایسے معلوم ہو رہے تھے کہ گویا یہ بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ سمندر کے پانی پر خون غالب آ گیا۔ مسلمان سپاہیوں نے بڑی ہی صبر آزما جنگ لڑی۔ ان کے بہت

سے سپاہی شہید ہو گئے اور کفار کے اس سے دو گنے لوگ مار گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان علاقوں پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا ''الحمدللہ''۔ یہاں عجیب بات یہ ہوئی کہ کافروں کی کشتیوں سے مسلمانوں نے جب کشتیاں باندھ لیں اور کافروں کو شکست ہوگئی تو وہ جدھر کو کشتی لے کر بھاگتے لشکر اسلام کی کشتیاں خود بخود ان کے تعاقب میں گھسٹ کر چلی جاتی تھیں۔ عجیب منظر ہوگا! واقعی اس میں ہر ہر مسلمان کے لیے دین کی قربانی اور جرأت وشجاعت کا بڑا درس ہے۔

طارق بن زیاد اندلس میں

مسلمانوں نے جب شمالی افریقہ کی بربر قوم پر فتح پالی اور بربر کے لوگ سن 81 ہجری میں مکمل طور پر اسلام کے جھنڈے تلے آ گئے تو انہی لوگوں میں زیاد نام کا ایک شخص بھی تھا جو اسلام کا بڑا مشہور جرنیل بن گیا تھا اور موسیٰ بن نصیر کا دست راست تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے ان کو منہ بولا بھائی بنالیا اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے طارق بن زیاد کی دیکھ بھال اور تربیت بھی کی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں اندلس پر عیسائیوں کی حکومت تھی جس میں ہر قسم کی عیاشی اور بدانتظامی موجود تھی۔ عیسائی پادری حقیقت میں اندلس کے حکمران تھے، پھر ایک انقلاب کے ذریعہ پادریوں کا اثر کم ہوگیا اور ان کے ہاتھ سے حکومت نکل کر عیسائی بڈھے، تجربہ کار فوجی افسر راڈرک کے ہاتھ چلی گئی مگر رسم ورواج کے مطابق راڈرک بھی عیاشی پر اتر آیا اور اس نے شاہی محل کی ایک داشتہ لڑکی سے منہ کالا کیا۔ اس جبری فعل سے لڑکی کے باپ ''کاؤنٹ جولین'' کی غیرت بیدار ہوگئی۔ اس نے پکا ارادہ کرلیا کہ اب راڈرک کی حکومت کا تختہ الٹ دینا ضروری ہے۔ چنانچہ اس نے مشہور اسلامی جرنیل موسیٰ بن نصیر سے رابطہ کر کے ہر قسم کی رہنمائی اور مدد کا وعدہ کر کے راڈرک پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔

مشہور جرنیل موسیٰ بن نصیر

اقصائے مغرب اور اکثر افریقی ممالک کی فتوحات میں موسیٰ بن نصیر نے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ ان کے والد نصیر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جبل جلیل سے مسلمانوں نے قید کرلیا تھا، پھر وہ مسلمان ہو گئے۔ اسی کے بیٹے کا نام موسیٰ تھا۔

یہ ایک مدبر سپاہی اور جنگ آزمودہ جرنیل تھے۔انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبرص پر حملہ کر کے فتح کیا اور پھر وہاں پر کئی جنگی قلعے بنا دیے جیسے قلعہ ماغوصہ، قلعہ بانس وغیرہ۔ انہوں نے مرج راھط کی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ایک زمانہ میں انہوں نے عراق کی وزارت کو بھی سنبھال لیا تھا مزید یہ مصر میں بھی رہ چکے تھے۔ پھر جب ولید بن عبدالملک نے ان کو افریقی ممالک کا امیر الحرب بنا کر بھیجا تو انہوں نے بہت سے افریقی شہروں کو فتح کیا۔ اندلس کی فتح بھی انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جب مغرب کی فتوحات کے بعد موسیٰ بن نصیر دمشق کی طرف روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ بادشاہوں کے بیٹے بطور خادم تیس افراد پر مشتمل تھے۔ یہ لوگ انتہائی شاندار لباس اور زیب و زینت کے ساتھ دمشق کی جامع مسجد میں جمعہ کے دن داخل ہوئے۔ ولید بن عبدالملک خطبہ جمع دے رہے تھے مگر حیران ہوئے کہ یہ کون لوگ ہیں اور کس عجیب شان میں ہیں۔ جب تعارف ہوا تو آپ نے دیر تک اللہ کا شکر ادا کیا اور موسیٰ بن نصیر کی تعریف کی۔ موسیٰ بن نصیر نے کہا کہ میرے ساتھ چالیس ہزار ایسے قیدی ہیں جو مال غنیمت کا پانچواں حصہ ہیں۔ یعنی کل قیدی دو لاکھ ہیں تو لوگ ان کو بے وقوف سمجھنے لگے مگر جب معلوم ہوا کہ یہ سچ ہے تو لوگ حیران ہو گئے کہ اتنے قیدی تاریخ میں کبھی مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آئے۔ قیدیوں کے علاوہ جو غنائم نقد اور جواہرات کی صورت میں تھے اس کا حساب لگانا کسی کے بس کی بات نہیں۔

بن زیاد جبل طارق پر

موسیٰ بن نصیر نے امیر المومنین ولید بن عبدالملک کے نام ایک خط لکھا اور اس میں درخواست کی کہ میں اسپین پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔ ولید نے جواب میں لکھا ہے کہ اپنے جاسوسوں کے ذریعہ تمام احوال معلوم کر کے پھر احتیاط سے کارروائی کرو۔ موسیٰ بن نصیر نے ایک کمانڈر سن 91ھ میں اس طرف روانہ کیا۔ اس نے تمام احوال آ کر بیان کیے۔ اس کے بعد موسیٰ نے ایک دوسرے کمانڈر طارق بن زیاد کو سات ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا۔ کاؤنٹ جولین بھی ساتھ تھا اور لشکر اسلام کشتیوں میں سوار ہو کر ساحل اندلس کے ایک پہاڑ

پر اتر کر مورچہ زن ہوا اس پہاڑ کو عربی میں جبل الطارق سے یاد جاتا ہے۔ جبکہ انگریزوں نے اسلامی تاریخ مسخ کرنے کے پیش نظر اس پہاڑ کو "جبرالٹر" کا نام دیا۔ لشکر اسلام جب وہاں پہنچا تو وہاں کی مقامی گاتھ قوم کے سردار سے اچانک لڑائی ہوئی مگر گاتھ قوم نے شکست فاش کھائی۔ اس کے بعد گاتھ قوم کے سردار نے راڈرک کو اس طرح خط لکھا:

"بادشاہ سلامت! ہمارے ملک پر اچانک ایک ایسی قوم نے حملہ کیا ہے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ آیا زمین سے نکلے ہیں یا آسمان سے اتر آئے ہیں۔"

راڈرک کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اس کے علاقے پر حملہ کر دیا تو وہ جل بھن گیا اور فوراً تمام مصروفیات کو چھوڑ کر ایک لاکھ تازہ دم فوج کو لے کر میدان میں نکل آیا۔ شاہی خاندان کے نوعمر شہزادے اور شہر کے جاگیردار وڈیرے اور چودھری اور ان کے بیٹے کثیر تعداد میں راڈرک کے ساتھ تھے۔ طارق بن زیاد کو جب معلوم ہوا کہ راڈرک ایک لاکھ فوج کے ساتھ میدان میں اتر آیا ہے تو آپ نے ایک شاندار خطبہ دیا۔ بڑی صفائی اور حکمت کے ساتھ مجاہدین کو حکم دیا کہ جتنے جہاز ہم ساتھ لائے ہیں ان کو خود جلا دو۔ ایک سپاہی نے کہا کہ دشمن سامنے ہے اور سمندر پیچھے ہے اور اگر شکست ہو جائے تو بھاگنے کی صورت کیا ہوگی؟ طارق نے کہا کہ ہم بھاگنے کے لیے نہیں بلکہ جم کر لڑنے کے لیے آئے ہیں۔

جب کچھ نہ بن پڑا تو ڈبو دیں گے سفینہ
ساحل کی قسم منت طوفاں نہ کریں گے

علامہ اقبال نے اسی نقشہ کو اپنے فارسی اشعار میں یوں پیش کیا ہے۔

طارق چوں برکنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بنگاہ خرد خطاست
دوریم از سواد وطن بازچوں رسیم
ترک سبب زروئے شریعت کجا رو است

خندید و دست برسر شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

(طارق نے جب اسپین کے ساحل پر اپنے سفینے جلا ڈالے تو اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ تمہارا یہ عمل ازروئے عمل سراسر غلط ہے۔ہم اپنے وطن سے دور ہیں،ان کشتیوں کو آگ لگانے کے بعد ہم وہاں کس طرح پہنچیں گے؟ سبب کا ترک کرنا شریعت اسلامی میں کہاں جائز ہے؟ یہ سن کر طارق ہنسا اور اپنے ہاتھ تلوار پر رکھ کر بولا ہر ملک جو ہمارے خدائے بزرگ و برتر کا ملک ہے وہ ہمارا ہی ملک ہے)

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ راڈرک ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لیے اس شان وشوکت سے آیا گویا وہ ساحل سمندر پر پکنک منانے آرہا ہے۔ڈھول باجے بج رہے تھے، قہقہے لگائے جارہے تھے،قدم قدم پر میکدے سجائے جارہے تھے،راڈرک کے تخت کے کناروں پر سونے چاندی اور جوہرات ٹکے ہوئے تھے اور راڈرک گلے میں جوہرات کے ہار سجا کر فوجیوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا،امراء ومصاحبین رنگا رنگ مظاہرے دکھا رہے تھے۔نمائشی تلواریں فضا میں لہرائی جارہی تھیں۔گھوڑوں کے نعل سونے چاندی سے سجائے جارہے تھے۔ہر امیر اور ہر نواب کے خیمے قرینے سے الگ الگ نصب کیے جارہے تھے اور سب کے سب اپنے اپنے خیموں میں طرح طرح کے مزے اڑا رہے تھے۔خیموں سے چھن چھن کی آواز کے ساتھ گیت گائے جارہے تھے۔دونوں فوجوں کو دیکھ کر ایسا نظر آرہا تھا کہ ایک اپنی دولت وثروت اور شان وشوکت کی نمائش کرنے آئی ہے اور دوسری یہ سمجھانے آئی ہے کہ جب کسی قوم کا معیار گر جاتا ہے تو اس کو نہ جواہرات بچا سکتے ہیں اور نہ سونے کے ڈھیر۔

مادی اور روحانی اعتبار سے دونوں فوجوں کا موازنہ اس طرح کیا جارہا تھا:

ایک طرف خیموں سے چھنا چھن کی آوازیں آرہی تھیں تو دوسری طرف نعرہ تکبیر کی صدائیں بلند ہورہی تھیں۔ایک طرف جام سے جام ٹکرائے جارہے تھے تو دوسری طرف

سجدوں میں پڑے ہوئے سر فتح اور نصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ ایک طرف ساقی و ساغر اور اہل محفل جھانک جھانک کر ناز و نخرے دکھا رہے تھے تو دوسری طرف خدا سے آسرا لگائے ہوئے چند درویش تپتی ہوئی مٹی پر سجدے کر رہے تھے۔ ایک طرف موتی جواہرات سے ٹکی ہوئی تلواریں ہوا میں لہرائی جا رہی تھیں تو دوسری طرف بے نیام زنگ آلود تلواریں پتھروں پر رگڑ رگڑ کر تیز کی جا رہی تھیں۔ ایک طرف چاندی سے ڈھکے ہوئے نعل والے گھوڑے ہنہنا رہے تھے تو دوسری طرف کچھ خدا مست ملنگ پاؤں میں لیتڑے لیے جا رہے تھے۔ یہ منظر کئی دنوں تک رہا۔ آخر وہ دن آیا جس میں تاریخ کی سب سے بڑی جنگ بحر محیط کے ساحل پر لڑی گئی۔

طارق کا مبارک خواب

جبل طارق پر پہنچ کر طارق بن زیاد نے ایک مبارک خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تلواریں لٹکائے ہوئے ہیں اور کندھوں پر کمانیں چڑھائے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طارق بن زیاد سے فرما رہے ہیں طارق اسی شان سے قدم بڑھاتے چلو اور مسلمانوں سے نرمی سے پیش آیا کرو اور اپنے وعدوں کو پورا کیا کرو۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ اندلس میں داخل ہوئے اور طارق اس مقدس جماعت کے پیچھے پیچھے آئے۔

طارق کی ولولہ انگیز تقریر

جب وادی بکہ میں دریائے ''گراڈلٹ'' کے کنارے دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو طارق بن زیاد نے ایک پر اثر تقریر فرمائی۔

اے مسلمانو! میدان جنگ سے اب بھاگنے کی کوئی صورت نہیں تمہارے سامنے دشمن کا وسیع ملک اور بزدل فوج ہے اور پیچھے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ خدا کی قسم صرف ثابت قدمی ہی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر ثابت قدمی ہوگی تو تعداد کی کمی کی وجہ سے تم کو نقصان نہیں پہنچ سکتا اور سستی اور بزدلی کے ساتھ کثیر فوج بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اے مسلمانو!

میرے پیچھے رہو۔ جب میں حملہ کروں گا تو تم جم کر حملہ کرو اور اس مغرور راڈرک کو غرور کا مزہ چکھا دو۔ اگر میں مارا جاؤں تو تم بزدل نہ بنو اور حوصلہ نہ ہارو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ ذلیل ہو جاؤ گے۔ اے مسلمانو! ذلت کی زندگی پر راضی نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد، محنت ومشقت اور جفاکشی کے اندر تمہارے لیے جو دنیا کی عزت وشہادت اور آخرت کا ثواب رکھا ہے اس کی طرف آگے بڑھو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔

طارق بن زیاد کی لمبی تقریر سے یہ چند جملے میں نے نقل کیے ہیں جو ہر مسلمان نوجوان کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ آگے بڑھو اور کفر پر چڑھ کر بڑھے چلو۔ کفار نے مسلمانوں کی تاریخ بھی مٹا ڈالی ہے اور تاریخی ناموں کو بھی مٹا دیا ہے۔ چنانچہ لفظ شام کو سوریا اور پھر سیریا میں تبدیل کر دیا۔ حبشہ سے تاریخ اسلام وابستہ تھی اس کو ایتھوپیا کے نام سے تبدیل کر دیا۔ قسطنطنیہ کو استنبول کہہ دیا، جبل طارق کو جبرالٹر کہہ دیا اور اندلس کو ہسپانیہ۔ تاریخی مقامات کے ناموں کو مسخ کر کے رکھ دیا تاکہ کوئی مسلمان اپنی عزت وعظمت سے آگاہ نہ ہو اور وہ اپنے شاندار ماضی کی طرف رجوع نہ کرے۔

ساحل اندلس میں گھمسان کی لڑائی

طارق بن زیاد کی تقریر کے بعد مجاہدین نے جوش وخروش سے رات جاگ کر گزاری اور صبح کا سپیدا نمودار ہوتے ہی جنگ کا طبل بجایا گیا۔ یہ 27 رمضان سن 92 ہجری مطابق 19 جولائی سن 711ء کی یادگار تاریخ تھی۔ جب جنگ کا آغاز ہوا تو مسلمان روزے سے تھے مگر ڈٹ کر لڑے، دشمن نے بھی شجاعت کے جوہر دکھائے مگر جنگ کا فیصلہ نہیں ہوا۔ دونوں فوجوں نے مورچوں میں رات گزار دی اور صبح ہوتے ہی پھر دونوں فوجیں آپس میں بھڑ گئیں۔ مگر آج بھی جنگ کا فیصلہ نہیں ہوسکا چنانچہ سات دن تک اسی طرح گھمسان کی لڑائی جاری رہی۔ جب آٹھواں دن طلوع ہوا تو طارق بن زیاد نے کہا کہ آج فیصلہ کن جنگ ہوگی اور ان شاء اللہ ہم ضرور جیتیں گے۔ چنانچہ طارق بن زیاد اپنے مخصوص لڑاکو دستے کے ساتھ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ راڈرک پر حملہ آور ہوئے۔ اس کے محافظ دستے کو

کاٹتے ہوئے طارق، راڈرک کے تخت رواں تک پہنچ گئے اور بغیر کسی تاخیر کے راڈرک کے سینہ میں ایسا نیزہ مارا جو سینہ کے جواہرات کو چھیدتا ہوا پشت کی طرف جا نکلا۔ خون کا فوارہ ابل پڑا جس نے راڈرک کے ریشمی لبادے کو رنگین بنا دیا۔ اس کی گردن لٹک گئی اور تاج سر سے نیچے آ گرا۔

تاریخ اندلس کے مصنف نے اس جنگ کا دلچسپ منظر پیش کیا ہے، ملاحظہ ہو:

راڈرک نے میدان جنگ میں فوج کی صفیں درست کیں مگر وہ فوج کے اندرونی حالات سے بے خبر تھا کہ گاتھ شہزادوں نے قلبی طور پر جنگ نہ لڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے میمنہ و میسرہ پر ان ہی گاتھ شہزادوں کو رکھا اور قلب کی فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ وہ دو گھوڑوں کے تخت رواں پر سوار موتی، یاقوت اور زبرجد سے مرصع چتر شاہی کے نیچے قیمتی لعل و جواہر سے مزین لباس میں ملبوس تھا۔

اس کے جلو میں مسلح پاسبان اور زرق برق لباسوں اور خیرہ کن ہتھیاروں سے آراستہ پیراستہ جاگیردار اور لیڈر صف آرا تھے۔ ادھر طارق بن زیاد اپنی فوجوں کے ساتھ آگے آگے تھے۔ لشکر اسلام کے سپاہی زرہیں پہنے ہوئے، سفید عمامے سروں پر باندھے، ہاتھوں میں عربی کمانیں لیے کمروں میں تلواریں لٹکائے اور بغلوں میں نیزے دبائے نظر آرہے تھے۔ اسپینی لشکر کے طرف سے حملہ کی ابتداء ہوئی مسلمان بھی آگے آئے اور ایک دم گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔

دونوں طرف کی مادی اور روحانی حیثیتوں میں بڑا فرق تھا۔ ایک طرف ایک لاکھ انسانوں کا جنگل تھا جو ہر طرح کے اسلحہ سے لیس تھے اور ملک کے مشہور بہادر اپنے خصوصی دستوں اور پہلوانوں کے ساتھ میدان میں موجود تھے۔ چست و چالاک اور چاق و چوبند لشکر اپنے علاقے اور اپنی سرزمین پر تمام سہولتوں کے ساتھ لڑائی کے لیے حاضر تھے۔ سامان رسد کا سارا انتظام حکومتی سطح پر تھا اور شہنشاہ خود فوج کی کمان سنبھالے ہوئے میدان میں موجود تھا۔

دوسری طرف صرف اور صرف بارہ ہزار پردیسی مسلمان کھڑے تھے جو نہ اچھا اور قیمتی اسلحہ رکھتے تھے اور نہ سواری کے لیے زیادہ گھوڑے تھے۔ ان کو خوراک کے لیے اگر کچھ حاصل کرنا تھا تو وہ بھی اپنے دشمن سے چھین کر لینا تھا۔ ان نووارد مسلمانوں کے لیے راستے بھی اجنبی اور نامعلوم تھے اس لیے دشمن کو کاٹ کر اپنا راستہ بنانا تھا۔ واپسی سے نفرت کر کے انہوں نے اپنی کشتیاں بھی جلا ڈالی تھیں۔ اس لیے وہ ہمت واستقلال کے ساتھ دشمن کے سامنے آہنی دیوار بن کر اس عزم کے ساتھ کھڑے تھے کہ یا وہ اس جزیرہ کے مالک بن کر رہیں گے یا اسی جگہ جام شہادت نوش کر کے یہیں سے قیامت کے دن اٹھیں گے۔ اس عزم کے ساتھ بارہ ہزار سربکف مجاہدین نے ایک لاکھ ٹڈی دل فوج پر حملہ کر دیا اور دشمن کی فوج کے میمنہ میسرہ کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ مگر راڈرک قلب لشکر میں اب بھی ڈٹ کر فوج کو لڑا رہا تھا 27 رمضان سے 5 شوال تک مسلسل آٹھ دن تک یہ جنگ جاری رہی۔

مگر طارق بن زیاد کے ایک فیصلہ کن حملہ نے اس کا فیصلہ کر دیا۔ طارق نے قلب لشکر کی طرف اپنا گھوڑا بڑھایا اور لشکر اسلام کے جانبازوں سے کہا کہ میرے پیچھے آؤ۔ سب سے پہلے طارق نے راڈرک کے مسلح گارڈ کو نشانہ بنایا اور پھر نعرہ تکبیر بلند کر کے کہا کہ لو مسلمانو! یہی راڈرک کفر کا بادشاہ ہے۔ مسلح گارڈ مارا جا چکا تھا اور اب راڈرک کی باری تھی مگر وہ بھاگنے لگا۔ طارق بن زیاد نے اس کا تعاقب کیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ طارق نے ایک زوردار تلوار کے حملہ سے اسے قتل کر دیا اور بعض لکھتے ہیں کہ راڈرک نے بھاگتے بھاگتے دریا میں چھلانگ لگا لی اور اپنی زندگی کا خاتمہ خود کر دیا۔

دریا کے کنارے اس کا سفید گھوڑا پوری زینت کے ساتھ کھڑا تھا مگر دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ وہیں پر راڈرک کا ایک موزا ملا جس پر سونا چڑھا ہوا تھا اور موتی و یاقوت و زبرجد ٹکے ہوئے تھے۔ اب تاریخ دھارا بدل چکی تھی اور بارہ ہزار سرفروش مجاہدین نے ایک لاکھ کفار کو عبرتناک شکست دے دی تھی۔ اب مسلمانوں کے گھوڑے کفار کی فوج کے امراء اور

پادریوں کی لاشیں روندرہے تھے۔ جواہرات کے ہار ٹوٹ کر بکھرے پڑے تھے اور کفار جو رسیاں مسلمانوں کے باندھنے کے لیے لائے تھے وہ اب خون میں سانپوں کی طرح بہہ رہی تھیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس لڑائی میں کفار کے پچاس ہزار لوگ مارے گئے تھے۔ تیس ہزار قیدی بنے ہوئے تھے اور باقی بھاگنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ مسلمانوں کے تین ہزار خوش قسمت جوان جام شہادت نوش کر کے درجات عالیہ پر فائز ہوئے۔

کفار نے اموال غنیمت میں اسلحہ وجواہرات ورخوردونوش اور سونے وچاندی کے جو خزانے چھوڑے تھے اس کا تذکرہ کرنا آسان نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ معرکہ گراڈلٹ اندلس کی فتوحات کے لیے اور اسپین کے پایہ تخت کے لیے سنگ میل ثابت ہوا۔ سچ ہے:

من عهد عاد كان معروفا لنا
اسر الملوك و قتلها وقتالها

مومن ہیں مجاہد ہیں بہادر ہیں نڈر ہیں
اسلام کی عظمت کے لیے سینہ سپر ہیں

مجاہدین اسپین کے میدان میں

ساحل اندلس پر جب حق وباطل کا معرکہ لشکر اسلام نے جیت لیا تو طارق بن زیاد نے کاؤنٹ جولین کے مشورہ پر اسپین کے اہم مقامات پر چار طرف سے حملہ کردیا۔ آپ نے فوج کا ایک حصہ غرناطہ کی طرف بڑھادیا اور فوج کا دوسرا حصہ قرطبہ پر حملہ آور ہوگیا اور فوج کے تیسرے حصے نے مالقہ پر چڑھائی کی اور چوتھا حصہ خود طارق بن زیاد نے اپنے ساتھ لے کر اندلس کے پایہ تخت ''طلیطلہ'' کی طرف بڑھادیا۔ مگر وہاں کے لوگ ڈر کے مارے پہلے سے شہر کو خالی کر کے بھاگ نکلے اور تمام دولت کو اپنے ساتھ لے گئے۔ طارق بن زیاد کی پیش قدمی ابھی جاری تھی کہ موسیٰ بن نصیر اپنے ساتھ پانچ ہزار کا لشکر لے کر اندلس پہنچے تاکہ مسلمانوں کی تھکی ہوئی فوج کی مدد ہوسکے۔ چنانچہ موسیٰ بن نصیر نے آکر ''قرمونہ'' شہر پر حملہ کردیا۔ یہ شہر اندلس میں سب سے زیادہ مضبوط مقام تھا۔ قرمونہ کو جب موسیٰ بن نصیر

نے فتح کرلیا تو اس کے بعد آپ نے اشبیلہ کا رخ کیا۔ اشبیلہ ایک تاریخی اور قدیم شہر تھا۔لشکر اسلام نے اسے بھی فتح کرلیا اور فتح اشبیلہ کے بعد موسیٰ بن نصیر نے بطلیموس کے مشہور شہر ''ماروہ'' کا رخ کیا، یہ شہر قلعہ بند تھا۔ بڑی خونریز لڑائیوں کے بعد لشکر اسلام نے اسے فتح کیا۔ ''ماروہ'' کی فتح کے بعد موسیٰ بن نصیر طلیطلہ کی طرف چل پڑے۔ کچھ سفر کرکے آپ نے دیکھا کہ آگے سے طارق بن زیاد اپنے لشکر اسلام کے ساتھ آ رہے ہیں۔ طارق نے اپنے محسن اور اپنے قائد موسیٰ بن نصیر کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا اور مجاہدین نے ایک دوسرے کو سلام کیا۔ علیک سلیک کے بعد مجاہدین پھر اپنے اپنے ہدف کی طرف روانہ ہوئے اور طلیطلہ سے سرقونہ تک اسپین کے سارے علاقے فتح کیے جن کے اہم مقامات کے نام یہ ہیں بلنسیہ، مرسیہ، طلیطلہ، اشبیلہ، قرمونہ، غرناطہ، حمراء، مالقہ، بسطہ۔

سقوط اندلس کے موقع پر اس وقت کے ایک عالم نے ایک دردناک قصیدہ پڑھا ہے جس میں ان جگہوں کے نام انہوں نے ذکر کیے ہیں۔ میں نے ''دعوت جہاد'' کے آخر میں یہ قصیدہ درج کیا ہے۔ یاد کرنے کے قابل ہے اور نہایت دردناک ہے۔

قرطبہ کی فتح

طارق بن زیاد نے امیر المؤمنین ولید بن عبدالملک کے ایک بہادر، نڈر اور تجربہ کار غلام مغیث رومی کو لشکر اسلام دے کر قرطبہ کی طرف روانہ کیا۔ مغیث نے تمام حالات کا جائزہ لیا اور پھر فوج کو آگے بڑھا دیا۔ اس شہر کی شہر پناہ اور فصیل انتہائی مضبوط تھی جس میں داخل ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا، مگر قربان جائیں مجاہدین کے حوصلوں پر کہ انہوں نے وہاں ایک درخت دیکھا جس پر انہوں نے پگڑیوں کے ذریعہ سے کمند ڈال دی اور فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہوگئے۔ سخت سردی و شدید بارش تھی اور چوکیدار چھپے ہوئے سو رہے تھے، انہوں نے ان کو قتل کردیا اور شہر کے پھاٹک اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور باہر سے لشکر اسلام سیلاب کی طرح اندر گھس آیا۔ اندر کے لوگ مقابلہ کی پوزیشن میں نہیں تھے مگر وہ ایک کنیسہ اور گرجا میں جا کر دفاعی اپوزیشن میں بیٹھ گئے۔ مغیث رومی نے

بڑی کوشش کی مگر وہ لوگ قابو میں نہیں آئے۔ پورے تین مہینے کے محاصرے کے بعد لشکر اسلام نے دیکھا کہ ایک جگہ سے پانی اندر کو جا رہا ہے۔ جب انہوں نے پانی بند کر دیا تو اندر کے لوگ چیخ اٹھے۔ ان کا گورنر ایک طرف بھاگنے لگا، مغیث رومی نے اس کا تعاقب کر کے اسے گرفتار کیا تب اہل کنیسہ نے ہتھیار ڈال دیے اور قرطبہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور آٹھ سو سال تک اس پر اسلام کا جھنڈا لہراتا رہا۔ جامع قرطبہ دنیائے اسلام کے لیے علم و عرفان کا مرکز رہا اور ہسپانیہ (اندلس) اور اسپین پر مسلمانوں کی ایسی حکومت آئی جو پوری دنیا کی مسلم اور غیر مسلم اقوام کے لیے ہر فن اور ہر شعبہ میں ایک نمونہ تھی۔ وہاں پر جہاں مسلمانوں اور اسلام نے ترقی کی اسی طرح غیر مسلم اقوام نے بھی ترقی کی۔ ان کو خوش حالی ملی، امن ملا، انصاف ملا اور ہر طرح کا سکون ملا مگر جب مسلمان کمزور ہو گئے اور جہاد کا عمل ان کے اعمال سے غائب ہو گیا تو غیر مسلم اقوام نے غلبہ حاصل کیا اور آٹھ سو سال بعد مسلمانوں سے اندلس چھین لیا تو وہاں کی ترقی اور خوشحالی کو خاک میں ملا دیا اور وہاں کے ہر فن کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ آج دنیا میں اس ملک کا کوئی نام نہیں کیونکہ کفار ویرانی کا کام تو جانتے ہیں لیکن آبادی سے واقف نہیں۔ جامع قرطبہ کو انہوں نے فحاشی کے اڈوں میں تبدیل کر دیا ہے اور اسلام کا نام لینا اس ملک میں جرم ہے جبکہ مسلمانوں کے آنے کے بعد غیر مسلموں پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اے اللہ! مسلمانوں کو جہاد کے لیے بیدار فرما، اے اللہ! مسلمان نوجوانوں کو جہاد سے وابستگی عطا فرما دے تاکہ آج کا مجاہد نوجوان پھر اپنا چھینا ہوا علاقہ اندلس کفار سے واپس لے کر جامع قرطبہ میں اذان اور نعرہ تکبیر بلند کرے۔ (آمین)

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

اے گلستان اندلس وہ دن بھی یاد ہیں تجھ کو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا
سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی نام و نشاں ہمارا

مجاہد کبیر عماد الدین زنگی جہاد کے میدان میں

سلطان صلاح الدین ایوبی سے پہلے تاریخ اسلام کے دو عظیم مجاہد ایسے گزرے ہیں جنہوں نے صلیبی عیسائیوں سے ٹکر لی۔ اگر یہ دو نامور مجاہد نہ ہوتے تو شاید صلاح الدین بھی میدان جہاد میں نہ ہوتا۔ صلاح الدین کے لیے میدان جنگ انہی دو اسلامی جرنیلوں نے ہموار کیا۔ ان میں ایک عماد الدین زنگی تھا اور دوسرا ان کا قابل فخر بیٹا سلطان نور الدین زنگی تھا۔

عماد الدین زنگی وہ پہلے اسلامی سپہ سالار تھے جنہوں نے کھل کر صلیبیوں سے ٹکر لی اور انہیں بار بار شکست دی۔ صلیبی عیسائی سن 1099ء میں بیت المقدس پر قبضہ کے بعد بہت طاقت ور ہو چکے تھے۔ مسلمان کئی سلطنتوں میں بٹ چکے تھے اور عیسائی جب اور جہاں چاہتے مسلمانوں پر حملہ آور ہو جاتے۔ مسلمانوں کی سرحدیں اور ان کی عزتیں ہر وقت غیر محفوظ تھیں۔ سلجوقیوں کے زوال کے بعد اتابکی خاندان نے مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر دیا اور ایک متحدہ اسلامی حکومت قائم کی اور صلیبیوں کی یلغار کو روکا۔ اسی زمانے میں عماد الدین زندگی کا ظہور ہوا اور آپ نے صلیبیوں پر ضرب کاری لگائی۔ بعد میں ایوبی خاندان انہی کا ساختہ پرداختہ تھا، جن میں صلاح الدین ایوبی آئے اور انہوں نے بیت المقدس کو عیسائیوں کے ہاتھوں سے آزاد کرا دیا۔

ایک مورخ لکھتا ہے کہ عماد الدین زنگی ایک زبردست اور عظیم مجاہد تھا۔ اسے جہاد فی سبیل اللہ کا بے پناہ شوق تھا اور اسی جذبہ جہاد نے اسے ایک چھوٹا سا حکمران ہونے کے باوجود بیت المقدس کے مضبوط اور طاقت ور صلیبیوں کو للکارنے کا حوصلہ عطا کیا تھا۔

بقول مشہور انگریز مؤرخ لین پول کے کہ عمادالدین کی شہرت عیسائیوں کے خلاف جہاد کرنے کی وجہ سے ہے۔ اس معاملہ میں وہ صلاح الدین ایوبی کا پیشرو سمجھا جاتا ہے۔ (سلاطین اسلام)

صلیبی جنگیں فتح اڈیسہ (الرہا)

عیسائیوں نے جب بیت المقدس پر تسلط قائم کر دیا تو اردگرد کے علاقوں میں بھی اپنی چند ریاستیں قائم کیں۔ ان ریاستوں میں سب سے زیادہ مضبوط ریاست ''الرہا'' کی تھی جس کا نام بگاڑ کر اڈیسہ رکھ دیا گیا عمادالدین زنگی نے اس مضبوط مقام پر حملے کر کے اسے فتح کرلیا۔ یہ صلیبیوں سے ان کی پہلی جنگ تھی اس کے بعد صلیبیوں نے مسلمانوں کی طرف سے خطرہ محسوس کیا کیونکہ ان کے ہاتھوں سے ''الرہا'' کے چلے جانے سے پورے یورپ میں کھلبلی مچ گئی اور نئی صلیبی جنگوں کا بڑے پیمانے پر آغاز ہوگیا۔ سن 1144ء عیسوی میں ''الرہا'' فتح ہوا اور سن 1147 عیسوی میں فرانس کے بادشاہ لوئیس ہفتم اور جرمنی کے شہنشاہ کونراڈ سوم نے مشترکہ نو لاکھ فوج تیار کی۔ یہ لشکر ٹڈی دل کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہوا مگر سلجوقیوں اور اتابک خاندان کے شیر دل نوجوانوں نے انہیں ایسا مارا کہ شام پہنچنے سے پہلے پہلے اس کا خاتمہ ہوگیا اور کونراڈ کا لشکر شام کے راستے ''لاوڈیسیا'' میں آدھے سے زیادہ تباہ ہوگیا اور لوئس کی فوجیں ''کیڈمس'' پہاڑ کی بلندیوں پر موت کی آغوش میں چلی گئیں۔ یہ دونوں بادشاہ شکست کے بعد اپنی بچی کھچی فوج کے ساتھ بھاگ کر انطاکیہ چلے گئے وہاں جب ان کی آپس میں ملاقات ہوئی تو شرم وندامت سے گردنیں جھکی ہوئی تھیں اور آنکھیں خون کے آنسو بہا رہی تھیں۔

کچھ آرام کرنے اور سنبھلنے کے بعد یہ دونوں فوجیں بیت المقدس میں جا کر اتر آئیں۔ بیت المقدس کا بادشاہ بالڈون ثالث بھی ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اب تین بادشاہوں کی متحدہ افواج مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے دمشق کی طرف چل پڑیں۔ دمشق کے حکمرانوں میں اس لشکر کے مقابلے کی طاقت نہیں تھی۔ انہوں نے دمشق اور مسلمانوں کی

حفاظت کے لیے عمادالدین کے بیٹے ''سیف الدین زنگی'' کو مدد کے لیے بلایا۔ انہوں نے فوراً مدد کی۔ اگرچہ عمادالدین کا اس وقت انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے غیور بیٹے میدان میں تھے۔ انہوں نے اپنی افواج کو ایک کر کے مشترکہ قوت بنا کر صلیبیوں کے مقابلے پر لا کھڑا کیا مگر صلیبیوں نے جان بوجھ کر راہ فرار اختیار کیا اور دمشق کا محاصرہ ختم ہوگیا۔ یہ دوسری صلیبی جنگ تھی جس میں اتابک خاندان کے حکمران غالب آئے۔

مجاہد کبیر نورالدین زنگی کی شخصیت

سلطان نورالدین زنگی بھی اپنے مجاہد باپ کے جہادی مشن پر چل پڑے اور جہاد کے اسی جذبہ اور شوق سے میدان کارزار میں کود پڑے اور صلیبیوں سے کامیاب جنگیں لڑیں۔ اس نے صلیبیوں سے 55 قلعے اور بڑے بڑے شہر چھین کر اس پر اسلام کا جھنڈا لہرادیا۔

ان کی حکومت آخر کار اتنی مضبوط ہوگئی کہ اب مصر، عراق، دیار بکر، ترکستان اور شام پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔ فلسطین اور اس کے ملحقہ علاقوں میں بھی ان کا اقتدار آ گیا اور ان تمام ممالک میں ان کی حکومت کا سکہ چل پڑا، مگر نورالدین زنگی کی زندگی کا ارمان یہ تھا کہ وہ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کو غاصب عیسائیوں سے واپس لیں۔ نورالدین زنگی نے کئی بار بیت المقدس پر فوجی چڑھائی بھی کی۔ آپ نے ایک منبر بھی بنوایا تھا کہ اس کو فتح بیت المقدس کے بعد مسجد عمر میں خود نصب کروں گا اور اللہ کا شکر ادا کروں گا لیکن آپ کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی کیونکہ فتح بیت المقدس اللہ تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں لکھی تھی۔

صلیبیوں کا ظلم

سن 490ہجری مطابق 1097ء عیسوی میں پوری عیسائیت نے مسلمانوں کے خلاف اپنی بکھری ہوئی حالت اور منتشر شیرازہ نئے سرے سے نئے انداز پر درست کرنا شروع کردیا، مگر جب تک سلجوقی حکومت مضبوط تھی مسیحی اقوام کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ جب سلجوقی سلطنت کمزور پڑگئی اور جہاد فی سبیل اللہ کا عمل کمزور ہوگیا تو مسیحی اقوام کو سر

اٹھانے کا خیال پیدا ہو گیا۔ اسی عرصہ میں صلیبیوں کو ''پطرس'' کی شکل میں ایک راہب مل گیا۔ یہ شخص غضب کا واعظ اور خطیب تھا۔ اس نے ساری عیسائیت میں اپنے زورِ خطابت سے آگ لگا دی، جس سے اقصائے مغرب میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک صلیبی مذہبی جنون کی زبردست لہر پیدا ہو گئی۔ چنانچہ صلیبی لشکر نے انطاکیہ، الرہا اور حلب پر قبضہ کر لیا اور فلسطین کے بڑے حصہ پر قابض ہو گئے اور پھر آگے بڑھ کر انہوں نے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ پر قبضہ کر لیا۔ مسیحیوں نے فتح بیت المقدس کے نشہ میں سرشار ہو کر مجبور مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا ذکر ایک ذمہ دار عیسائی مؤرخ اس طرح کرتا ہے:

بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر صلیبی سپاہیوں نے ایسا قتل عام مچایا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جن پر وہ سوار ہو کر مسجد عمر گئے۔ گھٹنوں تک خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا یا ان کو چکر دے کر فصیل سے پھینک دیا گیا۔ یہودی کل کے کل اپنے ہیکل (معبد) میں جلا دیے گئے۔ دوسرے دن اس سے بڑے پیمانہ پر ان لرزہ خیز مظالم کا جان بوجھ کر اعادہ کیا گیا۔

عین اس کشمکش اور مایوسی کے عالم میں اسلام کے افق پر ایک نیا ستارا طلوع ہوا عالم اسلام کو حسب معمول عین ضرورت کے موقع پر ایک نیا قائد اور ایک تازہ دم مجاہد مل گیا۔ انگریز مورخ لین پول لکھتا ہے:

مسلمانوں کے لیے ضروری ہوا کہ وہ جہاد کا اعلان کریں اور ایک ایسا سردار پیدا کریں جس کی دلیری اور ہمت اور جنگی قابلیت کا سکہ سب ماننے لگیں۔ ترکمانی سردار اور ان کے ماتحت والیان ملک ایک ایسی جوانمرد اور جنگجو دینداروں کی جماعت پیدا کریں جن کے سامنے صلیبیوں کو اپنے مظالم اور زیادتیوں کا جواب دینا پڑے اور اب یہ سردار عماد الدین زنگی کی ذات میں نمودار ہوا۔ (سلطان صلاح الدین 29)

اس عبارت پر شیخ الاسلام ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ علیہ بطور اضافہ تحریر فرماتے ہیں کہ عماد الدین زنگی نے عراق اور شام میں اپنی طاقت مستحکم و منظم کر کے الرہا (اڈیسا) پر حملہ

کردیا جو عیسائیوں کی ریاست میں سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم مقام تھا اور اس کو بڑی فوجی اہمیت حاصل تھی۔ 1144ء میں الرہا پر ان کا قبضہ ہو گیا جو عرب مورخین کے الفاظ میں ''فتح الفتوح'' تھی۔ یہ شہر لاطینی سلطنت کا بڑا سہارا تھا۔ اس طرح فرات کی وادی صلیبیوں کے خطرہ سے محفوظ ہو گئی۔ اس فتح کے کچھ عرصہ بعد 1146ء میں سلطان عمادالدین ایک غلام کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ شہادت سے پہلے انہوں نے صلیبیوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کی جو شاندار ابتداء کی تھی ان کے نامور فرزند الملک العادل نورالدین زنگی نے اسے بہت آگے تک پہنچا دیا۔

نورالدین زنگی اب سلطانِ شام تھے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے صلیبیوں کے اخراج اور بیت المقدس کی بازیابی کے لیے اپنے کو مامور من اللہ سمجھتے تھے اور اس خدمت عظیم کو اپنی سب سے بڑی عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ جانتے تھے۔

ایک شخص ''ٹینکرڈ'' نے تین سو قیدیوں کی جان کی حفاظت کی ضمانت لی تھی، وہ چیختا چلا تارہا اور ان سب (قیدیوں) کو باہر لا کر قتل کر دیا گیا، پھر ایک زبردست قتل عام شروع ہو گیا۔

مردوں، عورتوں اور بچوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔ ان کی لاشوں کے ٹکڑوں اور کٹے ہوئے اعضاء کے ڈھیر لگے تھے۔ بالآخر یہ سفاکانہ قتل عام اختتام کو پہنچا۔ شہر کی خون آلود سڑکوں کو عرب قیدیوں سے دھلوایا گیا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج 6 صفحہ 627)

چھٹی صدی ہجری کا زمانہ مسلمانوں کے لیے ہر لحاظ سے بڑی آزمائشوں کا زمانہ تھا۔ خلفاء بنوعباس کی خلافت ختم ہو چکی تھی۔ عالم اسلام میں کوئی طاقتور سلطان اور کوئی ایسا قائد نہ تھا جو عالم اسلام کے اس انتشار اور بدنظمی کو منظم کر کے ایک جھنڈے تلے متحد کر سکے۔ سلجوقی سلطنت آخری سسکیاں لے رہی تھی اور اب مسیحی اقوام نے جزیرہ عرب کے لیے ایک زبردست خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ شیخ الاسلام ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ اول میں فرماتے ہیں کہ مسیحی دنیا کی بیداری عالم اسلام کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔ شام اور فلسطین میں مستقل چار عیسائی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔ مسیحیوں کے

حوصلے اتنے بلند ہو چکے تھے کہ ایک عیسائی لیڈر نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ کر لیا تھا اور روضہ اطہر سے متعلق گستاخانہ اہانت آمیز کلمات اور ارادوں کا اظہار کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعۂ ارتداد کے بعد اسلام کی تاریخ میں اس سے زیادہ نازک وقت اور خطرے کی گھڑی نہیں آئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کا وجود خطرے میں تھا اور عالم اسلام کو ایک فیصلہ کن جنگ کی ضرورت تھی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج254)

انہوں نے اپنے حملوں سے تمام مسیحی ریاستوں پر دھاک بٹھا دی تھی۔ سلطان نورالدین نے تقریباً فلسطین کے پورے علاقے کو صلیبیوں سے صاف کر دیا۔ ابن جوزی رحمہ اللہ اپنی تاریخ المنتظم میں لکھتے ہیں کہ نورالدین نے سرحدوں پر جہاد کیا اور کفار کے قبضہ سے کچھ اوپر پچاس بڑے شہر آزاد کیے۔

ابن خاکان لکھتے ہیں کہ سلطان نورالدین زنگی کے ہاں جہاد فی سبیل اللہ کا خاص اہتمام تھا۔ اہل خیر کی طرف ان کا بڑا میلان تھا۔ ان کے یادگار کارناموں کا احاطہ مشکل ہے۔ ابن اثیر رحمہ اللہ نورالدین زنگی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ صرف اپنی اس جائیداد کی آمدنی سے کھاتے پیتے تھے جو انہوں نے مال غنیمت میں اپنے حصہ کو فروخت کر کے خریدی تھی۔

عدل وانصاف کا یہ حال تھا کہ اپنی وسیع سلطنت میں انہوں نے کوئی محصول چنگی باقی نہیں رکھی وہ رات کو بڑی عبادت کرتے تھے ان کے اورادواذ کار مقرر تھے۔ وہ حنفی فقہ کے عالم تھے لیکن تعصب سے بری تھے، شجاعت ان پر ختم تھی۔ وہ جنگ میں دو کمانیں اور دو ترکش ساتھ رکھتے تھے۔ نورالدین کی تمام تر توجہ اور دلچسپی جہاد اور عیسائیوں سے مقابلے میں تھی۔ اس بارے میں ان کا ایمان ویقین حد سے بڑھا ہوا تھا۔ 558 ہجری میں نورالدین کو حصن الاکراد کے معرکہ میں عیسائیوں کے اچانک حملہ کر دینے کی وجہ سے شکست ہوئی۔ نورالدین اس وقت حمص کے قریب چند میل کے فاصلہ پر دشمن کے قریب مقیم تھے۔ بعض خیرخواہوں نے کہا کہ فتح یاب دشمن کے اتنے قریب قیام کرنا مناسب نہیں تو نورالدین نے ان کو خاموش کر دیا اور کہا، اگر ہزار سوار بھی میرے پاس ہوں تو مجھے دشمن

کی کوئی پروانہیں۔ خدا کی قسم میں جب تک اپنا اور اسلام کا انتقام نہ لے لوں کسی چھت کے نیچے نہ آوں گا۔

نورالدین نے اس کے بعد بڑی دریا دلی اور فیاضی سے لشکر اسلام پر عطایا تقسیم کیے۔ بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ فقہاء، فقراء اور صوفیاء کے لیے جو وظائف اور رقوم خزانہ سے مقرر ہیں ان سے اس وقت کام لیا جائے (یعنی فقہاء وفقراء کے وظائف بند کر کے فوج پر تقسیم کیے جائیں)۔ نورالدین نے غضب ناک ہو کر جواب دیا کہ مجھے تو نصرت الٰہی کی امید انہی فقراء وضعفاء کی دعا و رضا سے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کی طرف سے رزق اور مدد کمزور بندوں کی بدولت ہوتی ہے۔ میں کس طرح ایسے لوگوں کی مدد بند کروں جو ایسے وقت میں میری طرف سے (بصورت دعا) جنگ کرتے ہیں جب میں اپنے بستر پر سویا ہوتا ہوں اور ان کے تیر خطا نہیں جاتے اور جن کا تذکرہ تم کرتے ہو وہ صرف اس وقت جنگ کرتے ہیں جب مجھے دیکھتے ہیں اور ان کے تیر کبھی خطا کر جاتے ہیں اور کبھی نشانہ پر لگتے ہیں۔ ان غریبوں کا تو بیت المال میں حق بھی ہے۔ میں ان کا حق لے کر دوسروں کو کیونکر دے دوں؟

الغرض نورالدین زنگی نے عیسائیوں سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کی پوری تیاری کی۔ لشکر اسلام پر انعامات تقسیم کیے اور اسلام ریاستوں کے امراء اور حکام کو پر اثر خطوط لکھے اور ان کو جہاد فی سبیل اللہ اور شرکت و رفاقت کی ترغیب دی۔ ان مقامات کے زہاد وعباد اور صلحاء فقراء کو بھی خطوط لکھے، جن میں فرنگیوں کی زیادتیوں اور مظالم کا تذکرہ کیا اور ان سے دعا کی استدعا کی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کریں۔ چنانچہ ان حضرات نے رو رو کر لوگوں کو یہ خطوط پڑھ کر سنائے۔ لوگوں میں جوش جہاد کی ایک لہر پیدا ہوگئی۔ والیان ملک اپنے اپنے لشکر لے کر آئے۔ ادھر عیسائیوں نے بھی بھرپور تیاری کی اور ہر طرف کی افواج مقابلہ کے لیے جمع کر دیں، لیکن سلطان نے اپنی نذر پوری کی اور عیسائیوں کی متحدہ طاقت پر فتح حاصل کر کے ان کے مرکزی مقام ''حارم'' پر قبضہ کر لیا۔

نورالدین کے ایمان ویقین کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ قلعہ بانیاس کے محاصرہ میں ان کے سگے بھائی نصرۃ الدین کی ایک آنکھ شہید ہوگئی۔نورالدین نے دیکھا تو بھائی سے کہا کہ اگر تم کو وہ اجر وثواب نظر آجائے جو اللہ نے تمہارے لیے تیار رکھا ہے تو تم کو یہ تمنا ہوگی کہ دوسری آنکھ بھی راہ خدا میں کام آجائے۔(خلاصہ ماخوذ از دعوت وعزیمت حصہ اول 260)

نورالدین زنگی نے تقریباً پورا فلسطین آزاد کرایا لیکن بیت المقدس کی آزادی تقدیر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں لکھ دی تھی جو خود نورالدین کے حسنات میں سے ایک حسنہ تھے۔نورالدین کی وفات 56 سال کی عمر میں ہوئی۔کہتے ہیں کہ ان کی موت کی خبر مسلمانوں پر آسمان کی بجلی کی طرح آئی،رحمہ اللہ واسعۃ

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

نوٹ

آج کی مسیحی اقوام کو دیکھنا چاہیے کہ ان کے آباء واجداد نے مخلوق خدا پر کتنے مظالم ڈھائے ہیں۔باطل پر لڑکر مسلمان بچوں،عورتوں اور بوڑھوں کو کس طرح مقدس مقام بیت المقدس میں ذبح کیا؟

آج یہ لوگ حقوق انسانی کی بات کرتے ہیں جبکہ آج بھی یہی یہود ونصاریٰ پوری دنیا کے مظالم کے ذمہ دار ہیں۔

اسلام تو بچوں،عورتوں،بوڑھوں اور مذہبی پیشواؤں کو باوجود کفر پر قائم رہتے ہوئے معاف کرتا ہے اور ان کو ستانے سے روکتا ہے لیکن اس کے برعکس یہود ونصاریٰ باطل پر ہوتے ہوئے بھی حق کے خلاف صف آرا نظر آتے ہیں اور ان کے مظالم اور ان کے ظلم کی داستانیں اتنی گھناؤنی ہیں کہ منظر عام پر آنے سے ان کے سر شرم سے جھک جائیں گے اگر شرم ہو۔

دنیا کو کیا منہ دکھاؤ گے ظالم
شرم مگر تم کو آتی نہیں

اسلامی جرنیل محمد بن قاسم سندھ میں

محمد بن قاسم عرب کے مشہور قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ قبیلہ عرب میں چالاکی اور بہادری میں مشہور تھا۔ محمد بن قاسم ثقفی نے بہادری میں اس قبیلہ کا نام مزید روشن کیا اور فاتح سندھ مشہور ہوئے اور ان کا فاتحانہ طوفانی جہادی سفر ملتان تک جاری رہا، ملاحظہ فرمائیں:

قصہ یوں پیش آیا کہ سری لنکا سے 712ء کو ایک جہاز خلیج کی طرف چل پڑا، جس میں عرب تاجروں کے بال بچے بھی تھے اور کچھ حاجی بھی تھے اور اس وقت کے امیر المومنین ولید بن عبدالملک کے لیے کچھ تحفے تحائف بھی تھے۔ یہ جہاز جب سندھ کے علاقہ دیبل پہنچا تو یہاں ڈاکوؤں کے ایک منظم گروپ نے اس پر حملہ کر دیا جو درحقیقت حکومت ہی کے لوگ تھے۔ انہوں نے مال لوٹ لیا اور عورتوں بچوں کو قیدی بنا لیا۔ ان میں ایک مسلمان خاتون نے غائبانہ فریاد کر کے کہا ''اے حجاج! تم کہاں ہو، ہماری مدد کرو۔'' جب یہ فریاد رات کے وقت حجاج تک پہنچی تو انہوں نے فوراً کہا ''لبیک یا بنتی'' (میری بیٹی میں مدد کے لیے حاضر ہوں) یہ کہہ کر رات بھر حجاج بن یوسف غم سے پیچ وتاب کھاتا رہا اور دنیا کے نقشہ پر سندھ کو تلاش کرتا رہا۔ جب ان کو سندھ کا علم ہوا تو انہوں نے اس جگہ پر بطور نشان تیر چبھو دیا اور سندھ پر فوج کشی کا عزم کیا۔ حجاج بن یوسف اس وقت عراق کے گورنر تھے۔ آپ نے راجہ داہر کو ایک خط لکھا کہ لٹیروں کو گرفتار کر کے سزا دے دو اور مظلوم بچوں اور عورتوں کو ڈاکوؤں کے چنگل سے رہا کراؤ۔

راجہ داہر نے کہا کہ میں بحری قزاقوں کا ذمہ دار نہیں ہوں اور نہ میرے پاس اس کا کوئی علاج ہے۔ راجہ داہر نے سرد مہری سے کام لیا مگر حجاج بن یوسف ایک فریادی خاتون کی فریاد کو بھول نہ سکا اور اس نے اپنے دو جرنیلوں کو سندھ کی مہم پر بھیجا مگر جب خاطر خواہ

کامیابی نہیں ہوئی تو حجاج نے اپنے جواں سال بھتیجے محمد بن قاسم کو اس مہم پر بھیجا۔ محمد بن قاسم کی عمر اس وقت سترہ سال کی تھی مگر آپ کی رگ و ریشہ میں ایک غیور مسلمان اور عربی نوجوان کا خون دوڑ رہا تھا۔ بارہ ہزار کا لشکر جرار لے کر محمد بن قاسم خشکی کے راستے مکران سے ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے اور اپنا بھاری جنگی ساز و سامان ایک بحری جہاز کے ذریعے روانہ کیا کیونکہ

سکھایا ہے ہمیں اے دوست طیبہ کے والیؐ نے
کہ بوجھلوں سے ٹکرا کر ابھرنا عین ایماں ہے
جہاں باطل مقابل ہو وہاں نوک سناں سے بھی
برائے دین اسلام رقص کرنا عین ایماں ہے

فتح دیبل

سب سے پہلے محمد قاسم نے سندھ کے علاقہ ''قنزپور'' کی طرف بڑھ کر اسے فتح کر لیا اور پھر ارمابیل کو فتح کر کے دیبل کی طرف بڑھنے لگے۔ دیبل کے لوگوں نے اپنے شہر کے دفاع کے لیے سر توڑ کوششیں کیں مگر محمد بن قاسم نے شہر کے اردگرد جنگی جھنڈے گاڑ دیے اور خندقوں میں منجنیق نصب کر دی اور بلند جگہوں پر تیر اندازوں اور نیزہ بازوں کو تعینات کر دیا۔ ایک منجنیق اتنی بڑی تھی کہ پانچ سو آدمی اس کے وزنی پتھر کو چلاتے تھے۔ کئی ماہ تک شدید جنگ ہوتی رہی مگر شہر فتح نہ ہو سکا۔ پھر حجاج بن یوسف نے فرمان جاری کیا کہ اس شہر کے بالکل وسط میں ''دیول'' نامی ایک بڑے بت کو نشانہ پر لیا جائے۔ لشکر اسلام نے جب اس قلعہ شکن منجیق سے ''دیول بت'' کو بھاری پتھروں سے مارا تو اس کا گنبد ٹوٹ گیا اور لوگ افراتفری کا شکار ہو گئے۔ محمد بن قاسم کے بعض سرفروش سپاہی جان کی بازی لگا کر بلند کمند کے ذریعہ سے شہر کی فصیل پر چڑھ گئے۔ شہر والے گھبرا کر بھاگ گئے اور راجہ داہر کا حاکم بھی بھاگ نکلا اور مسلمانوں نے دیبل کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد آس پاس کے لوگ گھبرا کر صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے اور نیرون وغیرہ علاقے اسلامی

جھنڈے کے نیچے آ گئے۔ اس کے بعد محمد بن قاسم سیستان کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر ''بہڑ وچ'' کا علاقہ راستے میں تھا جہاں راجہ داہر کا بیٹا ''بجرا'' حکمران تھا مگر وہاں کے رہنے والے بدھ مت مذہب کے پیروکار تھے جنہوں نے جنگ سے نفرت کا اظہار کیا اور راجہ داہر کے بیٹے سے کہا کہ ہم کو عربوں سے ٹکرا کر تباہ نہ کرو۔ چنانچہ ''بجرا'' یہاں سے بھی بھاگ کر سیستان کی طرف چلا گیا مگر محمد بن قاسم نے سیستان کا بھی مکمل محاصرہ کر لیا۔ سیستان کے باشندوں نے بجرا سے کہا کہ جنگ بندی کرو کیونکہ ہم عربوں سے نہیں لڑ سکتے۔ بجرا نے بات سنی ان سنی کر دی اور جنگ جاری رکھی۔ شہر کے لوگوں نے محمد بن قاسم کو خط لکھا کہ شہر کے لوگ بجرا کے ساتھ نہیں ہیں اور اس کی قوت بالکل کمزور ہے۔ یہ سن کر محمد بن قاسم نے سیستان پر حملہ تیز کر دیا اور ایک ہفتہ کی لڑائی کے بعد سیستان فتح ہو گیا۔ بجرا وہاں سے ایک قریبی ریاست سیسم کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں کا حاکم راجہ داہر کے ماتحت تھا، جس کا نام ''کاکا'' تھا۔ سیستان کے نظم و نسق سنبھال کر محمد بن قاسم سیسم کی طرف ''کاکا'' کو دبانے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا۔ سیسم کا حاکم ''کاکا'' اگرچہ مسلمانوں سے بوجہ خوف لڑنا نہیں چاہتا تھا مگر بجرا نے اس کو مجبور کر رکھا تھا اس لیے محمد بن قاسم نے سیسم پر بھرپور حملہ کر دیا اور شدید لڑائی اور خون ریز جنگ کے بعد سیسم پر قبضہ کر لیا۔ سیسم پر قبضہ کرنے سے آس پاس کے بااثر چودھریوں نے بھی اطاعت کا دم بھر لیا اور راجہ داہر سے قلبی طور پر الگ ہو گئے۔ بجرا بھاگ نکلا اور ''کاکا'' گرفتار ہو گیا۔ ادھر سے حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کے نام فرمان بھیجا کہ باقی تمام اطراف سے جنگ کو سمیٹ کر راجہ داہر کے مرکز پر حملہ کر دو۔ چنانچہ محمد بن قاسم نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور اب راجہ داہر کی فوجوں سے دوبدو لڑائی شروع ہو گئی۔

راجہ داہر کے ساتھ گھمسان کی جنگ

بجرا کی طرح چھوٹے راجے مہاراجے شکست کھاتے چلے گئے اور محمد بن قاسم فاتحانہ انداز سے بڑھتے چلے گئے۔ سانگھڑ میں کئی معرکے ہوئے۔ روہڑی اور سندھڑی

میں شدید جنگیں ہوئیں۔ گنجھر جھیل کے پاس معرکے ہوئے اور پھر مسلمانوں نے سکھر کے مضبوط قلعے اور روہڑی کے ناقابل تسخیر قلعے پر قبضہ کرلیا۔ وادی مہران کے پاس شدید معرکے ہوئے اور برہمن آباد میں راجہ داہر اور محمد بن قاسم کی فوجوں کی دوبدو لڑائی ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ برہمن کی جنگ میں کفار کے 26 ہزار سپاہی مارے گئے۔ جب اکثر علاقے لشکر اسلام کے ہاتھ آ گئے تو محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو ہتھیار ڈالنے کے لیے کہہ دیا۔ راجہ داہر کے پاس ''بیٹ'' کی مرکزی حکومت اس وقت تک تھی اور وہ خود ''جی کاٹ'' مقام میں قیام پذیر تھا۔ اس نے جواب دیا کہ اب فیصلہ تلوار کرے گی۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی افواج کو دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر محمد بن قاسم کے مقابلے کے لیے میدان میں اتار دیا۔ اب دونوں فوجوں کے درمیان دریائے سندھ حائل تھا کیونکہ مغربی کنارے پر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ جب مسلمان دریا عبور کرنے کی کوشش کرتے تھے اور کشتیوں کا پل باندھتے تھے تو راجہ داہر کی افواج ان پر حملہ آور ہو جاتی تھیں اور تیروں سے ان کا برا حال کرتی تھیں۔ مسلمانوں نے ایک ترکیب سوچی کہ رات کے وقت انہوں نے تاریکی میں دریا پر کشتیوں کا پل باندھا اور دریا سے پار ہو گئے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ اس طرح لڑائی کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ صبح نماز سے فارغ ہوتے ہی لشکر اسلام نے فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں اور اپنے رب کے سامنے گڑگڑائے۔ لشکر کے سپہ سالار محمد بن قاسم نے اس طرح پرجوش تقریر کی ''اے عرب نوجوانو! اے دین اسلام کے سپاہیو! تم اپنے وطن اور اپنے اہل وعیال سے علیحدہ ہو کر اس زمین پر آئے ہو جہاں کا دشمن تم سے جنگ کے شوق میں انتظار کر رہا ہے۔ یہاں تمہارا کوئی مددگار نہیں اور نہ کوئی آسرا ہے اس لیے سارا آسرا اور سارا بھروسہ اپنے رب پر رکھو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ جب حملہ کرو تو فرض شناسی کے ساتھ نہایت منظم حملہ کرو۔

راجہ داہر مارا گیا

کہتے ہیں کہ جب محمد بن قاسم کی افواج نے دریا پار کیا تو مہلت دیے بغیر انہوں نے

داہر کی فوجوں پر ایسا حملہ کر دیا کہ وہ پسپا ہو کر ''جہنم'' تک بھاگ نکلیں۔ اب محمد بن قاسم نے مرکز سلطنت ''بیٹ'' کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اس مقصد کے لیے آپ ''جیور'' تک آگے بڑھے۔ راستے میں داہر کا دوسرا بیٹا جے سنگھ ملا جس نے سخت جنگ لڑی مگر شکست فاش کھا کر اٹھتا گرتا بھاگ گیا۔ اب محمد بن قاسم نے اپنی تمام افواج کو ''جیور'' میں اتار دیا اور اس کے بعد راجہ داہر سے دو دو ہاتھ لڑائی کے لیے نکل آیا۔

راجہ داہر بڑی شان و شوکت اور زبردست رعب و دبدبہ کے ساتھ بے تحاشا لشکر لے کر میدان میں نکل آیا تھا۔ کوہ پیکر ہاتھیوں کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار آگے آگے تھی اور اس کے پیچھے دس ہزار سوار اور تین ہزار پیدل سپاہی تھے۔ راجہ داہر خود ایک دیو ہیکل سفید ہاتھی پر سوار تھا اور اس کے دائیں بائیں خصوصی دستے اور جوش دلانے کے لیے شاہی محل کی عورتیں تھیں۔ راجہ داہر نے میدان میں پہنچتے ہی مسلمانوں پر غضبناک طوفانی حملہ کر دیا اور اپنی فوجوں کو لڑنے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی مگر ہاتھیوں کی آہنی دیوار رکاوٹ بنی ہوئی تھی جس سے کوئی مسلمان آگے نہیں بڑھ سکتا تھا کیونکہ گھوڑے ان جنگی ہاتھیوں سے بدکتے تھے۔

لشکر اسلام نے ''پٹرول'' کے ذریعہ سے ان ہاتھیوں پر آگ کے شعلے پھینک دیے تیل اور صابن کا بنایا ہوا آتشیں مادہ تھا جس کے لیے پٹرول کا لفظ ہی استعمال ہو سکتا تھا۔ اس سے ہاتھی بھاگ گئے اور راجہ داہر کا ہاتھی کیچڑ میں پھنس گیا، ان کے لیے حالات سنگین ہو گئے۔ مگر دونوں طرف سے بہادر اب بھی نہایت زوردار انداز سے لڑ رہے تھے یہاں تک کہ راجہ داہر کے بڑے بڑے بہادر جرنیل مارے گئے یا زخمی ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر راجہ داہر کو جوش آیا اور اس نے ہاتھ میں تلوار لے کر پیدل لڑنا شروع کر دیا۔ اپنے فوجیوں کے دوش بدوش راجہ داہر نہایت بے جگری سے لڑ رہا تھا۔ دن بھر لڑتے لڑتے شام کے وقت لشکر اسلام کے ایک شاہین نے جھپٹ کر اس پر حملہ کر دیا اور شکار کی طرح اس کو دبوچ لیا اور وہیں پر راجہ داہر مردار ہو گیا۔ اس وقت اس کے قاتل شیر اسلام نے یہ اشعار کہے:

الخیل تشهد یوم داهر والقنا
و محمد بن القاسم بن محمد

داہر کے قتل کے دن گھوڑے نیزے اور محمد بن قاسم سب گواہ تھے

انی فرجت الجمع غیر معرد
حتی علوت عظیمهم بمهند

کہ میں نے آگے بڑھتے ہوئے دشمن کی فوج کو چیر ڈالا یہاں تک کہ میں نے فولادی تلوار سے ان کے بڑے کو مار دیا۔

فترکته تحت العجاج مجدلاً
متعفر الخدین غیر موسد

پس میں نے اس کو غبار کے نیچے پڑا ہوا چھوڑا جس کے رخسار غبار آلود تھے اور وہ بغیر تکیہ کے پڑا تھا۔

راجہ داہر کے قتل کے بعد اس کی فوج میں اور غصہ کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے سخت جنگ لڑی مگر اللہ نے مسلمانوں کو استقامت عطا کی اور کفار کو شکست فاش ہوگئی اور وہ لوگ قلعہ ''رادر'' میں قلعہ بند ہو گئے۔ راجہ داہر کی موت پر راقم الحروف نے کہا:

من عهد عاد کان معروفا لنا
اسر الملوک و قتلها و قتالها

بادشاہوں سے لڑنا اور انہیں قید و قتل کرنا زمانۂ قدیم سے ہمارے جانے پہچانے کارنامے ہیں۔

سکھایا ہے ہمیں اے دوست طیبہ کے والی نے
کہ بوجہلوں سے ٹکرا کر ابھرنا عین ایماں ہے
جہاں باطل مقابل ہو وہاں نوک سناں سے بھی
برائے دین اسلام رقص کرنا عین ایماں ہے

سندھ پر راجہ داہر کی 33 سالہ ظالمانہ حکومت کا خاتمہ ہوا اور جہاد مقدس کے ذریعہ سے سندھ کی زمین اسلام کے لیے آزاد ہوگئی اور الحمدللہ آج تک آزاد ہے۔

جے سنگھ سے جنگ

راجہ داہر کے قتل اور فوج کی شکست کے باوجود جے سنگھ اپنی ضد پر قائم تھا اور جوش انتقام میں دانت پیس رہا تھا۔ اس نے شکست خوردہ فوج کو برہمن آباد میں دوبارہ اکٹھا کیا اور لشکر اسلام سے ٹکر لینے کی قسم کھائی۔ راجہ داہر کی ایک رانی نے ''رادر'' قلعہ میں فوج کا ایک بڑا حصہ روک لیا کہ میں ادھر ہی مقابلہ کرتی ہوں لیکن محمد بن قاسم نے اس قلعہ کا محاصرہ کیا اور منجنیق سے اس پر پتھر برسانا شروع کر دیے رانی قلعہ ٹوٹنے سے گھبرا گئی تو اس نے مال ومتاع اور سہیلیوں سمیت آگ میں چھلانگ لگا کر خودسوزی کر لی۔ پھر علاقے کے لوگ اطاعت گزار ہوکر محمد بن قاسم کے گرویدہ ہوگئے۔ رادر کا قلعہ فتح ہوگیا اور وہاں سے وہ مظلوم خواتین اور بچے برآمد ہوئے جو ڈاکوؤں نے گرفتار کر لیے تھے اور جن کی بازیابی کے لیے غیور مسلمانوں نے اتنی بڑی جنگیں لڑیں مگر اپنے ناموس کا سودا نہیں کیا۔ الغرض یہاں کے انتظامات مکمل کر کے محمد بن قاسم نے جے سنگھ کے تعاقب میں برہمن آباد کا رخ کیا۔ جے سنگھ نے پوری تیاری کر رکھی تھی لیکن وہ کسی ضرورت سے برہمن آباد سے باہر چلا گیا تھا۔ ادھر جنگ شروع ہوئی اور شہر کا محاصرہ ہوگیا۔ اندر سے لوگ بے جگری سے لڑ رہے تھے اور باہر سے جے سنگھ نے آکر لڑائی شروع کر دی اور لشکر اسلام کے رسد کے راستے روک دیے۔ محمد بن قاسم نے فوج کا یک حصہ جے سنگھ کے پیچھے بھیجا۔ چنانچہ جے سنگھ مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ کر سیدھا کشمیر چلا گیا اور محمد بن قاسم نے برہمن آباد پر قبضہ کر لیا۔ پیچھے رادر کے علاقہ میں گوپی سنگھ کی وجہ سے بغاوت ہوگئی۔ محمد بن قاسم اس کے لیے دوبارہ گئے اور حالات کو قابو کر لیا اور راجہ داہر کے ایک اور بیٹے گوپی سنگھ کو وہاں سے بھگا دیا اور بغاوت کچل دی۔ اس علاقے کے اوہام پرستوں کے دلوں میں جے سنگھ نے یہ بات ڈالی تھی کہ راجہ داہر اب تک زندہ ہے اور وہ ہندوستان کے راجاؤں کے پاس مدد طلب

کرنے کے لیے گیا ہے۔ اس وجہ سے لوگوں نے بغاوت کر دی تھی مگر جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ سفید جھوٹ ہے تو لوگوں نے اطاعت قبول کر لی اور جے سنگھ وغیرہ کی پروا نہ کی۔

محمد بن قاسم ملتان کی طرف

راور کے حالات درست کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے قلعہ ''بابیہ'' کا رخ کیا۔ یہاں کا حاکم راجہ کسکا تھا اس نے بغیر جنگ کیے قلعہ مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد ''اسکلندرہ'' کے حاکم سے محمد بن قاسم کا کڑا مقابلہ ہوا۔ سترہ دن تک خونریز جنگ ہوتی رہی۔ بالآخر اسکلندرہ کا حاکم میدان جنگ سے بھاگتا ہوا ملتان پہنچ گیا۔ محمد بن قاسم نے مفتوحہ علاقوں کا انتظام و انصرام کیا اور پھر ملتان کی طرف بڑھنے لگے۔ جب آپ نے دریائے چناب کو عبور کیا اور ملتان کے قریب پہنچ گئے تو راجہ گورسنگھ نے مقابلہ کے لیے اپنی افواج کو میدان میں اتار دیا۔ گورسنگھ نے پہلے سے بہت بڑی قوت اکٹھی کر رکھی تھی اور جنگ کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ جوں ہی محمد بن قاسم ملتان میں داخل ہوئے دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ لشکر اسلام کے ایک جرنیل زائد بن عمیر نے کمال شجاعت دکھایا یہاں تک کہ میدان سے راجہ سنگھ بھاگ کر شہر میں قلعہ بند ہو گیا اور اندر سے لڑنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کو اندر داخل ہونے میں بڑی دشواری پیش آئی مگر آخر کار انہوں نے فصیل کے ایک کمزور حصہ کو منجنیق سے نشانہ بنایا اور فصیل ٹوٹ گئی جس سے مسلمان اندر داخل ہو گئے اور کھلے میدان میں شدید جنگ کے بعد کفار نے شکست کھائی اور مسلمانوں نے ملتان شہر پر قبضہ کر لیا۔ ملتان اس زمانہ میں بدھ مت مذہب کے لوگوں کا مرکزی مقام تھا۔ یہاں سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے اور انہی بت خانوں میں سونا چاندی رکھا ہوا تھا۔ علامہ بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں کہ یہاں بت خانہ میں ایک کمرہ تھا جو اٹھارہ گز لمبا تھا اور دس گز چوڑا تھا جو سونے سے بھرا ہوا تھا۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ اس کمرے میں جو سونا محفوظ کیا گیا تھا اس کی مقدار کئی سو من تک پہنچتی تھی۔ محمد بن قاسم کا اصل ہدف کشمیر سے ہوتے ہوئے ہندوستان کے دہلی وغیرہ میں داخل ہونا تھا مگر امیر المؤمنین ولید

بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا اور سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ انہی ایام میں حجاج بن یوسف کا بھی انتقال ہو گیا اور سیاسی افق بالکل بدل گیا محمد بن قاسم کے مقابلے میں فتح ملتان کے بعد راجہ دوھر آ گیا مگر لشکر اسلام نے اسے بھی داہر کی طرح قتل کر دیا۔ اسی کے متعلق ایک اسلامی شاعر نے اس وقت کہا:

نحن قتلنا داهراً و دوهراً
والخیل تردی منسراً فمنسراً

''یعنی ہم نے راجہ داہر اور راجہ دوہر دونوں کو قتل کر دیا اور ہمارے گھوڑے جماعت در جماعت آگے بڑھ رہے تھے۔''

ایک اور شاعر نے فتوحات سندھ پر اس طرح نظر ڈالی

ان المروة والسماحة والندی
لمحمد بن القاسم بن محمد
ساس الجیوش لسبع عشرة حجته
یا قرب ذالک سودداً من مولد

''مروت، سخاوت اور حسن معاملہ تو محمد بن قاسم بن محمد کے ساتھ خاص ہے۔ سترہ سال کی عمر میں آپ نے افواج اسلام کی کمان سنبھال لی۔ واہ واہ کم عمری میں یہ کتنی بڑی سرداری ہے''۔

تبصرہ

محمد بن قاسم جب عراق سے سندھ آئے تھے تو آپ کے ساتھ صرف بارہ ہزار کا لشکر تھا لیکن جہاد مقدس کی برکات سے اور عام فتوحات کی وجہ سے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے اور اب تک الحمدللہ سندھ کے علاقے اسلام کے ماتحت ہیں۔ جب محمد بن قاسم سندھ سے واپس جا رہے تھے تو آپ کی فوج کی تعداد نوے ہزار تھی۔ یہ سب لوگ نئے مسلمان ہوئے تھے اور جہاد کر رہے تھے۔ عوام الناس کا تو حساب لگانا مشکل ہے کہ

کتنے لاکھ اسلام میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ جہاد ہی وہ راستہ ہے جو کفر یہ نظام کو توڑتا ہے اور اسلام میں داخل ہونے کا راستہ ہموار کرتا ہے اور یہ اسلام میں دعوت و تبلیغ کا سب سے بڑا اور مستند راستہ ہے۔

اطاعت امیر پر محمد بن قاسم نے تاریخ قائم کی

سیاسی چپقلش کا برا ہو، اس میں ہمیشہ انتقام کی آگ سلگتی رہتی ہے۔ سلیمان بن عبدالملک جب بادشاہ بن گئے تو آپ نے انتقامی طور پر اور بعض حاسدین کے اکسانے پر محمد بن قاسم کی فتوحات کو روک دیا اور آپ کو معزول کر کے گرفتاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ پچاس آدمی مرکز سے آئے اور محمد بن قاسم کو ہتھکڑیاں لگا کر واپس لے گئے۔ اس وقت محمد بن قاسم کی نوے ہزار فوج دیکھ رہی تھی اور خون کے آنسو بہا رہی تھی کہ ہمارے محبوب جرنیل کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے لیکن اطاعت امیر کے پیش نظر محمد بن قاسم نے سب کو کسی بھی اقدام سے روک رکھا تھا۔ ایک کمانڈر نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کو یہ لوگ لے جا کر بصرہ میں ذبح کر دیں گے۔ آپ ان کی بات نہ مانیں۔ آپ کے ساتھ فوج بھی ہے اور علاقے کے سارے نومسلم آپ کے ساتھ ہیں۔ سلیمان کی حکومت آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ آپ اپنی حکومت کا اعلان کریں۔ محمد بن قاسم نے اطاعت امیر کا ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ ''میں اپنی موت کو گلے لگا سکتا ہوں لیکن میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں کہ تاریخ میرے متعلق یہ لکھ دے کہ محمد بن قاسم نے مسلمانوں کی اجتماعیت میں افتراق و انتشار پیدا کیا۔''

چنانچہ جب آپ بصرہ پہنچ گئے تو حاسدین نے مہلت دیے بغیر آپ کو ذبح کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے معافی کا پروانہ سلیمان بن عبدالملک سے حاصل کیا تھا مگر جب آپ بصرہ کی طرف دوڑ دوڑ کر آئے تو دیکھا کہ شہر سے لوگ جرنیل اسلام محمد بن قاسم کا جنازہ قبرستان کی طرف لے جا رہے تھے۔ محمد بن قاسم نے اپنی شہادت اور معزولی اور فتوحات ہند کے روکنے پر ایک شعر پڑھا تھا:

اضاعونی و ای فتی اضاعوا
لیوم کریھة و سداد ثغر

ان لوگوں نے مجھے ضائع کیا اور کس قدر عالی ہمت نوجوان کو سرحدات کی حفاظت اور میدان جنگ کے وقت ضائع کیا۔

محترم قارئین! میں اس دردناک منظر پر کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ اتنا کہوں گا کہ عیاش اور نااہل حکمرانوں نے ہمیشہ اس دین اور دین کے ساتھ اسلامی ممالک کو خود نقصان پہنچایا۔ اسلامی جرنیلوں نے کمایا اور عیاش حکمرانوں نے گنوایا۔ اقبال نے کہا:

آ میں تجھ کو بتاؤں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

"اناللہ وانا الیہ راجعون"

نوٹ: محمد بن قاسم کے ساتھ جو کچھ ہوا کئی صدیوں بعد بھی اس سانحہ پر دردمند مسلمانوں کی آنکھیں اشک بار ہیں لیکن اس سے اطاعت امیر کی ایک عظیم تعلیم مسلمانوں کو ملتی ہے کہ اگر کوئی شخص مقبول بن جاتا ہے اور اس کی بڑی شخصیت سامنے آتی ہے اور عوام الناس اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کے اتحاد میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اپنی شخصیت کے سہارے اپنے ہی مرکز پر اپنے ہی کمان سے تیر برسانا شروع کردے۔ محمد بن قاسم تو گردن کٹا کر مرکز میں انتشار سے بچنے کی کوشش کررہے ہیں اور ان کے نام لینے والے آج اپنے مراکز میں انتشار پیدا کرنے کے لیے گردن کٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔

ببیں تفاوت را از کجا ست تا بکجا

نیز میں اہل قلم اور اصحاب تاریخ سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ خدا کے لیے دین اسلام کے محمد بن قاسم جیسے عظیم سپاہی اور ملت اسلامیہ کے اس نامور سپوت کو ناولوں، افسانوں اور مزاحیہ کالموں کی بھینٹ نہ چڑھاؤ بلکہ اس مجاہد اعظم کے احترام میں اپنے قلم کی ناول

نگاری اور افسانہ طرازی کو کام دو اور محمد بن قاسم کے جہادی پہلو کو جہاد کے حوالے سے ہی لکھو جس سے امت کے نوجوانوں کو باطل کے مقابلے میں حوصلہ ملے۔ آپ کو اگر رنگین مجلس ہی کو دکھانا ہے تو کسی رنگیلے کی رنگ رلیاں پیش کیا کرو نہ کہ کسی مجاہد کے عظیم کارناموں کا حلیہ بگاڑ کر جوانوں کو رنگیلے بنانے کی کوشش کرو۔

مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی میدان جہاد میں

سلطان صلاح الدین ایوبی اسلام کے ان نامور سپوتوں میں سے ایک ہیں جن پر اہل اسلام بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ آپ کا تعلق کرد قوم سے تھا۔ آپ کے والد کا نام نجم الدین ایوبی تھا جو آذر بائیجان سے ہجرت کر کے بغداد آئے تھے اور وہیں پر ''تکریت'' کے مشہور شہر میں 532 ہجری میں سلطان صلاح الدین پیدا ہوئے۔

صلاح الدین ایوبی بچپن ہی میں اسلحہ اور جنگ کا ماہر بنا اور گھوڑے کا ایسا شہسوار بن گیا کہ بڑے بڑے بہادر اسے حیرت سے دیکھتے تھے۔ یہ زمانہ مصر میں ناطمیوں کی خلافت اور بغداد میں عباسیوں کی خلافت کا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کی ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح معجزہ اور اسلام کی صداقت کی روشن دلیل ہے ایک متوسط درجہ کے ایک کرد شریف زادہ کی حیثیت سے ان کی نشو ونما ہوئی۔

مصر کی فتح اور صلیبیوں کے مقابلے میں میدان میں آنے سے قبل کوئی شخص یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ اس کرد نوجوان کے ہاتھ پر فتح بیت المقدس کی وہ سعادت لکھی ہوئی ہے جو بڑے بڑے شرفاء کو حیرت میں ڈال دے گی۔

ایک انگریز مؤرخ لین پول لکھتا ہے ''اب صلاح الدین کا اپنی ذات سے تعلق تھا اس نے اپنی زندگی کے قواعد سخت کر دیے متقی اور پرہیز گار تو وہ ہمیشہ سے تھا مگر اب ان میں اور سختی آ گئی۔ دنیا کے عیش و آرام اور لذتوں کا خیال بالکل ترک کر دیا اور اپنے اعمال پر بھی سخت پابندیاں عائد کیں، اور اپنے ساتھیوں کے حق میں خود ایک مثال بنا، اس نے اپنی

تمام کوششیں اس بات پر صرف کیں کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم کرے جس میں کفار کو ملک سے خارج کرنے کی پوری طاقت ہو۔ چنانچہ ایک موقع پر اس نے کہا:

جب خدا نے مجھے مصر دیا تو میں سمجھا کہ فلسطین بھی مجھے دینا اللہ کو منظور ہے۔ اس وقت سے صلاح الدین کی زندگی کا مقصد آخر عمر تک اسلام کی نصرت وحمایت رہا اور اس نے عہد کرلیا کہ وہ کفار پر جہاد کرے گا۔ (بحوالہ سلطان صلاح الدین 86)

شوق جہاد

سلطان صلاح الدین کو جہاد سے عشق تھا۔ جہاد اس کی سب سے بڑی عبادت، سب سے بڑی لذت اور اس کی روح کی غذا تھی۔ قاضی ابن شداد جو سلطان کے قاضی رہے ہیں لکھتے ہیں، جہاد کی محبت اور جہاد کا شوق ان کے رگ وریشہ میں رچ بس گیا تھا اور ان کے ذہن ودماغ پر چھا گیا تھا، یہی ان کا موضوع گفتگو تھا، اسی کا ساز وسامان تیار کرتے رہتے تھے اور اسی کے اسباب ووسائل پر غور کرتے تھے۔ اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کی تلاش رہتی۔ اسی کا ذکر کرنے والے اور اسی کی ترغیب دینے والے کی طرف وہ توجہ کرتے تھے۔ اسی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر انہوں نے اپنی اولاد اور اہل وخاندان اور وطن ومسکن اور تمام ملک کو خیر باد کہا اور سب کی مفارقت گوارا کی اور ایک ایسے خیمہ کی زندگی پر قناعت کی جس کو ہوائیں ہلا سکتی تھیں۔ کسی شخص کو اگر سلطان کا قرب حاصل کرنا ہوتا تو وہ سلطان کو جہاد کی ترغیب دیتا تھا۔ قسم کھائی جاسکتی ہے کہ جہاد شروع کرنے کے بعد انہوں نے ایک پیسہ بھی جہاد اور مجاہدین کی امداد واعانت کے علاوہ کسی مصرف میں خرچ نہیں کیا۔ میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت ایک ایسی غمزدہ ماں کی سی ہوتی تھی جس نے اپنے اکلوتے بچہ کا داغ اٹھایا ہو۔ وہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دوڑتے پھرتے تھے اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ خود ساری فوج میں گشت کرتے اور پکارتے رہتے تھے۔

''یاللاسلام'' لوگو! اسلام کی مدد کرو۔ ان کی آنکھوں سے اس وقت آنسو جاری رہتے تھے۔ سلطان صلاح الدین کے ساتھ ہمہ وقت ساتھ رہنے والے قاضی ابن شداد مزید لکھتے

ہیں کہ سارے دن سلطان نے ایک دانہ منہ میں نہیں رکھا صرف طبیب کے مشورہ اور اصرار سے ایک مشروب کا استعمال کیا۔ شاہی طبیب نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ جمعہ سے اتوار تک سلطان نے صرف چند لقمے کھائے۔ ان کی طبیعت میدان جنگ کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔ (بحوالہ دعوت وعزیمت)

صلاح الدین کا منصوبہ

ایک مؤرخ سلطان صلاح الدین کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب سلطان نورالدین زنگی نے اپنے مشہور سپہ سالار ''اسدالدین شیرکوہ'' جو سلطان صلاح الدین کے چچا بھی تھے، کو مصر کی مہم پر روانہ کیا تو وہ صلاح الدین کو بھی اپنے ساتھ لے گئے، شیرکوہ وفات کے بعد صلاح الدین آخری فاطمی خلیفہ عاضد کا وزیر بنے۔ 1169ء یا 1171ء میں صلاح الدین نے مصر میں فاطمی خلیفہ کی بجائے عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھوایا اور اس طرح بقول ''لین پول'' اس فاطمی حکومت کا خاتمہ ہوا جو تقریباً سو سال تک بحر روم کے ساحل پر مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت سمجھی جاتی تھی۔ اس کے بعد صلاح الدین نورالدین زنگی کی طرف سے مصر کا گورنر رہے، 1174ء میں نورالدین کی وفات کے بعد صلاح الدین مصر کا خودمختار بادشاہ بن گئے۔

صلاح الدین چاہتے تھے کہ صلیبی عیسائیوں کا کامیاب مقابلہ کرنے اور ان کی زیادتیوں اور چیرہ دستیوں سے محفوظ رہنے اور پھر فلسطین کی صلیبی حکومت کا جو مسلمانوں کے پہلو میں نہیں بلکہ ان کے دل میں کھٹک رہی تھی، تیاپانچہ کرنے کے لیے مصر وشام اور علاقہ کی دیگر چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں ایشیائے کوچک اور ''میسوپوٹیمیا'' سے لے کر سرزمین مصر تک ایک پرچم تلے متحد ہو جائیں کیونکہ چھوٹی ریاستوں اور مملکتوں میں بٹ کر مسلمان صلیبیوں کو سرزمین فلسطین سے نکالنا تو درکنار بلکہ اپنا وجود بھی بمشکل قائم رکھ سکتے تھے۔

بالآخر صلاح الدین اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یہ سارے ممالک ان کے پرچم تلے اکٹھے ہو گئے۔ (بحوالہ بارہ ہزار مجاہدین)

تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی خلافت کو ہمیشہ شیعہ برادری کی طرف سے نقصان پہنچا ہے۔ چنانچہ مصری فاطمی خلافت کبھی بھی یہ گوارہ نہیں کر سکتی تھی کہ سلطان صلاح الدین جو ایک کٹر سنی ہیں، ان کی حکومت مصر پر قائم رہے چنانچہ مصر کے فاطمیوں نے اردگرد کی عیسائی ریاستوں سے رابطہ کر کے سلطان صلاح الدین کے خلاف ایک مشترکہ محاذ قائم کرلیا۔ عیسائیوں نے بھی خیال کیا کہ صلاح الدین کی عمر 32 سال ہے۔ یہ کم عمر و ناتجربہ کار وزیر ہے۔ یہی موقع ہے کہ اس کو اس راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ مصر کے اندر بھی خلفشار و انتشار ہے لہٰذا باہر سے آسانی سے اس پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مختلف ریاستوں سے جمع ہو کر عیسائیوں نے مصر پر حملہ کر دیا اور دمیاط کو محاصرے میں لے لیا۔

سلطان صلاح الدین نے فوراً نورالدین زنگی کو اس صورت حال کی اطلاع کی۔ نورالدین نے اپنی تجربہ کار فوجیں مصر کی طرف بھیج دیں اور خود عیسائیوں پر شام کے علاقہ میں زوردار حملہ کیا تاکہ عیسائی مصر سے پیچھے ہٹ جائیں۔ جب شامی افواج مصر تک پہنچ گئیں تو عیسائی افواج گھبرا کر بھاگ گئیں اور دمیاط کا محاصرہ ختم ہو گیا۔

صلاح الدین طوفان کی طرح آگے بڑھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کے باہمی اتفاق واتحاد کی برکت سے اللہ کی مدد ونصرت سے اور صلاح الدین کی قائدانہ صلاحیت سے مسلمانوں نے مشرق وسطیٰ میں عیسائی افواج سے وہ تمام علاقے واپس لے لیے جن پر صلیبیوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ مقبوضہ علاقوں کو واپس لینے کی آرزو جب صلاح الدین ایوبی کے دل میں چٹکیاں بھرنے لگی تو 566ء میں صلاح الدین ایک فوجی منتظم اور سپہ سالار کی حیثیت سے میدان جہاد میں اتر آئے اور ایک ایک کر کے تمام مقبوضہ علاقہ جات کو کفار سے واپس لیتے چلے گئے۔

سب سے پہلے صلاح الدین نے عسقلان کا رخ کیا اور فرانس کے بادشاہ اور اردگرد کے تمام عیسائیوں سے شدید معرکوں کے بعد عسقلان اسلام کے جھنڈے کے تحت آ گیا۔

عسقلان سے فارغ ہوتے ہی صلاح الدین نے بحری بیڑے تیار کر کے فوج کو

آراستہ پیراستہ کر کے ''ایلیا'' پر چڑھائی کر دی جو بحیرہ قلزم کے ساحل پر عیسائی مقبوضات میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مکمل فتح عطا کی۔ 566ء میں اس علاقہ پر فتح کے عالی شان اسلامی جھنڈے لہرانے لگے۔ صلاح الدین نے اس کے بعد مصر میں تمام شیعہ قاضیوں کو موقوف کیا اور اہل حق کے قاضی مقرر کیے۔

سلطان صلاح الدین نے ایک دفعہ علاقہ ''کرک'' پر دھاوا بول دیا مگر پیچھے دشمن نے تمام افواج کو جمع کر کے مصر کے اہم علاقے اسکندریہ کی طرف روانہ کر دیا اور اسکندریہ کا ایسا محاصرہ کیا کہ سقوط کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس لیے سلطان نے ''کرک'' کی فتح کو نامکمل چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف اپنی افواج کو بڑھا دیا اور اسلامی فوج نے دشمن کا ایسا گھیراؤ کیا کہ ان میں سے کوئی بچ نہ سکا اور اسکندریہ محفوظ ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان نے رمضان کے مہینہ میں کرک پر دوبارہ حملہ کرنے کا مشورہ کیا۔ اکثر مشیروں نے کہا کہ رمضان ہے، روزہ ہے، آپ رمضان میں حملہ کی زحمت نہ کریں مگر سلطان نے جواب دیا کہ زندگی پر بھروسہ نہیں، وقت مختصر ہے۔ میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔ تقدیر کا علم صرف اللہ کو ہے یہ کہہ کر صلاح الدین نے فوج کو حکم دیا کہ اب چل پڑو۔ چنانچہ شاہینوں کا یہ لشکر یلغار کرتا ہوا قلعہ سفد کو فتح کرتا ہوا طوفانی آندھی بن کر اردن کے کنارے تک جا پہنچا۔ اب صلاح الدین جہاں پر کھڑا تھا بالکل سامنے کرک کا قلعہ تھا جو آسمان سے باتیں کر رہا تھا اور جس کی فتح کے لیے شرطیں لگائی جاتی تھیں۔ سلطان کی افواج نے قلعہ کرک کا محاصرہ کر لیا مگر قلعے سے کفار بارش کی طرح تیر برسا رہے تھے۔ آخر بڑی مشقت کے بعد قلعہ فتح ہو گیا اور مسلمانوں نے بڑی خوشی منائی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کیونکہ اس قلعہ میں بڑے بڑے ڈاکو رہتے تھے جو ہر وقت قلعہ سے نکل کر حاجیوں کے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ بدنامِ زمانہ ریجنالڈ اسی کا والی تھا۔

معرکہ حطین

اسلامی تاریخ میں عرب دنیا پر ''حطین'' کا معرکہ جہادِ مقدس کی مشہور جنگوں میں سے

ایک ہے۔ اس شدید معرکہ کی وجہ سے اہل تاریخ اور عرب دنیا نے صلاح الدین کو بطور اعزاز ''بطل حطین'' کا لقب دیا۔ تفصیل اس طرح ہے:

فرنگیوں میں ایک شخص بہت بڑا عیار و مکار تھا اور نسل آدم کے لیے فتنہ تھا، جس کو عرب ''برنس ارطاۃ'' کہتے تھے۔ اس کا اصل نام ''ریجنالڈ'' تھا جو اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

وہ فطری طور پر ایک فتنہ پرداز شخص تھا۔ اہل تاریخ نے اسے مکار اور قزاق کے نام سے یاد کیا ہے۔ قلعہ کرک میں سارے ڈاکے یہی شخص کرواتا تھا۔ اس خبیث نے ایک دفعہ قسم کھائی تھی کہ وہ مکہ اور مدینہ پر چڑھائی کرے گا اور دونوں کو مسمار کرے گا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اس شیطان نے بحری بیڑوں کا سہارا لیا اور عیذاب پر حملہ آور ہوا۔ یہ جگہ بحیرۂ قلزم کے افریقی ساحل پر واقع تھی۔ لشکر اسلام نے موقع پر ہی اس منصوبہ کو ناکام بنا دیا ریجنالڈ بندرگاہ ''الحوار'' سے مدینہ منورہ پر بحری حملہ کرنا چاہتا تھا مگر مسیحی لشکر پر لشکرِ اسلام نے زبردست حملہ کیا اور الحوار تک پہنچنے سے پہلے ہی مسلمانوں نے ریجنالڈ اور اس کے لشکر کو تتر بتر کر دیا۔ اکثر عیسائی مارے گئے مگر خود ریجنالڈ بچ نکلا اور اپنے اس ٹھکانہ پر واپس آ گیا جہاں سے وہ حجاج کرام وغیرہ کے قافلوں پر لوٹ مار ڈالتا تھا۔

ایک دفعہ ایک تقریب میں عیسائی شریک تھے کہ مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا اور مہینہ بھر علاقے کا محاصرہ جاری رہا۔ کچھ غیر جانب دار عیسائیوں نے مسلمانوں کی صلح کرا دی۔ مگر ریجنالڈ نے عہد و پیمان کا خیال نہ رکھا اور کچھ عرصہ بعد ایک قافلہ کو لوٹ لیا۔ سلطان کو جب اطلاع ہوئی تو آپ نے انتقام کی قسم کھائی اور خندقیں کھدوائی گئیں۔

کچھ مسافروں نے فریاد کی تو ریجنالڈ نے کہا، کہاں ہے تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب ان کو بلاؤ نا، یہ کہہ کر اس نے قافلے والوں کو قتل کر کے مال لوٹ لیا اس واقعہ کی اطلاع جب سلطان صلاح الدین کو ملی تو انہوں نے قسم کھائی کہ ان شاء اللہ میں اپنے ہاتھوں سے ریجنالڈ کو قتل کروں گا۔

سلطان کا شوق جہاد ان کی فوج میں داخل ہوگیا تھا۔ چنانچہ جب صلاح الدین نے جہاد کا علم بلند کیا تو ان کا عزم یہی تھا کہ مقبوضہ علاقے عیسائیوں سے واپس کرادیں اور صلیبیوں کی فوجی قیادت کو پاش پاش کر کے رکھ دیں۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں جنگ حطین کا زبردست معرکہ رونما ہوگیا۔

سلطان صلاح الدین اپنے ساتھ پچیس ہزار کا لشکر جرار لے کر دریائے اردن کے قریب پہنچ گئے اور کچھ دیر بعد دریا کو عبور کر کے طبریہ سے کوئی پندرہ میل دور اہم بلند چوٹیوں پر خیمہ زن ہو گئے۔ سلطان نے اپنے بیٹے ملک فاضل کی کمان میں ایک مختصر سا لشکر طبریہ پر حملہ کرنے کے لیے کبلی کی طرف سے روانہ کردیا۔ اس فوج نے ایک ہی دن میں طبریہ کی بیرونی فصیل پر قبضہ کرلیا اور شہر کا مکمل محاصرہ ہوگیا۔

صلیبیوں کی تیاری

اس خبر سے عیسائیوں میں ایک کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے آپس کے مشورے شروع کردیے، صلیبیوں کو بھی چاروں طرف سے مدد مل رہی تھی اور وہ جوق در جوق میدان کارزار میں پہنچ رہے تھے بہت تیزی سے ان کی فوجیں ''صفوریہ'' کے چشموں تک پہنچ گئیں جن کے آگے میلوں بنجر زمین اور تباہ کن پھیلا ہوا صحرا پڑا تھا۔ نہ کسی سبزہ کا نام تھا اور نہ کہیں پانی کا نشان تھا۔

صلیبی لشکر کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ چکی تھی اور اس میں شاہی فرنگی افواج اور فرنگیوں کے تمام جرنیل اور سردار موجود تھے۔ بیت المقدس کا بادشاہ گائی آف لوسگنان، کرک کا بدباطن قلعہ دار ریجنالڈ، طبریہ کا والی ریمنڈ، ٹیمپلروں کا سردار ڈی رڈفورڈ میدان میں آئے تھے۔ سب کے سب لشکر اسلام اور سلطان سے سبق آموز جنگ لڑنا چاہتے تھے لیکن سلطان کی افواج نے سروں پر اچانک پہنچنے سے ان بادشاہوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ مجلس مشاورت میں شاہ گائی نے سلطان سے لڑنے کی مخالفت کی کیونکہ گائی ایک بزدل فرمانروا تھا۔ ریمنڈ بڑا دوراندیش تھا، اس نے کہا کہ سلطان سے پنجہ آزمائی تباہی ہے اس لیے اگر

وہ شہر میں داخل ہوکر میرے اہل و عیال کو گرفتار بھی کرے تب بھی ہمیں پیش قدمی نہیں کرنی چاہیے۔ دیگر سرداروں کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن شام کے ریجنالڈ اور ڈی رڈفورڈ نے پیش قدمی پر زور دیا۔ لہٰذا دوسرے ہی دن صلیبیوں نے طبل بجا کر پیش قدمی شروع کر دی۔ عام تاریخی روایات کے مطابق اس جنگ میں پچاس ہزار عیسائی افواج نے حصہ لیا تھا اور صفوریہ کے مقام پر آ کر پڑاؤ ڈالا تھا۔ ان کی کثرت تعداد کی خبر جب سلطان کی افواج کو پہنچی تو بعض اہم فوجیوں نے سلطان کو مشورہ دیا کہ میدان میں جنگ مناسب نہیں بلکہ چھاپہ مار انداز سے جنگ ہونی چاہیے۔ سلطان نے جواب میں کہا کہ ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع نہ کرو جلدی کرو اور پیش قدمی کرو۔ عام روایات کے مطابق سلطان صلاح الدین کے ساتھ صرف بارہ ہزار کا لشکر تھا۔ آپ کی عادت تھی کہ جمعہ کے دن لڑائی نماز کے بعد شروع کرتے تھے تاکہ عالم اسلام کے مسلمان جمعہ کی نماز کے بعد افواج اسلامیہ کے لیے دعائیں مانگیں۔ یوں سلطان اور صلیبیوں کے درمیان بڑے معرکے ہوئے ہیں لیکن جنگ حطین کے لیے سلطان مدتوں سے تیاریاں کر رہے تھے کیونکہ حطین کی جنگ درحقیقت بیت المقدس کے لیے پیش خیمہ تھی۔ سلطان صلاح الدین نے صفوریہ میں جو پڑاؤ کیا تھا اس کا نقشہ مؤرخ لین پول اس طرح پیش کرتا ہے:

جنگی نقشہ اور جنگ

صلاح الدین کا کیمپ صفوریہ سے دس میل مشرق کی طرف حطین کے قریب سطح مرتفع پر واقع تھا۔ اس گاؤں کے چاروں طرف زیتون اور پھلوں کے باغات تھے۔ اس علاقہ سے میٹھے اور صاف پانی کا ایک چشمہ شمال مغرب کی جانب وادی حمال کی گھاٹی میں جاتا تھا۔ غرض کہ نیچے وادیوں میں اور طبریہ کے قرب و جوار میں پانی کی کچھ کمی نہ تھی۔ حطین کے جنوب میں وہ پہاڑی واقع ہے جو تاریخ میں ''قرن حطین'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ پہاڑی میدانی آبادی سے چھ سوفٹ کی بلندی پر واقع ہے اور اس سے سوفٹ نیچے کا مغربی میدان صاف نظر آتا ہے۔ دونوں کیمپوں کے درمیان کوئی چشمہ نہ تھا۔ یہ سال کا گرم ترین

موسم تھا۔ مسلمان اور نصاریٰ کے لشکروں میں کافی فاصلہ تھا۔ عیسائی لشکر کے قریب آنے سے پہلے سلطان نے حکم دیا کہ طبریہ کے شہر میں داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ لشکر اسلام نے شہر طبریہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اسی وقت سلطان کو اطلاع ملی کہ عیسائیوں کا لشکر جرار آرہا ہے۔ سلطان تیزی کے ساتھ اپنے کیمپ میں پہنچ گئے اور وہاں نظم ونسق سنبھالنے میں مشغول ہو گئے۔ سلطان نے اپنی افواج کو اہم مقامات پر بٹھادیا اور ندی نالوں اور چشموں پر قبضہ جمالیا۔ دن رات لشکر اسلام کے جانباز نعرہ تکبیر بلند کرتے رہے اور خوشی خوشی دشمن کے آنے کا انتظار کرتے رہے۔

لشکر کفار کی آمد

لین پول کے کلام کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

''جمعہ 3 جولائی کو نصرانی افواج نے صفوریہ کے پاس اپنا کیمپ اٹھالیا اور وہ طبریہ کی طرف روانہ ہوئی۔ فوج کے روانہ ہوتے ہی اسلام کے شاہینوں نے جھپٹ جھپٹ کر ان پر حملے شروع کر دیے اب نصاریٰ دو طرف سے گھیرے میں آ گئے۔ طبریہ کے پاس اسلامی فوج پہلے سے موجود تھی جس نے طبریہ کا محاصرہ جاری رکھا ہوا تھا اور ادھر سے صفوریہ میں مقیم افواج نے ان پر حملے کر دیے۔ بہت سے جرنیل اور ماہرین جنگ تو راستے ہی میں کام آئے اور نصرانی بے سایہ اور چٹیل صحرا میں افتاں وخیزاں جا رہے تھے۔ تمام دن صلاح الدین کا لشکر انہیں تنگ کرتا رہا۔ ان کے اسلحے تیز دھوپ سے تپ رہے تھے۔ علاقہ میں پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ نصاریٰ اپنے بادشاہ کی مدد سے عاجز آ گئے تھے جو قلب لشکر میں موجود تھ۔ حاکم طبریہ اپنے لشکر سے کافی آگے نکل چکا تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ کہیں پانی تک پہنچ جائیں مگر فیصلہ اور مشورہ یہ ہوا کہ اب آگے جانا مشکل ہے۔ رات یہیں پر گزاردیں مگر ہتھیار نہ کھولیں کیونکہ حالت جنگ میں ہیں۔ اس حالت سے ریمنڈ ناامید ہو گیا اور اس نے کہا کہ افسوس ہم جنگ ہار گئے ہیں اب ہمارا شمار مردوں میں ہے اور ہماری حکومت ختم ہو گئی ہے۔

عیسائیوں کی مصیبت کی یہ نا قابل فراموش رات تھی۔ رات بھر پیاس سے وہ تڑپتے رہے۔ مسلمانوں نے قریب کی جھاڑیوں میں آگ لگا دی تو دھوئیں اور آگ نے نصرانیوں کی مصیبت میں اور اضافہ کر دیا۔ اللہ نے انہیں آنسوؤں کی روٹی کھلائی اور پشیمانی کے پیالہ میں پانی پلایا۔ ایک اور مؤرخ لشکر کفار کی حالت کا اس طرح دلچسپ منظر لکھتا ہے، خلاصہ ملاحظہ ہو:

''سلطان صلاح الدین نے آس پاس کے ہر چشمہ اور ہر ندی پر اپنی فوج بٹھا دی اور جب جوشیلے عیسائی اپنے جوش اور ولولے کے ساتھ ہتھیار بجاتے، ناچتے اور گاتے ہوئے ''حطین'' کی طرف بڑھنے لگے تو سلطان نے اپنے طوفانی دستے اور شیر دل نوجوانوں کو چاروں طرف پھیلا دیا۔ مؤرخ ارنول کہتا ہے کہ صفوریہ سے طبریہ جانے والی راہ خشک اور بنجر چٹانوں سے گھری ہوئی تھی۔ دور دور تک پانی کا نام ونشان نہ تھا، گرمی کا موسم تھا اور دھوپ سخت پڑ رہی تھی۔ بے چاری فوج یروشلم کے بادشاہ کے پیچھے پیچھے بندھی چلی جا رہی تھی سپاہی سر پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ چلچلاتی دھوپ کے سبب انہیں دوزخ کی آگ میں جلنے کی لذت نصیب ہو رہی تھی۔ لوہے کا لباس جب خوب گرم ہوا تو بے چاروں کے جسم جھلس گئے۔ اگر پانی ہوتا تو جسم کی تپش ہلکی بھی کی جا سکتی مگر اس دشت و بیابان اور بنجر زمین میں پانی کہاں سے دستیاب ہو سکتا تھا؟

کوئی سایہ دار درخت بھی نہ تھا کہ جس کے نیچے کچھ دم لیتے۔ اس پر ظلم یہ ہوا کہ سلطان کے طوفانی دستوں نے ان پر اچانک ایسے زوردار حملے کیے کہ غریب آنسو بھر بھر کر روتے تھے۔ عیسائی افواج نے بدحواسی میں ایسی جگہ پڑاؤ کیا جو بالکل نامناسب تھی طبریہ کا گورنر چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ خدا کے لیے یہاں قیام نہ کرو یہاں پانی نہیں ہے مگر اس کی کسی نے نہ سنی یہ رات اس فوج پر بڑی المناک تھی۔ رات بھر فوج کے سپاہی پانی کے لیے تڑپتے اور چیختے رہے۔

پیاس نے ان کی روحیں تڑپا دی تھیں، مسلمانوں نے چاروں طرف سے دشمن کو گھیرے

میں لے رکھا تھا۔ستم ظریفی یہ کہ مسلمانوں نے ادھر ادھر پھیل کر جھاڑیوں اور خشک گھاس میں آگ لگا دی۔ اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور بے چارے اس طرح چیخ اٹھے جیسے انہیں لاتعداد سانپوں نے ڈس لیا ہو۔ رات تو جیسے تیسے کٹ گئی لیکن جب صبح ہوئی تو عیسائیوں نے دیکھا کہ صلاح الدین کی فوج ہر طرف صف بستہ پوری طرح منظم کھڑی ہے اور مقابلہ کے لمحات کا شوق سے انتظار کر رہی ہے کیونکہ

زور بازو آزما شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

مسلمانوں کی فتح مبین

مؤرخ لین پول لکھتا ہے کہ بڑی مشکل سے دوسرا دن آیا یعنی شنبہ 4 جولائی۔ عیسائی سپہ سالار تو گھوڑوں پر جلدی سوار ہو گئے لیکن پیادہ فوج کی سکت ختم ہو گئی تھی اور وہ پیاس سے منہ پھیلائے پڑی تھی۔

کنویں مسلمانوں کے قبضہ میں تھے۔ وہ تازہ دم بھی تھے اور صلاح الدین نے رات میں ان کو ہر قسم کے اسلحہ سے آراستہ بھی کر دیا تھا۔ ہر سہولت ان کو مہیا تھی، ان کے ترکش تیروں سے بھرے پڑے تھے اور قریب میں تیروں سے لدے ہوئے ستر اونٹ کھڑے تھے۔اس کے علاوہ چار سو سے زائد گٹھے تیروں کے تیار تھے۔ ہر سپاہی اپنی جگہ چاق و چوبند کھڑا تھا۔حطین سے دو میل جنوب مغرب کی طرف مقام ''لوبیہ'' میں طرفین کی افواج کا مقابلہ ہوا۔مسلمانوں کے تیراندازوں نے جنگ کی ابتداء کی تو ان کے تیروں کی بارش ٹڈی دل کی طرح دشمن پر پڑ رہی تھی اور دشمنوں کے سوار گھوڑوں سے کٹ کٹ کر نیچے گر رہے تھے کہ اتنے میں مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے دوسرا حملہ کر دیا اور دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ سلطان صلاح الدین میدان جنگ میں ضرورت کے مطابق ہر جگہ نظر آتے تھے اور اپنی افواج کو ہمت و شجاعت اور جرأت و غیرت کا درس دیتے رہے۔

بہاؤالدین ابن شداد جنگ کا منظر اس طرح پیش کرتے ہیں:

''خوف کا پنجہ عیسائی سپاہیوں کے گلوں پر تھا۔ وہ بھیڑ بکریوں کی طرح مذبح خانہ کی طرف ہنکائے جا رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ کل قبرستان آباد کریں گے تاہم عیسائی افواج اپنی آخری تباہی اور مسلمانوں کی مکمل فتح تک لڑتی رہی۔

''فرینکس'' کی فوج پیاس سے دیوانہ ہو کر سورج کی تمازت سے جھلس کر اور جلتی ہوئی جھاڑیوں کے دھوئیں سے اندھی ہو کر ترتیبِ جنگ کھو بیٹھی تھی اور اپنے امیر لشکر سے ان کا رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ پانی کی تلاش میں پاگلوں کی طرح جھیل کی طرف دوڑی لیکن صلاح الدین نے راستہ روک رکھا تھا۔ ایک پہاڑی پر وہ سب جمع ہو گئے۔ بادشاہ نے بار بار التجا کی کہ نیچے آ کر صلیب اور تاج کی حفاظت میں اپنا فرض ادا کریں مگر انہوں نے کہلا بھیجا کہ وہ پیاس سے بغیر لڑے مرے جا رہے ہیں۔ آخر میں مسلمان ان پر ٹوٹ پڑے اور کچھ کو پہاڑی سے نیچے گرا دیا اور جو بچ گئے انہیں یا تو قتل کر دیا یا گرفتار کر لیا اور بعض نے اطاعت قبول کر لی۔ وہ جب مسلمانوں کے پاس آئے تو ان کے منہ پیاسے کتوں کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ پانچ کرنل تو ایسے تھے جو کہہ رہے تھے کہ اے مسلمانو! تم دیر کیوں کرتے ہو ہمیں مار دو کیونکہ ہم ویسے ہی مر رہے ہیں۔

گائی نے سوچا کہ اب پیدل ہو کر کچھ مقابلہ ہو سکے گا اس نے اپنی افواج کو ایک اور سمت میں صلیب کے گرد حصار کی شکل میں متعین کر لیا اور سب نے مل کر ایک آخری کوشش کی کہ مسلمانوں کے حصار کو توڑ دیں مگر صلاح الدین کے عم زاد تقی الدین نے ان کے لیے اپنی صفیں کھول دیں اور جب ریجنالڈ کی فوج اس میں گھس گئی تو مسلمانوں نے ریجنالڈ کو اس کی فوج سے الگ کر کے سب کو ایسے گھیرے میں لے لیا جس طرح پرندے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ ذرا سی دیر میں مسلمان ان پر ٹوٹ پڑے اور بادشاہ اور اس کا بھائی، ریجنالڈ، جولین، ہمفری اور دیگر بہت سے امراء گرفتار ہوئے۔ ریجنالڈ نے جب دیکھا کہ بادشاہ گرفتار ہو گیا تو میدان جنگ سے کسی طرح بھاگ نکلا اور شرم و عار کا ہار گلے میں ڈال کر صور تک بھاگتا چلا گیا۔ فلسطین کے باقی سورما قید کر لیے گئے۔ تن تنہا ایک مسلمان تیس

نصرانیوں کو ایک رسی میں باندھ کر کھینچ لیا کرتا تھا۔ مقتولین کا حال یہ تھا کہ کشتوں کے پشتے لگے ہوئے تھے اور ٹوٹی ہوئی صلیبوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پیر اور کٹے ہوئے سر خربوزوں اور تربوز کی طرح زمین پر پڑے تھے۔

لین پول نے لکھا ہے کہ مسلمان فوج کی تیراندازی سے سب سے زیادہ نقصان عیسائیوں کی سوار فوج کو پہنچا اور بڑے بڑے جرنیل اور شہسوار گھوڑوں پر سے اس طرح گرے کہ جیسے وہ گرنے ہی کے لیے آئے تھے۔ یہ دن عیسائیوں پر بڑا سخت تھا اور مسلمان فوج ان سے گن گن کر بدلے لے رہی تھی۔

خود صلاح الدین میں آج ہزاروں بجلیاں بھری ہوئی تھیں اور وہ کبھی ایک صف میں پہنچتے تو کبھی دوسری میں، کبھی ایک صف کو بڑھاتے تو کبھی دوسری کو۔

عیسائی فوج کی عبرتناک شکست

بہر حال آہستہ آہستہ مسلمان فوج نے ساری عیسائی فوج کو ایک طرح سے گھیرے میں لے لیا اور مارتے مارتے ''حطین'' کے کنارے پر لے آئی یہاں عیسائی فوج حطین کے ٹیلے پر چڑھ گئی اور گرمی سے بچنے کے لیے کچھ خیمے نصب کرنے چاہے مگر ایک خیمہ کے سوا جو بادشاہ کے لیے تھا کوئی دوسرا خیمہ نصب نہ کر سکی۔

اس دن مسلمانوں کو ایک ہی بات یاد تھی کہ ان کے پیچھے دریائے اردن ہے اور سامنے دشمن ہیں، بس صرف اللہ کی مدد ہی ان کو دشمن سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

حطین کی یہ لڑائی فلسطین کے عیسائی کبھی نہیں بھول سکتے۔ اس لڑائی میں ان پر جو کچھ بیتی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مسلمان افواج نے ان کے بڑے بڑے سرداروں، شہسواروں، امراء، ورئیس اور پادریوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہی تھیں۔ عیسائی بڑی امیدوں اور حوصلوں کے ساتھ میدان میں آئے تھے اور اپنی صلیب اعظم بھی ساتھ لائے تھے جو ان کے نزدیک مسیح کے بعد سب سے مقدس دولت تھی لیکن وہ اس کی بھی حفاظت نہ کر سکے۔

العماد الکاتب لکھتا ہے کہ اس دن کے مقتولین اور اسیروں کا قصہ اس طرح ہے کہ اس دن لڑائی میں جو لوگ مارے گئے مؤرخوں کی زبانیں ان کے اعداد وشمار سے عاجز رہی ہیں۔ اس دن جو قید ہوئے ان کے باندھنے کے لیے خیموں کی طنابیں کافی نہ ہوئیں۔ میں نے اس دن دیکھا کہ تیس چالیس آدمیوں کو ایک رسی میں باندھ کر ایک سوار ہنکائے لیے جا رہا تھا۔ صلیب اعظم کے بچانے کے لیے اہل طاغوت خوب کٹ چکے تھے۔

یہ وہ صلیب تھی جس کے بارے میں ان لوگوں کا گمان تھا کہ اس میں اس عظیم الشان صلیب کی لکڑی لگی ہوئی ہے جس پر حضرت مسیح علیہ السلام سولی پر چڑھائے گئے تھے، انہوں نے صلیب کو سونے کی پتریوں سے منڈھ رکھا تھا اور اس پر غیر معمولی قیمت کے جواہرات ٹانکے گئے تھے۔ یہ عید کے موقع پر عوام کو دکھائی جاتی تھی اور پریشانی اور اضطراب کے وقت اس سے برکت حاصل کی جاتی تھی۔ یہ صلیب جب منظر عام پر لائی جاتی تو کسی عیسائی میں جرأت نہ رہتی کہ وہ اس سے پیچھے رہے۔ جب عیسائیوں سے یہ صلیب چھینی گئی تو پھر انہیں کوئی ہوش نہ رہا، وہ قید ہوئے اور ان کا بادشاہ اور بڑے امراء بھی قید ہوئے۔ اس دن جو لوگ قید ہوئے وہی اس وقت فلسطین کے حاکم، والی، نگران اور گلہ بان تھے۔ گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حطین کی یہ لڑائی پورے بیت المقدس کی لڑائی تھی اور حطین کی فتح بیت المقدس کی فتح تھی۔

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میدان جنگ میں کفار کے اتنے لوگ مرے پڑے تھے کہ یوں معلوم ہوتا تھا، جتنے آدمی تھے سب مارے گئے ہیں اور جب قیدیوں پر نگاہ پڑتی تو یوں لگتا تھا کہ جتنے سپاہی تھے سب قید ہو گئے ہیں کوئی قتل ہی نہیں ہوا۔

ایک انگریز مؤرخ لین پول کہتا ہے کہ میدان جنگ بڑے عرصہ تک اس جنگ کی شہادت دیتا رہا جس میں 33 ہزار عیسائی کام آئے تھے۔ ایک مدت تک ہڈیوں کے ڈھیر دور دور تک نظر آتے تھے اور وادیوں میں جنگلی جانوروں کی وحشت ناک رنگ رلیوں کے نشانات و آثار نمایاں تھے۔ حطین کی لڑائی بلاشبہ دنیائے عیسائیت کے لیے ایک بہت بڑا

حادثہ تھی کیونکہ اس کے صرف تین ماہ بعد مسلمانوں نے بیت المقدس کو فتح کرلیا۔ حطین کی لڑائی میں سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں جو عیسائی گرفتار ہو چکے تھے اور ان کا تعلق عام فوج سے تھا، ان کے بارے میں سلطان نے حکم جاری کیا کہ جو قیدی دوسری مرتبہ گرفتار ہوا ہے اسے قتل کردو اور جو مسلمان ہونا چاہتا ہے اسے رہا کردو اور جو فدیہ دینا چاہتا ہے ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دو اور جو قیدی اطاعت کے لیے کسی صورت تیار نہیں اسے قتل کردو۔

متعدد عیسائی بادشاہ صلاح الدین کے سامنے

یہ بات پہلے لکھی جا چکی ہے کہ معرکہ حطین درحقیقت بیت المقدس اور پورے فلسطین وشام کی جنگ تھی۔ اس میں بیت المقدس کا بادشاہ گائی خود اپنی افواج کے ساتھ شریک تھا۔ اس کا بھائی قید ہو چکا تھا اور ان کی فوج تتر بتر ہو چکی تھی۔ قلعہ کرک کا بدنام زمانہ بادشاہ ریجنالڈ رسیوں میں جکڑا پڑا تھا۔ ٹمپروں کا سردار ''ڈی رڈ فورڈ'' پابند سلاسل تھا اور ان سب کی افواج یا تو قید میں پڑی تھیں یا پھر قبرستانوں میں۔ جب یہ سب کے سب بادشاہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے لائے گئے تو شدت گرمی کی وجہ سے ان کو سخت پیاس لگی تھی۔ یروشلم کے بادشاہ گائی نے سلطان سے پانی مانگا۔ سلطان نے ٹھنڈا شربت بنوا کر بھیج دیا۔ گائی نے ایک گلاس ریجنالڈ کے سامنے پیش کیا۔ سلطان نے کہا کہ یہ مہمان نوازی میری طرف سے نہیں بلکہ تم خود اس کو پیش کر رہے ہو کیونکہ یہ شخص میرے ہاں معافی کا مستحق نہیں اور مہمان تسلیم کرنا اس کو معاف کرنا ہے۔

پھر صلاح الدین نے ریجنالڈ کو بلایا اور کہا کہ میں تجھے معاف کر دیتا مگر اب معاملہ میرا نہیں۔ تو نے ہمارے آقا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس وقت گستاخی کی تھی جب تم نے حاجیوں کا ایک قافلہ پکڑ رکھا تھا اور ان کی فریاد کے جواب میں کہا تھا کہ کون ہے جو ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کی مدد کر سکتا ہے؟ اب ایمان لاؤ یا موت کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ریجنالڈ بدبخت نے جب اسلام سے انکار کیا تو سلطان نے اپنی سونتی ہوئی تلوار اس کے سر پر زور سے مار کر اسے موت کے گھاٹ اتارا اور مارتے مارتے یہ جملہ فرمایا ''میں ہوں

ناموس رسالت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا محافظ۔'' دیگر عیسائی بادشاہ گھبرا اٹھے۔ سلطان نے ان کو تسلی دی اور پھر سب کو معاف کر دیا اور فرمایا کہ ریجنالڈ نے اپنی گستاخی کی سزا پائی ہے اور میں نے اپنی قسم پوری کر لی ہے۔ سچ ہے

من عهد عاد كان معروفا لنا

اسر الملوك وقتلها وقتالها

''بادشاہوں سے لڑنا اور انہیں قید وقتل کرنا قدیم زمانہ سے ہمارے جانے پہچانے کارنامے ہیں۔''

نسمى الظالمين وما ظلمنا

ولكنا نبيد الظالمينا

''لوگ ہمیں ظالم کہتے ہیں حالانکہ ہم نے ظلم نہیں کیا البتہ ظالموں کو ختم کرتے ہیں۔''

مجموعی فتوحات

فتح حطین کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فتوحات کے دروازے کھول دیے اور سلطان صلاح الدین کی یلغار اب عیسائی مقبوضات کی طرف شروع ہوئی۔ دو ماہ کے مختصر عرصہ میں اس خدائی طوفان اور خدائی افواج نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے 582ء ہجری تک جو علاقے کافروں سے آزاد کرا کر ان پر اسلامی جھنڈے لہرائے، ان میں سے چند علاقوں اور شہروں کے نام یہ ہیں:

عکا، زیب، معلیا، طبریہ، تنین، ہونین، اسکندریہ، ناصرہ، غور، صفوریہ، فولہ، جنین، اریمن، دیوریہ، عضر بلا، بیان، بلسیطہ، نابلس، لجون، اریما، سنجل، بیرہ، بافا، ارسوف، قیصاریہ، حیفا، صرفہ، صیدا، بیروت، قلعہ ابی الحسن، کرک، جبل سنجدل، یابا، جبل الجلیل، مجدل، حباب، واروم، غزہ، عسقلان، تل میافیہ، تل احمر، اطرون، بیت جبریل، جبل الخلیل، بیت اللحم، لاب، ایلہ، رملہ، صوبا، ہرمز، ضلع، عضرا، سقیف اور دیگر اطراف کے علاقے۔

سلطان جن علاقوں کو فتح کرتا تھا، ان میں اسلامی قانون نافذ کرتا تھا۔ علاقے کے لوگ سلطان کے مداح اور گرویدہ ہو جاتے تھے کیونکہ سلطان ان کے ساتھ اسلامی نظام کے عدل وانصاف سے پیش آتا تھا۔

فتح بیت المقدس

بیت المقدس جو ہمیشہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کا مسکن رہا ہے اس پر فتوحات وقبضہ جات کا ایک طویل سلسلہ گزرا ہے اور آج تک یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے۔ اس پس منظر پر ایک نظر ڈالیں تاکہ یادِ ماضی تازہ ہو جائے۔

☆ 636ء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس فتح کیا اور وہاں مسجد بنوائی۔

☆ 1099ء کو صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا اور چٹان والے گنبد کو کلیسا بنا کر مسجد کو گھوڑوں کا اصطبل بنایا۔

☆ 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے القدس کو فتح کر کے مسجد اقصیٰ کو صلیبیوں کی نجاست سے پاک کرالیا۔

☆ 1924ء کو برطانوی جنرل ایڈمنڈ نے القدس پر ناپاک قبضہ کیا۔

☆ 1948ء میں یہودیوں نے بمبار طیاروں کی مدد سے مسجد اقصیٰ اور القدس شریف پر حملہ کردیا۔

☆ 7 جون 1967ء میں اسرائیلی فوجیوں نے القدس کے شہر پر قبضہ کرلیا اور اس طرح مسجد اقصیٰ یہودیوں کے قبضہ میں چلی گئی اور قبضہ کے بعد چٹان والے گنبد پر یہودیوں کا جھنڈا لہرانے لگا۔

☆ 1967ء کے بعد یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کے اردگرد پورے علاقے میں زیرزمین سرنگیں کھودنا شروع کردیں۔ ان سرنگوں کے نو مراحل مکمل ہو چکے ہیں جس سے مسجد اقصیٰ کی بنیادیں کمزور ہو کر گرنے کے قریب ہیں۔

☆1969ء میں ناپاک یہودیوں نے اس حرم پاک میں آگ لگادی جس سے مسجد اقصیٰ کا بڑا حصہ جل گیا اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا عجوبۂ روزگار خوبصورت منبر بھی جل کر خاکستر ہوگیا، اس کے برعکس سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب بیت المقدس کو فتح کیا اور اعلیٰ انسانی اقدار کا جو سلوک وہاں کے غیر مسلموں سے کیا اس کو بھی ذرا پڑھیے:

سلطان صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں لشکر اسلام 15 رجب 583 ہجری کو بیت المقدس کے مغربی کنارے تک جا پہنچا۔ بیت المقدس پر اس وقت عیسائیوں کا نہایت مضبوط قبضہ تھا جس میں ایک لاکھ جنگجو عیسائی موجود تھے اور ہر قسم کے مذہبی پیشوا اور کمانڈر نہایت جوشیلے انداز میں مسلمانوں کے مقابلے کے لیے اپنے ساز وسامان کے ساتھ تیار بیٹھے تھے۔ بیت المقدس کا ہر لحاظ سے چاروں اطراف سے حفاظت کا بڑے پیمانے پر انتظام کیا گیا تھا۔ 16 رجب 583 ہجری کی صبح کو ابھی گرجوں سے آوازیں بلند نہیں ہوئی تھیں کہ سلطان صلاح الدین نے فجر کی نماز پڑھادی اور پھر افواج اسلام کی صف بندی کرادی اور زوردار نعرہ تکبیر بلند کیا جس سے بیت المقدس کے در ودیوار گونج اٹھے۔ اس کے بعد عیسائی گرجوں میں بھی ناقوس بجنے لگے اور ابتدائی طور پر ایک معمولی نوعیت کی جنگ ہوئی۔ پانچ دن تک سلطان صلاح الدین فصیل کے قریب تک جاتے اور شہر میں داخل ہونے کی جگہ تلاش کرتے مگر نہ کوئی جگہ ملی اور نہ منجنیق نصب کرنے کا موقع ملا۔ عیسائی شہر سے باہر آکر تیر برساتے تھے اور مسلمان مقابلے پر آتے تھے مگر شہر میں داخلہ بہت مشکل تھا۔ آخر میں مسلمانوں نے اس طرح بھرپور انداز سے حملہ کیا کہ عیسائی پسپا ہوکر قلعہ بند ہوگئے اور فصیلوں پر چڑھ کو مقابلہ شروع کیا۔ سلطان نے عہد کیا تھا کہ جس طرح عیسائیوں نے بیت المقدس مسلمانوں سے چھینا تھا میں اسی طرح اسے عیسائیوں سے آزاد کراؤں گا۔

اب اس وعدے کو پورا کرنے کا وقت آگیا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے شہر کے قریب پہنچ کر شہر کے بزرگ اور بااثر عیسائیوں کو مذاکرات کے لیے بلایا اور کہا کہ ہم نہیں چاہتے کہ اس شہر میں خونریزی کریں۔ اگر تم بغیر جنگ کے ہمیں قبضہ دوگے تو ہم تمہیں مال

وزراور کھیتی باڑی کے اسباب فراہم کر دیں گے۔اس عادلانہ پیشکش کو عیسائیوں نے ٹھکرا دیا اور جنگ کو صلح پر ترجیح دی۔

اس کے بعد سلطان اپنی فوج کو بیت المقدس کی مشرقی جانب اسی جگہ لے آئے جہاں سے صلیبیوں نے 91 سال قبل بیت المقدس پر حملہ کیا تھا۔لشکر اسلام طوفان کی طرح آگے بڑھتا چلا گیا۔فصیلوں سے ان پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی مگر اسلام کے شاہینوں نے اس کی پروانہ کی اور جا کر قلعہ کی دیوار میں نقب لگائی اور پھر اس میں لکڑیاں رکھ کر زوردار آگ جلائی جس سے قلعہ کی دیوار میں شگاف پڑ گئے اور مسلمان جانباز تیروں کی بوچھاڑ میں مقدس شہر بیت المقدس میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوئے اور بیت المقدس پر 91 سال بعد اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔ یہ حالت دیکھ کر لاٹ پادریوں اور دیگر ممتاز افراد نے فریاد کے ساتھ رحم کی اپیل کی جس سے سلطان کا جوش انتقام ٹھنڈا پڑ گیا اور آپ نے ان لوگوں کو شہر سے چلے جانے کی اجازت دے دی،مزید یہ کہ سلطان نے ان کو اسلحہ ساتھ لے جانے اور بندرگاہ تک امن کے ساتھ جانے کی ضمانت بھی دے دی۔البتہ ان پر دس دینار فی فرد پانچ دینار فی عورت اور ایک دینار فی بچہ تاوان عائد کیا مگر اس پر تماشا یہ کہ سلطان نے اپنی طرف سے دس ہزار آدمیوں کا تاوان خود ادا کیا۔سلطان کے بھائی نے سات ہزار آدمیوں کا تاوان ادا کیا۔(دنیائے کفر اور خاص کر یہود ونصاریٰ اس انصاف کو دیکھیں اور پچھلے صفحات میں تاریخ کی روشنی میں مسیحی اقوام کے مظالم پڑھیں اور خود فیصلہ کریں)۔

اس طریقے سے کئی ہزار غریب ایسے رہا ہو گئے جن کے پاس فدیہ دینے کا انتظام نہیں تھا،وہ مفت میں چھوڑ دیے گئے جب یہ لوگ رخصت ہوئے تو سینکڑوں عورتیں سلطان کے پاس آئیں اور کہا کہ ہم اکیلے کہاں جائیں گی جبکہ ہمارے شوہر آپ کی قید میں ہیں؟ سلطان نے ان تمام عورتوں کے شوہروں کی رہائی کا حکم دے دیا بلکہ یہ حکم بھی صادر کیا کہ ماؤں کو ان کے بچے دے کر رخصت کیا جائے۔

عیسائی پادریوں کو ان کا پورا سامان دے کر روانہ کیا گیا تعجب اس پر کہ بعض کمزور اور

ضعیف لوگوں کو دوسروں نے جب کندھوں پر اٹھالیا اور چلنے لگے تو سلطان کا دل رحم سے بھر گیا اور آپ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو خچروں پر سوار کرادو اور ان کو نقد پیسہ دے دو۔ مؤرخ امیر علی مزید لکھتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین نے مفتوح صلیبیوں کا اتنا احترام کیا کہ جب تک وہ لوگ شہر مقدس سے نکلے نہیں تھے سلطان اندر داخل نہیں ہوئے۔ دیکھیے کہاں یہ انصاف اور خدا ترسی جو سلطان سے ظاہر ہوئی اور کہاں وہ عیسائیوں کا ظلم وسفاکیت جو قبضہ بیت المقدس کے وقت ظاہر ہوا؟ اسلام اسلام ہے اور کفر کفر ہے۔

چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا
ببیں تفاوت را از کجا است تا بکجا؟

تطہیر بیت المقدس

بیت المقدس کے صلیبیوں نے جمعہ کے دن ہتھیار ڈالے تھے۔ شہر میں پہنچ کر ہزاروں مسلمان مسجد اقصیٰ کی صفائی اور تطہیر میں لگ گئے جس کو عیسائیوں نے پامال کر کے گھروں اور اصطبل خانوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے دیواروں سے تصویریں مٹادیں اور وہاں مسجد سے مذبح خانوں اور بیت الخلاؤں کو ہٹا دیا اور کفر وشرک کے تمام نشانات کو ختم کر کے دوسرے جمعہ تک بیت المقدس کو دلہن کی طرح سجا کر رکھ دیا پھر سلطان نے حلب سے لکڑی کا وہ نازک اور خوبصورت منقش منبر منگوایا جو سلطان نور الدین زنگی نے مسجد اقصیٰ کے لیے تیار کیا تھا۔ اسے نہایت احترام کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں نصب کر دیا گیا۔

ایک مؤرخ نے 91 سال کے بعد مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کا ایک دلکش انداز میں نقشہ کھینچا ہے ”نیلے آسمان تلے اذان گونجنے لگی، زرہ پوش اور جبہ پوش شانہ بشانہ سیدھی صفوں میں کھڑے ہو گئے، یہ عالمگیر اخوت کا زندہ مظہر تھا۔“

نوٹ: آج کل پھر مسجد اقصیٰ صلاح الدین ایوبی کے انتظار میں غم کے لمحات شمار کر رہی ہے۔ اسرائیل نے اسے گرانے اور ہیکل سلیمانی نصب کرنے کا عہد کیا ہے اور متعدد مرتبہ ہیکل سلیمانی کی تنصیب کی ناکام کوشش بھی کر چکا ہے۔ عرب ممالک سوئے ہوئے ہیں اور

عجم بے بس و بے حس ہو چکے ہیں۔ امریکا اسرائیل کی پشت پر کھڑا ہے اور یاسر عرفات یہودیوں کا زرخرید غلام اور ایجنٹ بنا ہوا ہے۔ ستر سال سے اس دھوکہ باز نے فلسطین کے مسلمانوں کو اسلحہ سے دور رکھا ہوا ہے اور اس ایٹمی دور میں وہ لوگ ٹینک کے مقابلے میں پتھر استعمال کر رہے ہیں جو ایک سازش ہے۔

سانحۂ ارتحال

سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا پوری ہو چکی تھی اور بیت المقدس فتح ہو گیا تھا۔ اس کی تعمیر و ترقی اور تزئین و آرائش اور مکمل انتظامات سے فارغ ہو کر سلطان واپس دمشق تشریف لائے اور دمشق ہی میں ماہ صفر 589 ہجری میں 57 سال کی عمر میں اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف رحلت فرما گئے اور دمشق ہی میں مدفون ہیں۔ رحمہ اللہ

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خیز

☆☆

بڑھ کر خیبر سے ہے یہ معرکہ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدر کرار بھی ہے؟

☆☆

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

درویش صفت بادشاہ

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں کہ سلطان نے اپنے ترکہ میں صرف ایک دینار اور 48 درہم چھوڑے تھے، کوئی مکان، کوئی جائیداد، کوئی باغ زراعت نہیں چھوڑے۔ تجہیز و تکفین کے

لیے ایک پیسہ ان کا ذاتی نہیں تھا بلکہ سارا سامان قرض سے کیا گیا۔ قبر کے لیے گھاس کے پودے بھی قرض سے آئے اور کفن کا انتظام ایک وزیر نے جائز اور حلال مال سے کیا۔ قاضی ابن شداد مزید لکھتے ہیں کہ سلطان نہایت صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ اہل سنت والجماعت کے ہم مسلک تھے۔ نماز روزہ اور واجبات کے بڑے پابند تھے ایک موقع پر فرمایا کہ سالہا سال ہو گئے کہ ایک نماز بھی میں نے بغیر جماعت کے نہیں پڑھی۔ حالت مرض میں بھی امام کو بلا لیتے اور تکلیف کے باوجود کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے۔ سنن رواتب پر مداومت تھی۔ رات کو تہجد پڑھتے تھے۔ ان کو آخری بیماری میں نماز کھڑے ہو کر پڑھتے دیکھا گیا۔ صرف تین دن جن میں ان پر بے ہوشی طاری تھی ان میں نماز فوت ہوئی۔ زکوٰۃ فرض ہونے کی ساری عمر نوبت ہی نہیں آئی۔

حج کرنے کی بڑی تمنا تھی مگر مالی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے تمنا پوری نہ ہوئی۔ قرآن مجید پڑھنے کا بہت شوق تھا اور سننے کا اتنا شوق تھا کہ کبھی کبھی برج کے اوپر پہرہ داروں سے تین تین چار چار پارے قرآن کریم سنتے تھے۔

بڑے رقیق القلب تھے۔ اکثر اوقات آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔ حدیث سننے کا بہت شوق تھا اور حدیث کی مجالس کا بہت اہتمام کرتے تھے اور اگر کوئی عالی سلسلہ والا شیخ ملتا تو دور جا کر سند کو عالی فرماتے تھے۔ اگر حدیث میں کوئی رقت آمیز بات ہوتی تو آپ کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں۔ کبھی کبھی میدان جنگ میں دو صفوں کے درمیان مجھ سے حدیث سنتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وقت فضیات کا ہے۔ دینی شعائر کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ یتیم کو دیکھتے تو شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے۔ سخاوت و مروت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ صبر و استقامت کے پہاڑ تھے۔ زاہد اور تارک دنیا تھے۔

ہفتہ میں دو بار ملاقات کے لیے عام اجازت ہوتی تھی جس میں عام و خاص سب آ کر ملاقات کرتے۔ کسی ضرورت مند کو مایوس واپس نہیں کرتے تھے۔ بعض دفعہ مفتوحہ علاقہ جات کسی کے تقاضے پر ان کو دیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ اپنا ذاتی سامان بیچ کر نو وارد کو عطیہ کا

انتظام کیا کرتے تھے۔

غرضیکہ انسانی تمام خوبیاں ان میں جمع تھیں اور وہ جامع صفات تھے۔ (رحمہ اللہ)

نوٹ: راقم الحروف نے سلطان صلاح الدین کے متعلق ذرا تفصیل سے اس لیے کلام کیا کہ موجودہ دور کے افسانہ نگاروں نے سلطان کی تاریخ کو ناول کے انداز سے ایسا کر کے پیش کیا ہے کہ پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ سلطان تو ہمیشہ مجالس کی رنگینیوں میں مشغول رہتے تھے اور ان کے اردگرد عورتوں کا سیلاب رہتا تھا، افسوس کہ ناول نگاروں نے اتنے بڑے مجاہد انسان کو کس طرح رنگین مزاج بنا کر پیش کیا۔

فاتح سومنات محمود غزنویؒ میدان جہاد میں
ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت واطاعت کے لیے پیدا فرمایا اور زمین کے فرش کو بچھا کر انسان کو سطح زمین پر قانون آسمانی اور شریعت خداوندی کے نافذ کرنے کا پابند بنایا لیکن ابلیس نے عبادت خداوندی میں اپنا حصہ بنایا اور مخلوق خدا کے ایک بڑے طبقے کو ورغلا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہٹا کر اپنی عبادت میں لگا دیا۔ اس قاعدہ سے یہ اصول ہمیں مل گیا کہ روئے زمین پر اصل اقتدار اللہ تعالیٰ کا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو اس اقتدار اعلیٰ کی روشنی میں زمین پر حکومت کرنے اور خدا کی زمین پر خدا کے نظام کو نافذ کرنے کا اصولی اور بنیادی حق حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کے علاوہ جن سرکشوں اور باغیوں نے حکومت کی ہے یا کر رہے ہیں وہ اصولاً غلط ہے اور ان نافرمانوں سے اقتدار چھین کر وفادار مسلمانوں کو دینا لازم ہے۔ ان کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ کمربستہ ہو کر اللہ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا دین غالب کریں۔ اسی قاعدہ کے تحت اور انہی شرعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت 28 ہجری میں مہلب بن ابی صفرہ اور عبداللہ بن عامر اور خالد بن عبداللہ اور قیس بن ہاشم نے فارس سے آگے بڑھتے ہوئے افغانستان کے اکثر علاقوں کو جہاد کے ذریعہ سے آزاد

کرالیا۔ استر آباد کے پایہ تخت جرجان کو حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے فتح کیا اور پھر اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے کابل فتح کیا۔ اب افغان قوم خود دین اسلام کے سپاہی بن گئے اور دین اسلام کو آگے برصغیر تک پھیلانے لگے۔ انہوں نے ہندوستان کا رخ کیا، ہندوستان پر آفتاب پرستوں، آتش پرستوں اور بت پرستوں کا قبضہ تھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ بت پرستوں کے 90 مختلف گروہ تھے، ہندو قوم 33 کروڑ دیوتاؤں کو پوجتی ہے۔ ہندوستان کے راجے مہاراجے خود بھی گاؤ ماتا کے پجاری تھے اور لوگوں کو بھی اپنی پوجا پاٹ پر مجبور کرتے تھے۔ یہ اوہام پرست لوگ آج تک گائے کو خدا کا بڑا اوتار سمجھتے ہیں اور گنگا جمنا کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے ان بت پرستوں کو جب افغانوں کی طرف سے ایک انقلاب کا خطرہ پیدا ہوا تو انہوں نے باقاعدہ مقابلہ کی تیاری شروع کر دی بلکہ حملہ کرنے میں پہل کی اور راجہ اجمیر کے ایک رشتہ دار نے جو لاہور کا راجہ تھا۔ ایک ہزار سواروں کو افغانوں کو دبانے کے لیے روانہ کر دیا مگر افغانوں نے ان کو شکست فاش دے دی۔

الغرض لاہور کے راجہ نے پھر چار ہزار کا لشکر روانہ کیا اور پانچ ماہ تک جنگ جاری رہی۔ اہل ہند نے افغانوں پر ستر حملے کیے مگر ہر دفعہ ناکام ہوئے اور افغانوں نے کرماج، پشاور اور شنوران پر قبضہ کرلیا۔ تاہم یہ لڑائی کبھی اہل ہند کے حق میں جاتی تھی اور کبھی افغانوں کے حق میں رہتی تھی۔ پشاور کے قریب بڑا معرکہ ہوا۔ ان لڑائیوں کے بارے میں جب خلیج کے لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے تو جواب دینے والا کہتا تھا کہ وہاں تو افغانستان قائم ہو گیا یعنی شور و غوغا اور فریاد و فغان ہے۔ تاریخ فرشتہ لکھتا ہے کہ ہوسکتا ہے اسی وجہ سے ان لوگوں کا نام افغان اور ان کے ملک کا نام افغانستان ہے۔ تاریخ فرشتہ کہتا ہے کہ ان لوگوں کو اہل ہند پٹھان بھی کہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جب اسلامی دور حکومت میں یہ لوگ ہندوستان آئے تو زیادہ تر پٹنہ کے علاقہ میں رہنے لگ گئے، شاید اسی وجہ سے اہل ہند ان کو پٹھان کہنے لگے۔

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں سن لو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

بہر حال انقلاب جہاں نے کروٹیں بدلیں اور افغانستان پر عبدالملک سامانی کی حکومت قائم ہوگئی اور اس نے وسعت پا کر بلخ و بخارا سے لے کر قندھار تک اور سیستان سے لے کر دور دور تک اپنی سرحدیں پھیلا دیں۔ عبدالملک کے دربار میں ترک علماء کی کثرت تھی اور انہی میں سے ایک اپتگین تھا، جس کی سنجیدگی اور ہوشیاری اور جرأت وشجاعت کو دیکھ کر عبدالملک سامانی نے بلخ کا گورنر مقرر کیا۔ عبدالملک سامانی کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں جب اقتدار کی جنگ شروع ہوئی تو اپتگین اپنی افواج کے ساتھ کنارہ کش ہو کر غزنی چلا گیا اور وہیں پر غزنوی حکومت کی بنیاد ڈالی اور 251 ہجری مطابق 962ء میں غزنی کی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا، مگر وہ جلد وفات پا گئے اور سبکتگین نے اس حکومت کا بکھرا ہوا شیرازہ جمع کیا اور غزنی حکومت کو خوب مضبوط کیا۔ درحقیقت غزنوی حکومت کے اصل بانی سبکتگین ہی ہیں۔

امیر سبکتگین کے ہندوستان پر حملے

جس زمانہ میں امیر سبکتگین وسطی ایشیا اور افغانستان کے اطراف میں فتوحات حاصل کر رہے تھے اس وقت پنجاب پر راجہ جے پال کی مضبوط اور زبردست حکومت قائم تھی جس کی سرحدیں مشرق میں سرہند تک اور مغرب وشمال میں پشاور اور غزنی تک جا پہنچی تھیں۔ کشمیر کے سارے علاقے اس کی حکومت کے ماتحت تھے۔ جنوب میں اس کی سرحدیں ملتان تک پہنچی تھیں۔ بھٹنڈہ اس کی حکومت کا دارالسلطنت تھا۔ جے پال جورسن پال کا بیٹا تھا اس کا تعلق برہمن قوم سے تھا، امیر سبکتگین والی غزنہ کی فتوحات کو دیکھ کر جے پال کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں سبکتگین اس کی حکومت پر قبضہ نہ کر لے۔ سبکتگین کا پنجاب پر حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور وہ اپنے افغانستان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں الجھے ہوئے تھے، مگر جس طرح آج کل ہندوستان طالبان کے اسلامی انقلاب سے خوف زدہ ہے اسی طرح جے پال بھی

خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ اس لیے اس نے قبل از وقت اسلامی انقلاب کے لیے راستہ ہموار کیا اور سبکتگین سے سرحدی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی جو ایک عرصہ تک جاری رہی۔ اسی کو بہانہ بنا کر کئی لاکھ پیدل اور کئی لاکھ شہسوار اور کئی ہزار ہاتھی لے کر غزنی افغانستان پر چڑھ دوڑا۔ سبکتگین کو جب معلوم ہوا تو آپ نے اپنے لشکر کو منظّم کیا مگر وہ عجیب وقت تھا کہ لشکر کا بڑا حصہ دوسرے علاقوں میں تھا۔ سلطان محمود غزنوی اگر چہ چھوٹے تھے مگر وہ بھی نیشا پور کے علاقے میں باغیوں سے برسر پیکار تھے۔ جے پال اپنی افواج کے ساتھ بجلی کی سی تیزی سے پشاور پہنچا اور وہاں سے غزنی کی طرف بڑھنے لگا۔ افواج اسلام بھی میدان میں آ گئیں۔ پشاور اور جلال آباد کے درمیان جو علاقہ ہے اس کو اس زمانہ میں لمغان کہا جاتا تھا۔ جے پال کا لشکر جمرود کے راستے سے ہوتا ہوا سلطنت غزنی میں داخل ہو گیا اور طورخم، باب خیبر اور جلال آباد کے قریب کے علاقوں میں گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ جے پال کی لاکھوں افواج کے مقابلہ میں امیر سبکتگین کا لشکر نہ ہونے کے برابر تھا مگر ایک طرف حق تھا۔ دوسری طرف باطل تھا۔ حق کے ساتھ سامان گو کہ کم تھا مگر اس کے ساتھ حق تھا اور مدمقابل باطل کے پاس بہت کچھ تھا مگر وہ باطل تھا جو باطل ہو گیا۔ برفانی ہواؤں اور برف پوش پہاڑوں میں پہنچ کر گرم علاقے کا جے پال اور اس کی افواج سردی سے تڑپ اٹھیں ہاتھی اور گھوڑے سردی سے اکڑ کر سکڑ گئے اور پھر اپنی موت آپ مر گئے۔ اس جنگ میں جے پال کی طاقت ٹوٹ گئی اور اس کا غرور بھی خاک میں مل گیا۔ اب جے پال نے مذاکرات اور صلح کی درخواست کی تو امیر نے اسے قبول کر لیا۔ جے پال نے اس حملہ کی غلطی کا اعتراف کیا اور معافی مانگی۔ سبکتگین نے شرط لگائی کہ آئندہ اس طرف دوبارہ بری نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھو گے، اطاعت کرو گے اور تاوان جنگ ادا کرو گے۔ جے پال نے بے اندازہ سونا جواہرات، دس لاکھ درہم، پچاس ہاتھی اور کئی سرحدی علاقے بطور تاوان جنگ ادا کرنے کا وعدہ کیا اور لٹا پٹا واپس آ گیا مگر شرط کے تحت اموال وصول کرنے کے لیے امیر سبکتگین کے چند قابل اعتماد ساتھیوں کو ساتھ لیا اور اپنے بڑے بڑے اسر بطور یرغمال

امیر سبکتگین کے پاس چھوڑ دیے۔ پنجاب پہنچ کر جے پال غدار نے غداری کی اور امیر کے تمام ساتھیوں کو قید میں ڈال کر لڑائی کی ایک بار پھر تیاری شروع کر دی۔ سلطان محمود غزنوی نے سچ کہا تھا کہ ابا جان ایسا نہ کرو، یہ ہندو غدار مکار اور عیار ہیں، یہ دھوکہ دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس جنگ سے جب امیر سبکتگین واپس غزنی پہنچے تو اچانک انہیں اطلاع ملی کہ راجہ جے پال نے ہندوستان کے تمام راجاؤں کو مذہبی جوش کی بنیاد پر اکٹھا کر لیا ہے اور تمام راجاؤں سے کہا گیا ہے کہ اب ہندو مذہب کو افغانوں سے شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ہندوستان کے تمام راجاؤں نے حمایت کی حامی بھری اور جے پال کی مدد کے لیے آئے۔ (تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، آج کل طالبان کی اسلامی حکومت سے انڈیا کے راجے، مہاراجے اور وزراء اسی طرح خطرہ محسوس کرتے ہیں) کالنجر، قنوج اور اجمیر کے راجاؤں نے ہر قسم کی درمے، قدمے، دامے اور سخنے مدد کی پیش کش کی اور 376 ہجری مطابق 986ء کو جے پال نے تین لاکھ افواج، سینکڑوں ہاتھیوں اور ہزاروں گھوڑوں سمیت حملہ کیا۔ غزنی کے قریب اسی میدان لمغان میں پھر حق و باطل کا ایک زبردست معرکہ قائم ہوا۔ امیر سبکتگین کو جے پال کے حملے کا اس وقت پتا چلا جب جے پال غزنی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ امیر سبکتگین نے جلدی جلدی ساٹھ ہزار کا لشکر جرار تیار کیا اور جے پال پر حملہ کیا۔ امیر سبکتگین نے اپنی تیغ خارا شگاف کے وہ جوہر دکھائے کہ جے پال اور اس کے لشکر کے قدم اکھڑ گئے اور شکست فاش کھا کر وہ پھر واپس چلے گئے۔ مال غنیمت میں اتنا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا کہ گزشتہ جنگوں کا خرچ پورا ہو گیا۔

سلطان محمود غزنوی نے ان جنگوں میں ایسے نمایاں کارنامے انجام دیے کہ بغداد کے خلیفہ قادر باللہ نے آپ کو افغانستان، سیستان اور خراسان کی حکومت کی سند عطا کی اور آپ کو یمین الدولہ اور امین السلطنت کے دو اعزازی خطابات سے نوازا۔ اس وقت محمود غزنوی کی عمر 23 برس تھی۔ اسی زمانہ میں امیر سبکتگین نے 56 سال کی عمر میں 387 ہجری میں وفات پائی اور ناصر الدین سلطان سبکتگین جیسا روشن نام تاریخ کے اوراق پر چھوڑا۔

سبکتگین کی فتوحات

سبکتگین کے دورِ حکومت میں دریائے کابل کے کنارے اور پشاور کے اطراف تک بہت سارے علاقے اسلام کے ماتحت آ گئے۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق امیر سبکتگین اسلام نافذ کر کے اطراف کے صحرانشینوں کو فرمانبردار بناتے ہوئے واپس غزنی چلے گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

سلطان محمود غزنوی کے کچھ حالات

سلطان محمود بن امیر سبکتگین کا سلسلہ مشہور عادل بادشاہ نوشیروان سے جاملتا ہے۔ آپ کی والدہ کا تعلق افغانستان کے صوبہ زابل کے ایک شریف خاندان سے تھا۔

سلطان محمود عاشورہ کی رات 357ھ بمطابق یکم نومبر 971ء کو پیدا ہوئے۔

پیدائش سے پہلے سبکتگین نے خواب دیکھا تھا کہ اس کے محل میں آتش دان سے ایک بڑا مضبوط درخت نکلا ہے اور پھر اتنا بلند ہوا کہ ساری دنیا اس کے سایہ کے نیچے آ گئی ہے۔ سبکتگین اس خواب کی تعبیر سوچ ہی رہے تھے کہ اتنے میں اطلاع آئی کہ آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ امیر کو اپنے خواب کی تعبیر مل گئی اور ان کو بڑی خوشی ہوئی اور اپنے لختِ جگر کا نام ''محمود'' رکھا اور واقعی آئندہ جا کر یہ لڑکا عالمِ دنیا اور عالم اسلام کے لیے محمود بنا۔ آپ نے مجاہدانہ زندگی گزاری۔ ہاتھ میں جہاد کی تلوار لے کر ہندوستان کو فتح کیا اور سومنات کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ عدل و انصاف کے ساتھ شریعت کی روشنی میں 35 سال تک برصغیر پر مثالی حکومت کی اور 421ھ مطابق 1030ء میں 63 سال کی عمر میں وفات پائی۔ جس رات آپ کی وفات ہوئی اس رات غزنی میں بارش ہو رہی تھی۔ رات کے وقت بارش ہی میں آپ کے جسد خاکی کو غزنی کے قصر فیروز میں دفن کیا گیا جو آج تک موجود و محفوظ ہے۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

محمود غزنوی کا قد درمیانہ تھا۔ چہرے پر چیچک کے داغ تھے، مگر جاذب اور پرکشش

شخصیت کے مالک تھے۔شہزادوں کی طرح سونا چاندی اور جواہرات سے ان کو محبت نہ تھی۔علم دوست تھے، انہوں نے غزنی سے لے کر دہلی تک سینکڑوں اسلامی مدارس اور مساجد قائم کیں۔

ایک عجیب خواب

طبقات ناصری کے حوالہ سے ''تاریخ فرشتہ'' نے لکھا ہے کہ محمود غزنوی کو تین شبہات تھے۔ پہلا شبہ اس حدیث میں تھا کہ العلماء ورثۃ الانبیاء واقعی حدیث ہے یا نہیں دوسرا شبہ اس میں تھا کہ قیامت واقعی آئے گی یا نہیں؟

تیسرا شبہ اس میں گزرتا تھا کہ واقعی امیر سبکتگین ان کا باپ ہے اور میں ان کا بیٹا ہوں؟

ایک دفعہ محمود غزنوی اپنے خاص ساتھیوں کے ساتھ شاہی شمع روشن کیے ہوئے رات کے وقت گھر سے نکل کر کہیں جارہے تھے کہ راستہ میں ان کو ایک طالب علم ملا جو مدرسہ میں بیٹھا ہوا اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔اس غریب کے پاس جلانے کے لیے روغن نہیں تھا اس لیے اندھیرے میں سبق یاد کر رہا تھا۔ جب کتاب میں دیکھنے کی ضرورت پڑتی تو قریب میں ایک ہندو کے چراغ کے پاس جاکر دیکھتا اور واپس آجاتا۔محمود کو اس طالب علم پر بہت رحم آیا تو آپ نے دو شاہی شمع دان طالب علم کے حوالے کر دی۔

رات کو خواب میں محمود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محمود سے فرمایا ''اے ناصر الدین سبکتگین کے بیٹے! قیامت میں اللہ تعالیٰ تجھے ویسی ہی عزت دیں جیسی تو نے میرے ایک وارث کی قدر کی۔'' سلطان محمود نے جب سنا تو تینوں شکوک کا جواب ان کو حضور کی طرف سے مل چکا تھا۔

سلطان محمود غزنوی کا عدل وانصاف

محمود غزنوی کے عدل وانصاف کے بہت سارے واقعات ہیں مگر تاریخ فرشتہ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، میں اس کا خلاصہ نقل کرتا ہوں:

ایک دفعہ ایک شخص محمود غزنوی کی مجلس میں آیا اور فریاد سننے کے لیے درخواست کی۔

محمود غزنوی رحمہ اللہ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا کہ میری شکایت ایسی ہے جس کے لیے تنہائی کی ضرورت ہے۔ محمود غزنوی فوراً اٹھے اور اس غریب شخص کو تنہائی میں لے گئے اور پوچھا کہ بتاؤ کیا شکایت ہے؟ اس غریب نے کہا کہ ایک عرصے سے آپ کے بھانجے نے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ وہ رات کو مسلح ہو کر میرے گھر آتا ہے اور میری پٹائی لگا کر کوڑے مارتا ہے اور مجھے میرے گھر سے نکال باہر کرتا ہے اور پھر میری بیوی سے زیادتی کرتا ہے۔ میں نے ہر امیر وزیر سے اپنی شکایت کی مگر کسی کو میری حالت پر رحم نہ آیا اور نہ کسی کو یہ جرأت ہوئی کہ یہ شکایت آپ تک پہنچا دے۔ آج مجھے موقع ملا ہے تو یہ شکایت آپ کے سامنے ہے ورنہ پھر اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد ہے۔

محمود غزنوی نے جب یہ شکایت سنی تو آپ کا پسینہ چھوٹنے لگا اور کہا کہ اتنی دیر تک یہ ظلم کیوں برداشت کیا پہلے بتا دیتے؟ اس شخص نے کہا کہ آپ تک رسائی میرے بس سے باہر تھی آج میں نے موقع پایا ہے اور دربانوں سے بچ بچا کر آیا ہوں۔ محمود غزنوی نے کہا کہ اب جب وہ ظالم آئے تو فوراً اطلاع کرو، میں اس سے نمٹ لوں گا۔ اس غریب نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ یہ دربان تو مجھے کبھی آپ سے ملنے نہیں دیں گے؟ محمود نے دربانوں کو بلایا اور کہا کہ یہ شخص جس وقت بھی میرے پاس آنا چاہے تو اس کو مت روکنا۔ اس کے بعد محمود غزنوی نے اس غریب سے کہا کہ اگر پھر بھی دربانوں نے موقع نہیں دیا تو تم فلاں جگہ چپکے سے آ کر آہستہ سے مجھے آواز دینا میں فوراً آ جاؤں گا۔ چنانچہ جب محمود کا بھانجا اس غریب کے گھر میں گھس آیا اور اس کو کوڑے لگا کر بھگا دیا اور خود گھر میں اس کی بیوی سے زیادتی کرنے لگا تو یہ غریب شخص اس جگہ پر گیا جو محمود غزنوی نے بتائی تھی اور کہا، اے بادشاہ! آپ کس کام میں مشغول ہیں؟ یہ سن کر محمود فوراً باہر آیا اور اس غریب کے ساتھ اس کے گھر گیا اور وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کا بھانجا اس غریب کے گھر میں موجود ہے اور پاس شمع جل رہی ہے۔ محمود غزنوی نے پہلے جا کر شمع کو بجھا دیا اور پھر اپنے خنجر سے اپنے بھانجے کا سر تن سے جدا کر دیا اور پھر اس غریب سے کہا اے بندہ خدا!! جلدی سے

ایک گھونٹ پانی لاکر مجھے پلا دو۔ اس نے پانی دیا تو محمود نے جلدی جلدی پی لیا اور واپس جانے لگے۔ اس غریب نے کہا، اے بادشاہ سلامت! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں مجھے یہ بتا دیں کہ آپ نے پہلے شمع کیوں بجھا دی اور پھر پانی اتنی جلدی میں کیوں مانگ لیا؟ محمود غزنوی نے کہا شمع اس لیے بجھا دی کہ بھانجے کے چہرے کو دیکھ کر حصول انصاف میں رکاوٹ نہ آئے اور پانی اس لیے مانگا کہ جب سے تمہاری مظلومیت کی داستان سنی ہے اس دن سے آج تک نہ کھانا کھایا ہے اور نہ پانی پیا ہے۔ میں نے عہد کیا تھا کہ جب تک اس غریب کو انصاف نہ دلاؤں گا اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا۔ اب تم اطمینان وسکون کی زندگی گزارو، خدا حافظ۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں جب محمود غزنوی نے حملے شروع کیے تو ہندو ان سے اس طرح ڈرتے تھے کہ اپنے بچوں کو رونے سے روکنے کے لیے یا شرارت سے باز رکھنے کے لیے کہتے تھے کہ خاموش! ورنہ محمود غزنوی آجائے گا۔

ایک دفعہ محمود غزنوی نے میدان جنگ میں ایک نوجوان ہندو لڑکے کو گرفتار کیا۔ وہ لڑکا ہوشیار بھی تھا اور ہنر مند بھی تھا۔ محمود غزنوی نے تربیت کر کے اس کو حکومت غزنی کے ایک اچھے عہدے پر فائز کیا۔ لڑکے نے جب یہ حسن سلوک دیکھا اور محمود غزنوی کے انصاف اور قدر دانی کو دیکھا تو رونے لگا۔ محمود غزنوی نے پوچھا کہ میں نے تمہیں اتنا اچھا عہدہ دیا اور پھر بھی روتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہمیں ہماری مائیں ڈراتی تھیں کہ خاموش رہو ورنہ محمود آرہا ہے۔ ہم نے سمجھا کہ محمود غزنوی کوئی وحشی ہوگا یا کوئی درندہ صفت ہوگا جو آدمیوں کو کھاتا ہوگا لیکن آج جب آپ کے حسن وسلوک کو دیکھا تو مجھے رونا آیا کہ اتنے بڑے عادل اور منصف کو لوگوں نے کس قدر بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔

ایک قصہ محمود غزنوی کا کتابوں میں لکھا ہے جو محمود غزنوی کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ایاز کا بیٹا جس کا نام محمد تھا محمود کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک محمود غزنوی نے اس سے پانی مانگا اور یوں کہا ''غلام زادے پانی لاؤ۔'' ایاز کے بیٹے نے پانی پیش کیا مگر خفا ہوا کہ بھری مجلس میں مجھے غلام زادہ کہہ دیا، آئندہ محمود کی مجلس میں نہیں جاؤں گا۔ چند دنوں کے بعد محمود غزنوی نے ایاز سے پوچھا کہ تمہارا لڑکا دربار میں کیوں نہیں آرہا؟ ایاز نے کہا کہ بادشاہ سلامت وہ ناسمجھ لڑکا ہے میں تو آپ کا غلام ہوں مگر وہ غلام زادہ کے لفظ سے ناراض ہو گیا ہے۔ محمود غزنوی نے کہا دراصل میں اس کو پانی کا حکم دے رہا تھا تو اگر میں کہہ دیتا کہ ''محمد پانی لاؤ'' تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی تھا۔ میں اس بے ادبی سے ڈر رہا تھا اس لیے میں نے غلام زادہ کہہ دیا۔ اس سے کہہ دو ناراض نہ ہو اور دربار میں آیا کرے۔

تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سلطان محمود غزنوی تمام دینی اور دنیوی خوبیوں کا مجموعہ تھے اور اپنی دلیری، شجاعت، عدل وانصاف، انتظام اور فتوحات کی بناء پر دنیا کے گوشے گوشے میں مشہور تھے۔ ان کی معرکہ آرائیوں کا اصل سبب یہ تھا کہ ان کا ارادہ ہی یہ تھا کہ اسلام اور انصاف کی برکات کو پھیلایا جائے اور ظلم وتعدی کی بنیادوں کو ڈھایا جائے۔ ان کی بہادری، جرأت مندی اور استقلال کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں سیلاب کی طرح بڑھتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ انصاف کا یہ عالم تھا کہ اطراف عالم میں ان کی انصاف پسندی کا بول بالا تھا۔

محمود کی مجلس میں بہادروں کا ایک جم غفیر جمع رہتا تھا اور علماء کی بڑی کثرت رہتی تھی۔

محمود غزنوی کی تخت نشینی

سبکتگین کی وفات کے بعد اس کے بڑے بیٹے اسماعیل نے غزنی کی حکومت پر قبضہ جمانے کی پوری کوشش کی مگر سلطان محمود نے اس کو ناکام بنا دیا اور خود غزنی کی حکومت پر سلطان محمود 27 سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے اور 35 سال تک آپ نے کامیاب

حکومت کی۔ ابتداء میں آپ مشکل حالات سے دوچار ہوئے کیونکہ غزنی کے ایک طرف کاشغر میں ایلخانی خاندان کے مسلمانوں کی حکومت تھی تو دوسری طرف بخارا میں سامانیوں کی حکومت تھی، تیسری طرف ویلیوں اور طبرستان کے آل زیاد کی حکومت تھی تو چوتھی طرف غوریوں کی حکومت تھی۔ ان میں سے ہر حکومت چاہتی تھی کہ غزنی کا تخت اس کی حکومت کے ماتحت آجائے۔ ہر حکومت غزنی کی طرف ٹپکنے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ تاہم محمود غزنوی نے نہایت دلیری اور ہوشیاری سے ان داخلی شورشوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور نہایت استقلال وسکون کے ساتھ حکومت کرنے لگے۔ محمود کی ان جرأتوں کو دیکھ کر بغداد کے خلیفہ القادر باللہ عباسی نے بطور اعزاز آپ کو ایک جوڑا عطا کیا اور امین الملت اور یمین الدولۃ کا خطاب دیا

زور بازو آزما شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملے

جنگ کا پہلا مرحلہ:

سلطان محمود غزنوی نے عہد کیا تھا کہ وہ جب امور سلطنت کے سنبھالنے سے فارغ ہوجائے تو وہ ہندوستان کے غدار ہندوؤں سے جہاد کر کے ثواب کمائے اور ہر سال خاص موسم میں ہندوؤں سے معرکہ آرائی کرے گا۔ ادھر جے پال نے خیال کیا کہ محمود چونکہ نوعمر نوجوان ہے، ناتجربہ کار بھی ہے اور طالع آزماؤں اور حریصوں کی نظروں میں محصور ہے، لہذا یہ نہایت مناسب وقت ہے کہ اس پر حملہ کیا جائے اور گزشتہ جنگوں کی خفتیں مٹادی جائیں کیونکہ اس وقت محمود غزنوی مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ چنانچہ 391ھ مطابق 1001ء میں جے پال اپنی فوج کے ساتھ بڑے کروفر اور شان وشوکت سے غزنی پر حملہ آور ہوا اور اس مرتبہ جے پال کے ساتھ بارہ ہزار شہسوار فوج تھی، بتیس ہزار پیدل ٹڈی دل لشکر تھا اور تین سو دیوہیکل جنگی ہاتھی تھے۔ محمود غزنوی بھی اپنی دس ہزار افواج اسلامیہ کے

ساتھ پشاور کی طرف مقابلہ کے لیے نکل آئے۔

8 محرم 392ھ کو پیر کے روز دونوں حکمرانوں کے لشکر معرکہ حق و باطل کے میدان کارزار میں اتر آئے اور گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ فریقین بڑی بے جگری سے لڑے اور دونوں طرف سے دلیر نوجوانوں نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ آخر حق غالب آیا اور باطل مغلوب ہوا۔

جے پال کی فوج نے شکست کھائی اور ایسی بری طرح شکست کہ پانچ ہزار ہندو سورما مارے گئے اور باقی ایسے بھاگے کہ لاہور تک پیچھے مڑ کر کسی کو دیکھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ لطف یہ کہ خود راجہ جے پال اپنے پندرہ بڑے کمانڈروں سمیت گرفتار ہوگیا۔ اس معرکہ میں لشکر اسلام کو بہت زیادہ مال غنیمت بھی ہاتھ لگا۔ آپ یہ سن کر حیران ہو جائیں گے کہ اس معرکہ میں محمود غزنوی کو ہندو افسروں کے گلوں سے جو قیمتی 16 ہار ملے تھے ان میں سے ہر ایک ہار کی قیمت ایک لاکھ اسی ہزار دینار یا اس سے زیادہ تھی۔ ادھر گرفتار شدگان کی بھی بہت بڑی تعداد تھی محمود غزنوی نے پشاور کے قریب ''پہنده'' کے قلعہ کو بھی فتح کر لیا اور اطراف کے سرکشوں سے علاقہ کو صاف کیا۔

راجہ جے پال نے نہایت عجز و انکساری کے ساتھ معافی کی ایک بار پھر درخواست کی اور کہا کہ زندگی بھر احسان مند رہوں گا، جزیہ ادا کروں گا اور پنجاب کو غزنوی سلطنت کا صوبہ تصور کروں گا۔ محمود غزنوی چونکہ بہادر اور دلیر حکمران تھے کہ انہوں نے کہا، ٹھیک ہے۔ اس لیے یہ کہہ کر راجہ جے پال اور اس کے ساتھیوں کو آپ نے شرائط کے تحت رہا کر دیا اور راجہ جے پال واپس لاہور پہنچ گیا۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ جب ایک بادشاہ دشمن سے دو دفعہ شکست کھا لے تو وہ اس قابل نہیں رہتا کہ وہ اس کے بعد حکمرانی کرے بلکہ اس جرم کی سزا صرف یہ ہے کہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں کود کر خود سوزی کرے۔ چنانچہ جے پال نے اس سزا پر عمل کیا اور اپنے بیٹے انند پال کو ولی عہد بنا کر جلتی آگ میں چھلانگ لگا کر مردار ہوگیا۔ مرنے سے پہلے جے

پال نے اپنے بیٹے سے کہا کہ آئندہ محمود غزنوی یعنی افغانوں سے کبھی ٹکر لینے کی کوشش نہ کرو۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ وہ وصیت اب بھی کارآمد ہے اور آج کل کے بھارتی لیڈروں کو چاہیے کہ وہ طالبان کی دشمنی سے باز آئیں ورنہ انجام جے پال جیسا ہوگا۔ نیز یہ واقعہ ہمارے بے حس حکمرانوں کے لیے بھی تازیانۂ عبرت ہے کہ شکست پر شکست کھاتے ہیں اور ٹس سے مس تک نہیں ہوتے۔ خصوصاً یاسر عرفات وغیرہ بے حمیت قسم کے لیڈر ورنہ مسلمانوں کی تو یہ شان ہے کہ

سکھایا ہے ہمیں اے دوست طیبہ کے والی نے
کہ بوجھلوں سے ٹکرا کر ابھرنا عین ایماں ہے
جہاں باطل مقابل ہو وہاں نوکِ سناں سے بھی
برائے دین اسلام رقص کرنا عینِ ایماں ہے

بھاٹیہ کا معرکہ جنگ کا دوسرا مرحلہ:

بھاٹیہ ملتان کے قریب ایک جگہ کا نام تھا۔ یہ جگہ اس وقت کے ہندو راجہ ''بجے راؤ'' کی دارالسلطنت تھی۔ اس جگہ جو معرکہ ہوا اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ محمود غزنوی نے جہاد کا پکا ارادہ کیا تھا۔ افغانستان کے اندر کے حالات سے جب آپ مکمل طور پر فارغ ہوئے تو آپ نے ہندوستان کا رخ کیا۔ غزنی سے چل کر آپ 395 ہجری میں بھاٹیہ تک پہنچ گئے۔ بھاٹے ہ کی فصیل اور شہر پناہ بے حد محفوظ و مضبوط تھی اور پورے شہر کے اردگرد خندق کھدی ہوئی تھی۔ بھاٹیہ کا حکمران ''بجے راؤ'' تھا، یہ شخص اپنی طاقت پر بہت مغرور تھا اور نہ تو مسلمانوں کو خاطر میں لاتا تھا اور نہ ہندوستان کے راجاؤں کو کچھ سمجھتا تھا۔ جب سلطان محمود غزنوی اپنی افواج کے ساتھ بجے راؤ کی طرف بڑھنے لگے تو بجے راؤ نے بھی اپنی بھاری فوج کو میدان میں مقابلہ کے لیے اتار دیا۔ جنگی ہاتھیوں کا ایک سیلاب میدان جنگ میں رینگتا ہوا آیا۔ تین دن تک فریقین مسلسل لڑتے رہے اور ہر ایک غلبہ کے لیے سرتوڑ کوششیں کرتا رہا مگر جنگ کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ افواج اسلامیہ میں کمزوری کے آثار پیدا ہوگئے اور عین ممکن تھا کہ

ہندو غالب آجاتے کہ اتنے میں محمود غزنوی نے عام اعلان کیا کہ کل ''سلطانی جنگ'' ہوگی یعنی بوڑھے نوجوان چھوٹے بڑے سب لڑنے کی غرض سے میدان میں آئیں گے۔ بجے راؤ کو جب اس کا پتا چلا تو وہ پریشان ہوکر مندر چلا گیا اور اپنے معبودوں سے مدد مانگنا شروع کی اور پھر فوج کو مسلح کر دیا اور بڑی شان وشوکت سے مقابلہ پر آگیا۔ زبردست جنگ ہوئی، مسلمانوں نے بیک وقت بجے راؤ کی فوج میمنہ ومیسرہ پر حملہ کر دیا، صبح سویرے سے لے کر غروب آفتاب تک جوانوں اور بہادروں نے جواں مردی کے جوہر دکھائے کہ تلواریں ٹوٹ گئیں اور گردنیں گر گئیں، نیزے سانپوں کی طرح حرکت کر رہے تھے اور انسانی اعضاء بکھرے پڑے تھے مگر میدان کا نقشہ جوں کا توں تھا دونوں فریق آمنے سامنے ڈٹے ہوئے صف آراء تھے۔

سلطان محمود نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنے رب کی طرف متوجہ ہوکر گڑ گڑائے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے عاجزی کے ساتھ دعا مانگی اور پھر اپنے خصوصی دستے کے ساتھ ہندوؤں کے قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا زبرست تھا کہ ہندو اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور ان کا لشکر تتر بتر ہوکر بھاگنے لگا۔ راجہ بجے راؤ اپنا شکست خوردہ لشکر لے کر قلعہ میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔ سلطان محمود نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور خندق پاٹنے کا حکم دے دیا۔ جب بجے راؤ نے محسوس کیا کہ اب بچ نکلنے کی صورت نہیں تو اس نے اپنی افواج کو مسلمانوں کے محاصرے میں چھوڑ دیا اور خود اپنے چند افسروں کے ساتھ فرار ہوگیا۔ اس نے دریائے سندھ کے قریب کسی جنگل میں جا کر پناہ لی اور عام آنکھوں سے چھپ گیا۔ محمود غزنوی کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے لشکر اسلام کا ایک دستہ بجے راؤ کی تلاش میں روانہ کر دیا۔ اسلام کے یہ شاہین اس جنگل پر چار اطراف سے جھپٹ پڑے جہاں بجے راؤ چھپا ہوا تھا۔ بجے راؤ نے جب دیکھا کہ اسلام کے شاہین اب کفر کے ممولوں پر جھپٹ پڑے ہیں اور جان بچانا آسان نہیں تو اس نے اپنے ہی خنجر سے اپنا قصہ تمام کر دیا اور مسلمان سپاہیوں نے جا کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور محمود غزنوی کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ راقم الحروف نے کہا:

من عهد عاد كان معروفا لنا
اسر الملوك و قتلها و قتالها

یعنی بادشاہوں سے لڑنا اور انہیں قید وقتل کرنا قدیم زمانے سے ہمارے جانے پہچانے کارنامے ہیں۔

اس معرکہ میں اموال غنائم میں 280 جنگی ہاتھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور بھاٹیہ اور اس کے مضافات پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ باطنیہ اور قرامطی وغیرہ منافق قسم کے لوگ بھی جڑ سے اکھڑ گئے اور مفسدین کا خاتمہ ہو گیا۔

محمود غزنوی ملتان میں جنگ کا تیسرا مرحلہ:

امیر سبکتگین کے وقت سے ملتان کا فرمانروا غزنی حکومت کا باج گزار تھا لیکن جب محمود غزنوی نے بھاٹیہ پر چڑھائی کی تو ملتان کے حاکم نے محمود غزنوی کے خلاف بھاٹیہ کے حاکم کی بڑی مدد کی۔ بھاٹیہ کی مہم سے جب محمود غزنوی فارغ ہوئے تو آپ نے ملتان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ اس کو مستقل طور پر غزنی کی حکومت میں شامل کر لیں۔ چنانچہ سلطان محمود نے دشوار گزار راستوں سے سفر کر کے ملتان پر حملہ کیا مگر لاہور کا بدباطن حاکم راجہ انند پال محمود کے راستوں میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگا اور اس نے کھل کر ملتان کے حاکم کی مدد واعانت کی اور اپنا معاہدہ بھول بیٹھا۔ لشکر اسلام نے پہلے انند پال سے مقابلہ کیا اور اس کی فوجوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ خود انند پال جان بچانے کی فکر میں کشمیر کی طرف بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ لشکر اسلام نے کچھ تعاقب کیا مگر محمود غزنوی نے کشمیر تک تعاقب کرنے سے منع کر دیا اور پوری فوج کو ملتان کے غدار حاکم کی طرف متوجہ کیا جو تمام سازشوں کا گڑھ تھا۔ ملتان کے حاکم نے جب دیکھا کہ ہندوستان کا اتنا بڑا راجہ انند پال لشکر اسلام کا مقابلہ نہ کر سکا تو میں کیا مقابلہ کروں گا، اس لیے اس نے صلح کی پیش کش کی آٹھ دن کے محاصرہ کے بعد محمود غزنوی نے اس سے مذاکرات کیے۔ اس نے معافی مانگی اور سالانہ دس ہزار دینا بطور ٹیکس قبول کر لیا اور صلح مکمل ہو گئی۔ سلطان محمود غزنوی واپس

غزنی چلے گئے اور افغانستان کے اندر کئی جگہ شورشوں کی سرکوبی کی طرف متوجہ ہوئے ایلک خان کی بغاوت کو بڑی جنگ کے بعد کچل دیا، بادشاہ چین بھی ایلک خان کی مدد کے لیے آیا تھا مگر محمودی افواج نے سب کو عبرت ناک شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

انند پال سے معرکہ جنگ کا چوتھا مرحلہ:

انند پال نے اگرچہ ٹیکس قبول کیا تھا مگر وہ مسلسل غزنی حکومت کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں لگا ہوا تھا۔ سکھوں کو ابھارتا تھا، قرامطیوں کی ایک بڑی سازشی قوت پنجاب میں موجود تھی اس کو ہر وقت غزنی حکومت کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا، اس لیے محمود غزنوی نے 399ھ میں لشکر جرار تیار کر کے ہندوستان پر حملہ کر دیا، یہ خبر سن کر انند پال پریشان ہوا، اس لیے اس نے ہندوستان کے تمام راجاؤں سے مدد کی اپیل کی۔ چونکہ ہندو مذہب کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ مسلمانوں سے لڑنا ہندوؤں کے لیے سب سے بڑا کار ثواب ہے اس لیے گوالیار، اجین، کالنجر، قنوج، دہلی اور اجمیر کے راجاؤں کے علاوہ دوسرے راجاؤں نے بھی انند پال کی مدد کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھا اور لشکر کے دستوں پر دستے پنجاب کی طرف روانہ کر دیے کئی لاکھ انسانوں پر مشتمل یہ لشکر انند پال کی ماتحتی میں پشاور کی طرف روانہ ہوا اور پشاور کے اطراف میں محمود غزنوی کے لشکر سے جا ٹکرایا۔ چالیس دن تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن تھیں لیکن کسی طرف سے جنگ کا آغاز اب تک نہیں ہوا تھا۔ ہندوؤں کا لشکر روز بروز بڑھتا چلا جا رہا تھا اور ان کو مسلسل نئی کمک پہنچ رہی تھی یہاں تک کہ کھکر کے وحشی ہندوؤں کی فوج بھی آ پہنچی جس نے نیا تہلکہ مچا دیا۔ کھکر راجپوتوں کو کہتے ہیں۔ مسلم دشمنی میں ہندو عورتوں نے اپنے زیورات بیچ کر فوج کی مالی مدد کی۔ جن کے پاس زیورات نہیں تھے انہوں نے چرخہ کات کر روپیہ پیسہ فوج کی مدد کے لیے روانہ کر دیا۔

سلطان محمود غزنوی کو جب معلوم ہو گیا کہ اس دفعہ ہندوؤں نے جان ہتھیلی پر رکھ لی ہے تو آپ نے ذرا احتیاط سے کام لیا اور لشکر کی دونوں طرف خندقیں کھودنے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد محمود غزنوی نے جنگ کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے لشکر اسلام داؤ پیچ کے ذریعے

سے ہندوافواج کو اپنی افواج کے قریب لے آئے پھر جب جنگ شروع ہوئی تو کھکر کے وحشی ہندو قبائل کا تیس ہزار کا لشکر خندقیں پاٹ کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ ننگے بدن اور ننگے سر یہ وحشی تلواروں، بھالوں اور تیروں سے لیس ہر کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ تین ہزار مسلمان شہید ہو گئے اور محمود غزنوی کو اس دن جنگ روکنا پڑی اور لشکر اسلام بھاری نقصان اٹھا کر اپنے خیموں میں واپس جانے لگا۔ عین واپسی کے وقت اچانک انند پال کا ہاتھی گولہ بارود کی آوازوں سے بدکنے لگا اور بدک کر بھاگنے لگا۔ ہندو لشکر نے یہ سمجھ لیا کہ مسلمانوں کے خوف سے انند پال بھاگ گیا ہے اور کوئی سخت حملہ ہوا ہے۔ بس یہ رعب پڑنا تھا کہ ہندو فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہندوؤں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بھاگنے لگے مسلمانوں نے پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا۔ اب ہندو مسلسل بھاگ رہے ہیں اور مسلمان انہیں مار رہے ہیں۔ آٹھ ہزار ہندو میدان میں مردار ہو گئے اور کثیر تعداد میں مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ گئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا۔

زندگی کیفی اسی حسن عمل کا نام ہے
کفر کو نابود حق کو جاوداں کرتے چلو

غزنوی کا نگرکوٹ پر حملہ:

اس عظیم فتح کی وجہ سے الحمدللہ محمود غزنوی کے حوصلے اور بلند ہو گئے اور انہوں نے لشکر اسلام کو حکم دیا کہ نگر کوٹ پر حملہ کر دو اور جا کر وہاں کے مشہور مندر کو مسمار کر و اور پورے علاقے پر اسلام کا پرچم لہرا دو۔

نگر کوٹ کا قلعہ "قلعہ بھیم" کے نام سے مشہور تھا۔ یہ قلعہ راجہ بھیم کے زمانہ میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گیا تھا اور یہ ہندو قوم کے بتوں کا سب سے بڑا گڑھ تھا۔ دنیا کے تمام راجے ہر قسم کی قیمتی اشیاء بطور نذر یہاں بھیجا کرتے تھے اور چاروں طرف سے سونے چاندی کے خزانے یہیں آ کر جمع ہوتے تھے اور ہندو دنیا میں سونے جواہرات اور چاندی موتیوں کے ڈھیر اس سے زیادہ کہیں نہ تھے۔ اس قلعہ کے محافظین اتنے بہادر نہ تھے بلکہ

بہادر سپاہیوں سے یہ قلعہ خالی تھا کیونکہ یہاں برہمن قوم آباد تھی۔ محمود غزنوی کی افواج نے مہلت دیے بغیر اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ برہمن لوگ مرعوب ہو گئے اور تین دن کے محاصرے کے بعد انہوں نے قلعے کا دروازہ غزنوی افواج کے لیے مجبوراً کھول دیا اور خود انہوں نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر جان بخشی کی درخواست پیش کی۔ محمود غزنوی نے ان کو معاف کیا اور اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اس قلعہ سے لشکر اسلام کو بے حساب مال غنیمت ملا سات لاکھ دینار نقد، سات سو من سونے اور چاندی کے اوزار، دو سو من خالص سونا، دو ہزار من خالص چاندی اور راجہ بھیم کے زمانے کے رکھے ہوئے بیس من مختلف قسم کے جواہرات ملے۔ یہ سب اموال غنائم لے کر محمود غزنوی فاتح کی حیثیت سے واپس غزنی چلے گئے۔ اور وہاں مسلمانوں کے سامنے ان تمام اشیاء کی نمائش کی اور پھر شرعی طریقے سے مسلمانوں پر یہ اموال تقسیم کر دیے۔

معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

محمود غزنوی کا تھانیسر پر حملہ جنگ کا پانچواں مرحلہ:

سلطان محمود غزنوی محض جنگ برائے جنگ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ جہاد برائے اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ دل و دماغ میں رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ایک بار پھر جہاد کا علم بلند کیا اور ہندوستان کے مشہور شہر تھانیسر پر حملہ کا ارادہ کرلیا۔ تھانیسر ہندوؤں کے ہاں اتنا ہی مقدس تھا جتنا کعبہ مسلمانوں کے ہاں ہے کیونکہ تھانیسر میں بہت بڑا بت خانہ تھا، گویا یہ شہر بتوں کا مرکز تھا۔ یہاں کے سب سے بڑے بت کا نام ''جگ سوم'' تھا۔ ہندوؤں کا اس کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ جب سے دنیا بنی ہے جگ سوم بھی اسی وقت سے چلا آرہا ہے۔ 402ھ میں محمود غزنوی نے اس بت خانہ کو مسمار کرنے کا ارادہ کیا اور غزنی سے چل کر پنجاب پہنچا۔ پنجاب میں راجہ انند پال سلطان محمود کا باج گزار تھا۔ محمود غزنوی نے اسے لکھا کہ تھانیسر تک پہنچنے کے لیے قابل اعتماد رہبروں کی ضرورت ہے۔ راستے دشوار گزار ہیں

اور آپ سے ہمارا معاہدہ ہے لہٰذا آپ اس سلسلہ میں ہماری مدد کریں۔ انند پال نے اس درخواست کو بخوشی قبول کر لیا مگر اپنی طرف سے یہ شرط رکھی کہ تھانیسر کا مندر اور بت خانہ محفوظ رہے کیونکہ یہ شہر والوں کی بڑی عبادت گاہ ہے۔ اگرچہ بت خانہ مسمار کرنا مسلمانوں کے لیے ثواب کا کام ہے مگر یہ ثواب نگر کوٹ کے بت خانہ میں آپ نے کما لیا ہے۔ اس کے عوض آپ جو چاہیں گے ہم دینے کے لیے تیار ہیں مگر تھانیسر کا بت خانہ مسمار نہ کریں۔ محمود غزنوی نے جواب دیا کہ جب جہاد سے ہمارا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور دنیا سے بت پرستی ختم کرنا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تھانیسر جیسے بت پرستی کے مرکز کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ جواب جب دہلی کے راجہ تک پہنچا تو وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں آ گیا اور پورے ہندوستان میں مشہور کرا دیا کہ غزنوی لشکر کا راستہ اگر نہ روکا گیا تو سب چھوٹے بڑے اس سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے اور پورا ہندوستان تباہ ہو جائے گا اس لیے سب پر لازم ہے کہ سب مل کر سلطان محمود کا مقابلہ کریں۔ ادھر ہندوؤں کے مشورے ہو رہے تھے اور ادھر محمود غزنوی طوفان کی طرح یلغار کرتے ہوئے تھانیسر پہنچ رہے تھے۔ شہر کے لوگ مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے اس لیے شہر خالی تھا اور لشکر اسلام محمود غزنوی کے اسلامی جھنڈے کے نیچے شہر میں داخل ہو گیا۔ محمود غزنوی نے تمام بتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا اور بڑے بت جگ سوم کو غزنی بھجوا دیا اور حکم دیا کہ اس بت کو وہاں راستے میں ڈال دو تا کہ ہر گزرنے والا اس کو پاؤں کی ٹھوکر مار کر گزرے۔ تھانیسر کے مندر سے محمود غزنوی کو یاقوت کا ایک سرخ ٹکڑا مل گیا جس کا وزن 450 مثقال تھا جو تاریخی اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھا۔ محمود غزنوی نے دہلی پر حملہ کا ارادہ کیا مگر اہل شوریٰ نے آپ کو منع کر دیا کہ اب تک پنجاب کے کچھ حصے باقی ہیں۔ اس پر محمود غزنوی فاتحانہ انداز سے واپس غزنی چلا گیا اور تقریباً دو لاکھ لونڈیاں اور غلام اپنے ساتھ لایا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ غزنی کا بازار ان لوگوں کی وجہ سے ہندوستان کا کوئی شہر لگ رہا تھا۔ محمود غزنوی جب غزنی آئے تو آپ نے بغداد کے خلیفہ القادر باللہ عباسی سے خط

وکتابت بھی کی اور خلیفہ کی طرف سے محمود غزنوی کو اچھے کلمات سے یاد بھی کیا گیا اور پورا خراساں محمود کے حوالہ ہو گیا۔

نندونہ کے قلعہ پر حملہ

404ھ میں سلطان محمود نے بانات کے مشہور قلعہ نندونہ پر حملہ کر دیا۔ اس وقت راجہ انند پال کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا لاہور کا راجہ مقرر ہو چکا تھا۔ اس کو جب محمود غزنوی کی آمد کا پتا چلا تو اس نے قلعہ اپنے معتمد افسروں کے حوالہ کیا اور خود کشمیر کی طرف بھاگ کر چھپ گیا۔ محمود نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اندر داخل ہونے کی مختلف تجویزیں سوچتے رہے جس میں کافی تاخیر ہو گئی لیکن آخر کار اہل قلعہ نے مجبوراً ہتھیار پھینک دیے اور جان کی امان طلب کی۔ محمود نے فوراً قلعہ پر قبضہ کر لیا اور اپنے ایک معتمد کو اس کا والی بنا کر خود کشمیر کی طرف انند پال کے بیٹے کے تعاقب میں چل پڑا۔ اس نے جب دیکھا کہ محمود وادی کشمیر میں بھی آ رہا ہے تو وہ وہاں سے بھاگ گیا۔ محمود نے وادی پر قبضہ کر لیا۔ بہت لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اور بہت مال غنیمت حاصل ہوا۔ محمود غزنوی خوش وخرم واپس غزنی چلے گئے۔

محمود غزنوی وادئ کشمیر میں

406ھ کو محمود غزنوی نے کشمیر فتح کرنے کا ارادہ کیا اور کشمیر کی حدود میں پہنچ کر اس نے ''لوہ کوٹ'' کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ اس قلعہ کے بارے میں بہت مشہور تھا کہ اسے کوئی فتح نہیں کر سکتا کیونکہ یہ قلعہ بہت بلندی پر تھا اور نہایت مضبوط بھی تھا، اس لیے لشکر اسلام کو اس قلعہ کے فتح کرنے میں کافی دیر لگی۔ اس دوران برف باری بھی شروع ہو گئی، سردی کی وجہ سے سب کے احوال دگرگوں ہو گئے۔ ادھر اہل کشمیر کو مرکز سے مدد بھی پہنچی۔ ان وجوہات کی بناء پر محمود غزنوی نے قلعے کا محاصرہ اٹھا لیا مگر واپسی میں راستہ بھول گئے اور ایسے غلط راستے چل پڑے جہاں گہرا پانی تھا۔ اس میں بہت سے مجاہدین گر کر شہید ہو گئے۔ ہمت بہر حال زندہ و تابندہ تھی تو ان تاریخی مشکلات سے نکل آئے۔

اہل خوارزم سے جنگ

407ھ میں محمود غزنوی کو اطلاع آئی کہ خوارزم نے بغاوت کی ہے اور وہاں کے مقامی گورنر کو قتل کر دیا ہے اور سلطان محمود غزنوی اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے اپنی فوج کے ساتھ خوارزم کی سرحد حضر بند پہنچ گئے اور ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ ایک دن فجر کی نماز میں محمود غزنوی اپنے لشکر کے ساتھ عبادت میں مشغول تھے کہ دشمن نے حملہ کر دیا۔ اہل خوارزم کے بڑے جرنیل کا نام خمار تاش تھا، وہ اچانک اپنی فوج کے ساتھ کمین گاہ سے باہر آیا اور حالت نماز میں مسلمانوں پر حملہ کر کے قتل کرنا شروع کر دیا۔ سلطان محمود جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ایک لشکر جرار تیار کر کے خمار تاش کے پیچھے دوڑا دیا۔ خمار تاش کی فوج نے شکست کھائی اور وہ بد بخت خود گرفتار ہو کر محمود کے سامنے لایا گیا۔ محمود غزنوی نے اسے قید میں رکھا اور بقیہ فوج کا تعاقب کیا اور دریائے جیحوں کے کنارے ہزار اسپ قلعہ کا محاصرہ کیا جہاں خمار تاش کی شکست خوردہ فوج جمع تھی۔ اس قلعہ کے قریب دونوں فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی۔ آخر کار حق کی فوج غالب آئی اور باطل مغلوب ہوا، اہل خوارزم کا دوسرا سپہ سالار بھی گرفتار ہوا اور محمود غزنوی نے اس شر اور فساد کو جڑ سے اکھاڑ کر ختم کر دیا اور واپس غزنی آ گئے

پھولوں سے کبھی کام بنا ہے نہ بنے گا
کانٹوں کی زباں خونِ جگر مانگ رہی ہے

سلطان محمود غزنوی کا قلعہ قنوج پر حملہ

سردیوں کا موسم رخصت ہو چکا تھا، موسم بہار کی آمد آمد تھی، ہوا میں اعتدال آ چکا تھا اور چاروں طرف زمین سرسبز و شاداب ہو چکی تھی۔ وہ وقت بھی آ گیا تھا جس میں محمود غزنوی نے ہر سال اہل باطل اور ہندو بت پرستوں سے جہاد کرنے کا عہد اپنے رب کریم سے کیا تھا۔ اسی عہد کے پیش نظر محمود غزنوی نے قنوج پر چڑھائی کا فیصلہ کیا۔ آپ نے اس دفعہ اپنے ساتھ ایک لاکھ کا لشکر لیا اور بیس ہزار عام مسلمانوں سے رضا کار لے کر قنوج کی طرف

روانہ ہوئے۔ خالص جہاد کی نیت سے ترکستان، خراسان اور ماوراء النہر کے آئے ہوئے شیر دل نوجوان آپ کے ساتھ تھے جو ایک عرصہ سے اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ کب قنوج پر حملہ ہوگا اور ہم ہندوؤں سے جہاد کریں گے۔

تاریخ کی آنکھوں نے پہلی دفعہ یہ منظر دیکھا کہ کسی غیر ہندوستانی قوم نے "قنوج" پر حملہ کیا ہو۔ محمود غزنوی پہلا شخص ہے جو ہندوؤں کے اس جگر کو چیر کر اندر جا کر بیٹھ گیا۔

غزنی سے قنوج تک تین ماہ کا دشوار گزار راستہ ہے۔ راستے میں سات بڑے دریا پڑتے ہیں جنہیں عبور کرنا پڑتا ہے۔ یہ سفر کر کے جب محمود غزنوی کشمیر کی حدود میں داخل ہوئے تو والئی کشمیر نے محمود غزنوی کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور پھر اپنے لشکر کے ساتھ خود محمودی لشکر میں شامل ہو گیا۔ لشکر اسلام جب قنوج پہنچا اور قلعے کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ قلعہ اپنی مضبوطی، بلندی اور حفاظت کے لحاظ سے پورے ہندوستان میں اپنی نظیر آپ ہے۔ "قنوج" کے راجہ کا نام "کورہ" تھا۔ اگرچہ یہ سخت جان اور دلیر راجہ تھا۔ اس کی قوت بھی بہت تھی مگر اس نے جب محمودی لشکر کو دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے اور اس نے اندازہ کر لیا کہ محمود کا مقابلہ اس کے بس میں نہیں ہے، اس لیے اس نے قاصد بھیج کر اطاعت کا پیغام محمود غزنوی تک پہنچا دیا۔ محمود غزنوی نے اس کی جان بخشی فرمائی اور اس کو اپنے فرمانبرداروں میں شامل کر لیا۔

تاریخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ اہل تاریخ نے لکھا ہے "راج کورہ" مشرف بہ اسلام بھی ہوا۔ بعض اہل تاریخ نے یہاں کے راجہ کا نام راج پال لکھا ہے جس نے پانچ لاکھ پیادہ فوج اور تیس ہزار سواروں کو مقابلہ پر میدان میں اتارا مگر شکست کھا گیا اور خود گرفتار ہوا اور پھر محمود نے ٹیکس لگا کر اسے رہا کر دیا جس کو ہندوؤں نے راجہ پال کے لیے عار تصور کیا۔

زندگی کیفی اسی حسنِ عمل کا نام ہے
کفر کو نابود حق کو جاوداں کرتے چلو

قلعہ قنوج میں محمود غزنوی نے تین دن قیام کیا اور پھر ہندوستان کے مختلف قلعوں کی طرف طوفان کی طرح یلغار کرتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ ایک لاکھ بیس ہزار کا یہ لشکر جرار ایسا نہیں تھا کہ کوئی لشکر اس کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ محمود غزنوی نے قلعہ میرٹ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور اس کا راجہ جنگل کی طرف بھاگ نکلا۔

قلعہ مہاون کی فتح

محمود غزنوی نے جب میرٹ کا قلعہ فتح کیا تو اس کے بعد فوراً آپ قلعہ مہاون کی طرف چل پڑے۔ یہ قلعہ دریائے جمنا کے کنارے پر واقع تھا اور اس کے راجہ کا نام گل چند تھا۔ اس نے جب سنا کہ محمود غزنوی یلغار کرتے ہوئے آ رہے ہیں تو وہ اپنے خاص ہاتھی پر سوار ہو گیا۔ وہ دریا سے پار نکل ہی رہا تھا کہ لشکر اسلام کے سپاہی سر پر آ پہنچے۔ یہ دیکھ کر گل چند نے اپنے ہی خنجر سے اپنے بیوی بچوں کو مار ڈالا اور پھر یہی خنجر اپنے پیٹ میں گھونپ دیا اور مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

شہر متھرا کی فتح

محمود غزنوی جب مہاون وغیرہ قلعوں سے فارغ ہوئے تو آپ شہر متھرا کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ نے یہ سن رکھا تھا کہ اس علاقے میں متھرا کے نام سے ایک شہر آباد ہے جو سری کرشن کی جنم بھومی ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک کرشن خدا کے اوتار ہیں، اس لیے شہر متھرا اپنی آبادی، دولت اور فن تعمیر میں اپنی مثال آپ تھا۔ دنیا کے عجائبات سے یہ شہر بھرپور تھا جن کا بیان کرنا بس میں نہیں ہے۔ محمود غزنوی نے جب اس شہر پر حملہ کیا تو باوجود کہ دہلی کے حکمران اس کے محافظ تھے مگر وہ محمود کے لشکر کے مقابلے پر نہیں آئے لہٰذا محمود غزنوی بغیر کسی روک ٹوک کے اس شہر پر قابض ہو گئے اموال کو غنیمت میں شامل کیا اور شہر کے تمام بت خانوں کو توڑ ڈالا۔ محمود غزنوی خود حیران ہو گئے تھے کہ اس طرح محلات کیسے بنائے گئے ہیں۔ چنانچہ غزنی میں ایک معتمد خاص کو جب محمود غزنوی نے خط لکھا تو اس شہر کی اس طرح منظر کشی فرمائی:

محمود غزنوی کا خط

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد: اس شہر متھرا میں ایک ہزار بلند ترین محل ہیں جن میں سے زیادہ تر سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں اور مندر تو اتنی تعداد میں ہیں کہ میں انہیں توڑتے توڑتے تھک گیا ہوں لیکن ان کا شمار نہیں کر سکا۔ اگر کوئی اس طرح عمارت بنانا چاہے تو ممکن ہے کہ بڑے ماہر کاریگروں کے ذریعہ سے ایک لاکھ دینار دے کر دو سو سالوں میں یہ کام انجام دے سکے گا۔ فقط والسلام

مؤرخین کا بیان ہے کہ بے شمار مال غنیمت کے علاوہ پانچ سونے کے بنے ہوئے بت بھی تھے جن کی آنکھوں میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ ان کی قیمت پچاس ہزار دینار بتائی گئی تھی۔ ان بتوں میں سے ایک بت میں ازقی یاقوت کا ایک خاص ٹکڑا بھی جڑا ہوا تھا جس کا وزن چار سو مثقال تھا۔ جب یہ بت پاش پاش کیا گیا تو 98300 مثقال سونا اس سے برآمد ہوا۔ ان پانچ سونے کے بتوں کے علاوہ سو بت اور بھی تھے جو چھوٹے چھوٹے تھے اور چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ ان کو توڑ کر اتنی چاندی برآمد ہوئی جو ایک سو اونٹوں پر لادی گئی 20 دن قیام کے بعد محمود غزنوی شہر متھرا سے بغرض جہاد آگے بڑھنے لگے۔

سات قلعوں کی فتح

محمود غزنوی کو جب معلوم ہو چلا کہ شہر متھرا کے قریب ہی دریا کے کنارے سات ایسے قلعے آباد ہیں جو مضبوطی اور بلندی کے لحاظ سے بہت اہم ہیں تو یہ خبر پاتے ہی محمود ان قلعوں کی طرف متوجہ ہوئے اور بغیر کسی مزاحمت کے ان قلعوں کو فتح کیا اور اموال غنائم سنبھال کر اسلامی جھنڈا ان پر لہرا دیا۔

قلعہ منج کی فتح

سات قلعوں کی فتح سے فارغ ہو کر محمود غزنوی قلعہ منج کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ قلعہ نہایت بہادر سپاہیوں کے ہاتھ میں تھا۔ لشکر اسلام نے اس کا محاصرہ کیا اور پندرہ دن تک

محاصرہ جاری رکھا۔ محمود غزنوی نے اس کا محاصرہ اتنا تنگ کیا کہ اہل قلعہ کے لیے زندگی گزارنا مشکل ہوگئی۔ اس لیے ان میں سے بعض نے قلعہ سے نیچے اتر کر خودکشی کر لی اور بعض نے بال بچوں سمیت اپنے آپ کو نذر آتش کرلیا اور جو لوگ باقی بچ گئے تھے انہوں نے ہاتھوں میں خنجر لے کر قلعہ سے باہر مسلمانوں پر سرتوڑ حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے ان ہندوؤں کو قتل کر دیا اور قلعہ منج پر قبضہ کر کے اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔

زور بازو آزما شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

قلعہ چند پال کی فتح

اس کے بعد محمود غزنوی لشکر اسلام کے ساتھ قلعہ چند پال پر حملہ آور ہوئے۔ اس قلعہ کے گورنر چند پال نے جب دیکھا کہ محمود کا مقابلہ مشکل ہے تو اس نے راہ فرار اختیار کر لی اور ہیرے، جواہرات اور نقدیات کو لے کر جنگل کی طرف بھاگ نکلا۔ محمود غزنوی نے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور دشمن کا تعاقب نہیں کیا۔

راجہ چندرائے پر حملہ

قلعہ چند پال سے فارغ ہوکر محمود غزنوی نے قریب ہی ایک مغرور و سرکش راجہ چندرائے پر حملہ کر دیا۔ چندرائے نے بھی جب محمود غزنوی کا طوفانی اقدام دیکھا تو وہ بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ چند پال کی طرح پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلا اور محمود غزنوی نے علاقے پر قبضہ کرلیا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ یہاں ایک دیوہیکل ہاتھی تھا جو پہلے چندرائے کے قبضہ میں تھا۔ محمود غزنوی نے بڑی کوشش کی کہ یہ ہاتھی قیمت پر وہ خریدے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ چندرائے کے فرار کے بعد ایک رات وہ ہاتھی بغیر فیل بان کے اپنی جگہ سے بھاگ کر محمود کے خیمے کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ چوکیدار نے اسے پکڑ لیا اور محمود کے سامنے پیش کیا۔ محمود غزنوی نے اس عمل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید غیبی سمجھ کر خوشی کا ایک جشن

منایا اور ہاتھی کا نام ''خداداد'' رکھا اور پھر اسے غزنی لے گئے۔ اسی سفر سے واپسی پر محمود غزنوی اپنے ساتھ دیگر عجائبات بھی لے گئے تھے۔قنوج کے علاقہ سے محمود غزنوی کو ایک عجیب مرغ بھی ملا تھا جو اپنی شکل وصورت کے اعتبار سے قمری کی طرح تھا اور اس مرغ کی یہ خاصیت تھی کہ جس جگہ پر موجود ہوتا اگر وہاں کوئی زہر آلود کھانا لایا جاتا تو اس پر اضطراب کی کیفیت طاری ہو جاتی اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے۔ اس کے علاوہ ایک ایسا پتھر بھی محمود کو ملا تھا جس کی خاصیت یہ تھی کہ کوئی بھی زخم خواہ کتنا گہراہ کیوں نہ ہو اس پر یہ پتھر ملنے سے زخم اسی وقت ٹھیک ہو جاتا تھا۔محمود غزنوی نے دیگر اس قدر تحفوں کے ساتھ یہ دونوں تحفے بغداد کے خلیفہ قادر باللہ عباسی کی خدمت میں روانہ کر دیے۔اسی سال محمود غزنوی نے غزنی میں ایک عالی شان مسجد بنوائی تا کہ ان فتوحات کا شکر ادا ہو سکے۔ یہ مسجد اتنی عالی شان اور خوبصورت تھی کہ اس کا نام لوگوں نے ''عروس فلک'' رکھ دیا۔اس کے ساتھ ایک بڑا مدرسہ بھی قائم کیا گیا۔اس کو دیکھ کر ارکان سلطنت نے مدارس اور مساجد کی تعمیر کرنے میں ذاتی دلچسپی لی اور ہزاروں مدرسے اور مسجدیں بنائی گئیں۔اسی سال محمود غزنوی نے حج بیت اللہ کے راستوں کو ڈاکوؤں سے محفوظ کرا دیا اور حج کے راستے مامون ہو گئے۔

کالنجر کے راجہ نندا سے معرکہ، جنگ کا چھٹا مرحلہ:

ہندوستان کے راجاؤں کا ایک طویل سلسلہ محمود غزنوی کے سامنے تھا کسی کو قید کر کے چھوڑتے تو کسی کو قتل کرتے اور کسی سے صلح کر کے باج گزار بناتے اور کوئی روپوش ہو کر بھاگ جاتا اور پھر میدان میں سامنے آ جاتا۔ راجہ انند پال اور اس کے بیٹے کا بھی یہی معاملہ رہا۔کبھی صلح تو کبھی گرفتاری اور کبھی رہائی۔ اسی سلسلہ میں جب 412ھ میں محمود غزنوی کو معلوم ہوا کہ قنوج کے راجہ کورہ سے ہندو اس لیے مخالف ہو گئے ہیں کہ اس نے محمود غزنوی کی اطاعت قبول کی ہے اور ٹیکس ادا کر دیا ہے اور راجہ نندرا نے اس مخالفت میں راجہ کورہ پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا تو آپ نے لشکر کو روانہ کر دیا اور دریائے جمنا کے کنارے

تک جا پہنچا۔ راجہ نندا سے ابھی معرکہ نہیں ہوا تھا کہ راستے میں راجہ انند پال کے بیٹے نے محمودی لشکر پر حملہ کر دیا، اس وقت دریائے جمنا کا پانی بہت چڑھا ہوا تھا لیکن لشکر اسلام کے شیر دل جوان راستہ پا کر اس پار نکل گئے اور انند پال کے لشکر کو لوہے کے چنے چبوا کر شکست سے دوچار کر دیا۔ انند پال کو شکست دینے کے بعد لشکر اسلام غدار مکار راجہ نندا کی طرف چل پڑا۔ جب مسلمان کالنجر تک پہنچ گئے تو محمود غزنوی کو معلوم ہوا کہ دشمن کا لشکر بہت بڑا ہے کیونکہ یہ لشکر چھتیس ہزار شہسواروں اور پینتالیس ہزار پیدل فوج پر مشتمل ہے جن کے پاس چھ سو چالیس طاقتور جنگی ہاتھی ہیں۔ محمود غزنوی نے ایک بلند مقام سے دشمن کی فوج کا معائنہ کیا اور اس کثرت کو دیکھ کر کچھ وقت کے لیے پریشان بھی ہوا اور اس اقدام پر پشیمان بھی ہوا مگر اس نے ہمت نہ ہاری اور اپنی جبین نیاز کو خالق کون ومکاں کے سامنے جھکا دیا اور خشوع وخضوع کے ساتھ فتح ونصرت کی دعا مانگی۔

غازی اسلام کی اس دعا اور گڑگڑانے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے نندا کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ لشکر اسلام اور محمود غزنوی کی یلغار سے راتوں رات ایسا بھاگا کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی اور سارا مال ومتاع اور اسباب وسامان میدان جنگ میں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ صبح محمود غزنوی کو اس کے بھاگنے کا علم ہوا تو آپ فاتحانہ انداز سے شہر میں داخل ہوئے اور اتنا مال غنیمت اکٹھا کیا جس کی تفصیل سے قلم عاجز ہے۔ شہر کے قریب ایک جنگل سے مسلمانوں نے پانچ سو اسی جنگی ہاتھی پکڑ لیے۔ اس فتح مبین کے بعد محمود غزنوی، غزنی واپس چلے گئے۔

قیرات اور نار دین کی فتح

کالنجر کی فتح کے بعد محمود غزنوی کو معلوم ہوا کہ ابھی تک قیرات اور ناردین کے لوگ اسلام کے دشمن ہیں اور ان میں ابھی تک خودسری اور سرکشی کا پورا جذبہ موجزن ہے۔ یہ سنتے ہی محمود غزنوی نے لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا اور معاشرہ کے مختلف ہنرمندوں، سناروں، بڑھیوں اور سنگ تراشوں کی ایک بڑی جماعت کو لشکر کے ساتھ لے کر ہندوستان

کے بت پرستوں کے خلاف میدان جہاد میں نکل گیا۔ محمود نے پہلے قیرات پر حملہ کیا۔ قیرات آب و ہوا کے اعتبار سے ایک سرد ترین مقام ہے جو ہندوستان اور ترکستان کے درمیان واقع ہے۔ یہ مقام اپنے سبزہ زاروں، پھلوں اور باغات کے حوالے سے پورے ہندوستان میں مشہور ہے۔ لشکر اسلام کی آمد اور علم جہاد بلند کرنے پر اس شہر کے حکام نے اپنی رعایا کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ اس لیے قیرات کی فتح میں محمود غزنوی کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ محمود غزنوی نے یہیں پر قیام کیا اور اپنے ایک کمانڈر کو فوج دے کر ناردین کی طرف روانہ کر دیا اس نے جا کر ناردین کو فتح کر لیا اور بہت ساری لونڈیاں اور دولت ہاتھ میں آئی۔ محمود غزنوی نے اس فتح پر اللہ کا شکر ادا کیا اور ناروین میں ایک عالی شان قلعہ تعمیر کروا دیا۔

لاہور کی فتح، جنگ کا ساتواں مرحلہ:

412ھ میں محمود غزنوی نے اپنی فتح کے جھنڈے کشمیر کی طرف بلند کر دیے اور اطراف کشمیر میں پہنچ کر ''لوہ کوٹ'' کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا کیونکہ یہ قلعہ بہت مضبوط تھا اس لیے محمود غزنوی تمام کوششوں کے باوجود اسے فتح نہ کر سکا۔

یہ کیفیت دیکھ کر محمود نے لوہ کوٹ کی فتح کا ارادہ ترک کر دیا اور اس نے لاہور کا رخ کیا۔ لاہور کے قریب محمود غزنوی نے اپنی فوج کو متعدد حصوں میں تقسیم کر کے شہر کے مختلف حصوں میں کارروائی پر لگا دیا۔ سپاہیوں نے کسی خوف و خطر کے بغیر شہر اور اس کے اطراف میں سپاہیانہ کارروائیاں کیں اور دشمن کو شکست دے کر مال غنیمت کو اکٹھا کیا۔

لاہور کا راجہ انند پال کا بیٹا تھا مگر وہ اتنا بوڑھا ہو چکا تھا کہ اس میں محمود غزنوی سے ٹکر لینے کا دل میں بھی خیال نہیں گزرتا تھا لہٰذا وہ راجہ اجمیر کی طرف بھاگ گیا اور وہاں کے راجہ کے سائے میں پناہ لے لی۔ محمود نے لاہور پر قبضہ کیا اور اس کو پنجاب کے تمام مفتوحہ علاقوں کے لیے مرکز بنا دیا اور اپنے بھروسہ کے لوگوں کو اس پر حکمران مقرر کیا۔ لاہور میں بڑا لشکر متعین کیا اور اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور جمعہ کے خطبوں میں اپنا نام درج کیا اور

پوری حفاظت کے بعد غزنی واپس چلا گیا اور لاہور پایہ تخت ہو گیا۔

راجہ نندا پر دوبارہ حملہ

413ہجری میں محمود غزنوی نے محسوس کیا کہ راجہ نندا کی گوشمالی کی پھر ضرورت ہے لہٰذا وہ ان کی طرف لشکروں کے ساتھ چل پڑا۔ جب قلعہ گوالیار سے محمود کا گزر ہوا تو آپ نے اس قلعہ کا بھی محاصرہ کیا۔ چار دن کے بعد وہاں کے راجہ نے صلح کی پیش کش کی اور سالانہ 35 ہاتھی بطور ٹیکس ادا کرنے کا وعدہ کیا محمود غزنوی نے صلح کی پیشکش قبول کی اور آگے راجہ نندا کی طرف کالنجر پر چڑھائی کر دی۔ راجہ نندا نے تین سو ہاتھیوں کا جزیہ قبول کیا اور محمود غزنوی کی اطاعت دل و جان سے قبول کی اور صلح پر دستخط ہو گئے۔

یہ معاملہ جب صاف ہو گیا تو محمود غزنوی نے ایک موقع پر اپنی طاقت اور فوجی قوت کا مظاہرہ کیا۔ محمود غزنوی کی فوج کی تعداد چون ہزار تھی، آپ کے پاس تین سو جنگی ہاتھی تھے اور یہ محمود کی ریگولر فوج تھی اور اس کے علاوہ رضا کارانہ مجاہد کبھی زیادہ، کبھی کم ہوتے تھے۔ محمود غزنوی نے زبردست خوشی اور جشن منایا اور چھوٹے بڑے امراء، گورنروں، وزیروں اور جرنیلوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ جو دوست تھے وہ قریب ہوئے اور جو ٹھگ تھے وہ جل بھن کر بھاگ گئے اور محمود غزنوی اپنے آبائی وطن غزنی میں رہنے لگے اور برصغیر کے اکثر حصے پاک ہو گئے۔

سومنات کی فتح الفتوح فتح، جنگ کا آٹھواں مرحلہ:

415ہجری کے زمانہ میں سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا اور شمالی بحیرۂ عرب کے کنارے پر واقع تھا۔ یہ شہر اپنے عظیم الشان سومنات بت کی وجہ سے تمام برہمنوں اور عام ہندوؤں کے نزدیک کعبہ شریف کی طرح اہمیت رکھتا تھا۔

بعض تاریخوں میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ غیر مسلم کعبہ سے نکالے گئے بتوں میں سے ایک کو یہاں لائے تھے، اس بت کا نام سومنات تھا جو یہاں نصب کیا گیا تھا، اس وجہ سے اس شہر کا نام بھی سومنات پڑ گیا۔ ہندو برہمنوں کی

کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ بت سری کرشن کے زمانے سے تمام برہمنوں کا معبود رہا ہے اور سری کشن اسی جگہ روپوش ہو گیا ہے۔ تاریخ فرشتہ لکھتا ہے کہ سومنات اس مخصوص بت کا نام تھا جسے ہندوستان کے تمام باشندے بتوں کا سردار مانتے تھے۔ شیخ فریدالدین عطار کے مطابق سومنات سوم اور نات سے مرکب ہے، سوم مندر کا نام تھا اور نات اس کے بت کا نام تھا۔ تاریخ فرشتہ کا اپنا خیال ہے کہ سومنات مرکب منع صرف بعلبک کی طرح ہے، سوم راجہ کا نام تھا اور نات اس کے مشہور بت کا نام تھا پھر کثرت استعمال کی وجہ سے دونوں لفظ ایک لفظ بن کر نام ہو گیا تو سومنات کہلایا نیز شہر کا نام بھی پڑ گیا اور مندر کا نام بھی سومنات ہو گیا۔ سومنات کا مندر ہندوؤں کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا تھا جب کبھی سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتا تھا تو یہاں تقریباً دو لاکھ تیس ہزار آدمی جمع ہو جاتے تھے جن میں سے زیادہ تر دور کے علاقوں سے آ کر یہاں نذریں چڑھاتے تھے اور حاجتیں مانگتے تھے۔ ہندوستان کے راجا اس مندر کے لیے وقتاً فوقتاً قصبے وقف کرتے تھے۔ جس وقت سلطان محمود غزنوی نے سومنات پر حملہ کیا تھا اس وقت دو ہزار قصبوں کی آمدنی سومنات کے اخراجات کے لیے وقف تھی۔

اس مندر میں ہر وقت دو ہزار برہمن پوجا پاٹ کے لیے موجود رہتے تھے۔ یہ پجاری روازانہ رات کے وقت سومنات کو گنگا کے تازہ پانی سے دھویا کرتے تھے جبکہ سومنات اور گنگا کے درمیان 200 کوس کا فاصلہ ہے۔ ان پجاریوں نے مندر کے ایک کونے سے دوسری کونے تک زنجیر باندھ رکھی تھی جس کا وزن دو سو من تھا۔ اس زنجیر میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ پوجا پاٹ کے وقت زنجیر کو ہلا کر گھنٹیاں بجائی جاتی تھیں تا کہ پجاری پوجا کے لیے حاضر ہو جائیں۔

سومنات کے اردگرد پانچ سو گانے بجانے والی عورتیں، سومرد اور سازندے ملازم تھے اور رقص و سرور کرتے تھے۔ پجاریوں کے سر اور ڈاڑھیاں مونڈ ھنے کے لیے تین سو حجام ہر وقت موجود رہتے تھے اور سب کے اخراجات وقف شدہ اموال سے پورے ہوتے تھے۔

ہندوستان کے بیشتر راجہ اپنی بیٹیوں کو سومنات کی خدمت کے لیے مندر میں بھیج دیتے تھے۔ یہ لڑکیاں تمام عمر بغیر شادی کے رہ کر مندر میں مختلف فرائض سرانجام دیتی تھیں۔ سلطان محمود غزنوی کو اس مندر سے جو اعلیٰ درجے کے جواہرات اور سونا چاندی ہاتھ لگے وہ اس قدر زیادہ تھے کہ اس کا دسواں حصہ بھی اس سے پہلے کسی بادشاہ کے خزانے میں جمع نہ ہوا ہوگا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ مندر کی وہ مخصوص جگہ جہاں بت ''سومنات'' رکھا ہوا تھا بالکل تاریک تھی اور وہاں جو روشنی پھیلی ہوئی تھی وہ دراصل اعلیٰ درجے کے جواہرات کی شعائیں تھیں۔ یہ جواہرات مندر میں قندیلوں میں جڑے ہوئے تھے۔ الغرض سومنات ہندوؤں کے یہاں اتنا مقدس تھا جتنا کہ مسلمانوں کے ہاں کعبہ شریف ہے، حکیم سنائی نے دونوں کی فتح اور شرک سے آزاد کرنے والوں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

کعبہ و سومنات چوں افلاک
شد ز محمود و از محمدؐ پاک

کعبہ اور سومنات آسمانوں کی مانند ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور محمود کی وجہ سے شرک کی گندگی سے پاک ہوئے۔

ایں ز کعبہ بتاں بروں انداخت
آں زکیں سومنات را پرداخت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے بتوں کو باہر پھینکا اور محمود نے غصہ سے سومنات ہی کو اکھاڑ پھینکا۔

ہندوؤں کا سومنات سے متعلق عقیدہ

415ھ میں محمود غزنوی کو اس کے چند قابل اعتماد لوگوں نے بتادیا کہ ہندوستان والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ موت کے بعد انسان کی روح بدن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور سومنات ہر روح کو اس کے اعمال و افعال کے مناسب بطور تناسخ نیا جسم دیتا ہے۔

ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دریا کا اتار چڑھاؤ اصل میں سومنات کی عبادت ہے جو اس صورت میں ہوتی ہے۔محمود کو یہ بھی بتایا گیا کہ ہندوؤں کے خیال میں وہ بت جو محمود نے اس سے پہلے پاش پاش کیے تھے وہ ایسے بت تھے جن سے سومنات ناراض تھا اسی وجہ سے سومنات نے ان کی مدد نہیں کی ورنہ سومنات بت شکنوں کو لمحوں میں تباہ و برباد کر دیتا ہے۔محمود کو یہ بھی بتایا گیا کہ برہمنوں کے اعتقاد کے مطابق سومنات بادشاہ ہے اور باقی تمام اس کے خادم و دربان ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

محمود غزنوی نے جب یہ من گھڑت افسانے سنے تو آپ کے دل میں جہاد کا شوق پھر چٹکیاں لینے لگا اور انہوں نے سومنات کو فتح کرنے اور وہاں کے بت پرستوں کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تا کہ دنیا کے لوگوں پر واضح ہو جائے کہ سومنات کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں، اصل خالق و مالک صرف ایک اللہ برتر و بالا ہے۔

محمود غزنوی کا سومنات پر حملہ

سلطان محمود نے سومنات پر حملہ کرنے کے لیے اپنا خاص لشکر تیار کیا اور اضافی تیس ہزار سپاہیوں کو اپنے ساتھ لیا جو ترکستان وغیرہ سے خالص جہاد کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔

20 شعبان 415 ہجری کو یہ لشکر جرار سومنات کی طرف چل دیا۔تکبیر کے نعرے بلند ہوئے اور جہاد کی صدائیں گونج اٹھیں۔رمضان کے وسط میں محمود غزنوی اپنی افواج کے ساتھ ملتان پہنچا۔یہاں سے آگے راستے میں ایک خشک جنگل اور بے آب و گیا دشت و بیابان پڑتا تھا۔محمود غزنوی نے اپنے لشکر کو عام حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ چند دنوں کا پانی اور غلہ رکھ لیں، خود محمود غزنوی نے بیس ہزار اونٹوں پر غلہ اور پانی رکھ کر لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔جب یہ پُر خطر سفر مکمل ہوا تو غزنوی لشکر اجمیر کی سرحد پر کھڑا نظر آیا۔محمود غزنوی کی آمد کا جب راجہ اجمیر نے سنا تو وہ روپوش ہو گیا اور شہر کو خالی چھوڑ دیا۔محمود غزنوی نے اجمیر کے قلعہ پر قبضہ کر کے اسلامی پرچم لہرایا اور آگے سومنات کی طرف بغیر کسی تاخیر کے آب و تاب اور شان و شوکت سے چل پڑا۔آگے راستے میں چند دیگر قلعے بھی ملے مگر وہ بھی

بغیر جنگ کے لشکر اسلام کے سامنے تسلیم ہو گئے۔ محمود کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم رعب عطا کیا تھا، جس نے سنا اس نے علاقہ چھوڑ دیا۔ گجرات پٹن کے تمام شہروں کو محمود غزنوی کا لشکر روندتا ہوا آگے بڑھ گیا اور جا کر سومنات کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔

مسلمانوں نے جب دریا کے کنارے سے سومنات کا نظارہ کیا تو معلوم ہوا کہ سومنات کا قلعہ بہت بلند ہے اور دریا کا پانی سومنات کی فصیل تک پہنچا ہوا ہے۔

اہل سومنات قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کو دیکھ رہے تھے اور چلا چلا کر مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ ہمارا معبود سومنات خود تم کو یہاں کھینچ کر لایا ہے تاکہ وہ ایک ساتھ تم کو ہلاک کر دے اور تم سے ان تمام بتوں کا بدلہ لے لے جنہیں تم نے پاش پاش کر دیا ہے۔ مسلمانوں نے زبان حال سے جواب دیا کہ

پھولوں سے کبھی کام بنا ہے نہ بنے گا
کانٹوں کی زباں خونِ جگر مانگ رہی ہے

سومنات کے سامنے گھمسان کی جنگ

لشکر اسلام کے نامور شاہینوں نے اپنے بہادر اور نڈر قائد مسلمین اور مجاہد دین متین محمود غزنوی بن سبکتگین کے حکم پر بلاخوف وخطر اس قلعہ کی طرف پیش قدمی شروع کی جہاں سومنات بت رکھا ہوا تھا۔ عجیب منظر تھا کہ ہندو اس انتظار میں ٹکٹکی باندھے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے کہ سومنات اپنا قہر وغضب کب مسلمانوں پر نازل کرنے والا ہے اور لشکر اسلام کے سپاہی تیروں کی بارش میں سومنات پر شیروں کی طرح دھاڑتے چنگھاڑتے اور غراتے ہوئے حملہ آور ہو کر آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے کہ کب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان موحدین مجاہدین پر نصرت خداوندی اتر آئے گی۔ قلعہ سومنات کی دیواروں تک تیروں کی بوچھاڑ میں اللہ تعالیٰ کے یہ سپاہی پہنچ چکے تھے اور اس سوچ میں تھے کہ سومنات کی خبر لینے کے لیے کس دیوار کو کس طرف سے توڑ کر ہندوؤں کے سینے پر چڑھ کر ان کے معبود باطل کو ٹانگوں سے کھینچ کر تخت بریں سے قعر زیریں میں سرنگوں گرائیں۔ سلطان محمود غزنوی

نے اشارۂ ابرو سے اپنے گلشن کے شاہینوں کو حکم دیا کہ سومنات پر جھپٹ پڑو۔ مجاہدین کو یہ حکم ماننا تھا کہ انہوں نے گھمسان کی جنگ شروع کر دی۔ سومنات کے محافظ لشکر نے جب دیکھا کہ مسلمان جان پر کھیل کر آ رہے ہیں تو وہ قلعہ کی فصیلوں سے اندر قلعہ کی طرف بھاگ نکلے اور اندر جا کر سومنات سے دعائیں مانگنے لگے۔

لشکر اسلام قلعہ کی دیوار کے سامنے ایک طرف سے سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھ گیا اور اوپر جا کر زوردار انداز سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ یہ پہلا دن تھا جس میں صبح سے لے کر شام تک طرفین میں گھمسان کی جنگ جاری رہی۔ شام کو دونوں فوجیں اپنے اپنے مقامات پر واپس چلی گئیں اور دوسرے روز صبح ہوتے ہی لشکر اسلام نے نعرہ تکبیر لگایا اور قلعہ پر حملہ کر دیا۔ اس روز مسلمانوں نے قلعہ کی دوسری دیواروں پر سیڑھیاں لگائیں اور تلواروں کی چمک دمک، نیزوں کی کھڑکھڑاہٹ اور تیروں کی بوچھاڑ میں قلعہ کی تمام فصیلوں پر چڑھ کر اوپر کے حصوں پر قابض ہو گئے۔ کیونکہ

مومن ہیں بہادر ہیں مجاہد ہیں نڈر ہیں
اسلام کی عظمت کے لیے سینہ سپر ہیں

گاؤ ماتا کے پجاری، سومنات کے کچے عاشق اور اوہام پرست ہندوؤں نے مقابلہ کرنا بند کر دیا اور سومنات سے بغل گیر ہونے لگے اور ایک دوسرے کو الوداع الوداع کے الفاظ سے رخصت کیا۔ ٹولیوں میں بٹ کر ہندوؤں نے ایک ساتھ چیخنا شروع کر دیا ''مارو مارو'' اس آواز کے ساتھ وہ سامنے لڑنے کے لیے آتے گئے اور لشکر اسلام کے ہاتھوں کٹتے گئے۔ چنانچہ اندر کی ہندو فوج تقریباً سب ہلاک ہو گئی اور سومنات نے ان کی کوئی مدد نہ کی نہ ہی وہ کر سکتا تھا۔ تیسرے روز کی لڑائی تو اور زیادہ تباہ کن تھی کیونکہ اس میں صورت حال اس طرح بن گئی کہ سومنات قلعہ کے آس پاس جو ہندو افواج جمع تھیں انہوں نے ایک ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا، اب مسلمان بیچ میں پھنس گئے۔ محمود غزنوی نے فوراً قلعہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور پوری فوج کو اس بیرونی افواج کے مقابلہ پر لا کھڑا کیا۔ اب طرفین میں

ایک شدید ترین خونریز جنگ برپا ہوگئی۔ میدان جنگ میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور انسانی اعضا کٹ کٹ کر فضا میں اچھل رہے تھے۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں چکرا جاتیں تھیں اور دل دہل جاتے تھے اور ہر صاحب دل لرزہ براندام نظر آتا تھا۔

ہندوؤں کے دو جرنیلوں یعنی ''پرم دیو'' اور ''واشلیم'' کے لشکروں کے یکے بعد دیگر آنے سے یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میدان کارزار سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ جائیں۔ محمود غزنوی کو جب اس نازک صورت حال کا احساس ہوا تو وہ پریشان ہوکر ایک گوشے میں آئے اور حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کا دیا ہوا جبہ زیب تن کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر پڑے اور بڑے ہی خلوص کے ساتھ خداوند تعالیٰ سے فتح کی دعا مانگی۔ پھر اپنی فوج میں واپس آ کر آپ نے ہندوؤں پر ایسا زبردست حملہ کیا جس کو تاریخ نے یاد رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں مسلمانوں کو فتح عطا کی۔

سومنات کی جنگ کا نتیجہ

اللہ تعالیٰ نے جنگ سومنات میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح عطا فرمائی اور تقریباً پانچ ہزار سومناتی ہندو فوج ہلاک ہوگئی۔ باقی ماندہ لشکر اور سومنات کے بچے کھچے مجاور اور پجاری چار ہزار کی تعداد میں جان بچا کر دریا کی طرف بھاگے اور وہاں کشتیوں میں بیٹھ کر سراندیپ کی طرف روانہ ہوگئے تاکہ وہاں پناہ لے لیں مگر محمود غزنوی نے پہلے ہی سے ان فراریوں کا انتظام کر رکھا تھا کہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں مسلمانوں کو دریا کے مختلف جگہوں پر ناکہ بندی کے لیے بٹھا رکھا تھا۔ لہٰذا جونہی ہندوؤں نے کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ سراندیپ کا رخ کیا دریا میں موجود اسلامی لشکر نے ان کا تعاقب کیا اور ساری کشتیوں کو دریا میں ڈبو دیا۔ اس طرح کفر مٹ گیا اور اسلام کا جھنڈا سربلند ہوا۔ سومنات کا قلعہ اب مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا تھا اور سومنات کا بت اپنی قسمت کے فیصلے کے انتظار میں تھا کہ کب بت شکن محمود غزنوی آئے گا اور اس کا دماغ درست کرے گا۔ سومنات کی اس جنگ میں تین ہزار مسلمان بھی شہید ہوئے۔

محمود غزنوی سومنات کے سر پر کھڑے ہیں

جب ہندوؤں کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا کہ اب شہر سومنات میں ان کی قوت ختم ہو چکی ہے تو اس کے بعد فاتح سومنات محمود غزنوی اپنے بیٹوں اور ارکان سلطنت اور اپنے نامور کمانڈروں کو ساتھ لے کر سومنات کے قلعے میں داخل ہو گئے اور قلعہ کے ہر ہر حصہ کو نہایت غور سے دیکھنے لگے۔ فن تعمیر پر تعجب بھی کر رہے تھے اور نصرت خداوندی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کر رہے تھے۔ عمارت دیکھنے کے بعد محمود غزنوی ایک اندرونی راستے سے سیدھے بت خانے میں داخل ہو گئے۔ محمود غزنوی نے دیکھا کہ بت خانہ اپنے طول و عرض کے لحاظ سے بہت وسیع ہے۔ اس کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی چھت چھپن ستونوں پر قائم تھی۔ بت خانہ میں شیطان سومنات نہایت سلیقہ سے رکھا ہوا تھا جس کی لمبائی 5 گز تھی جس میں سے دو گز زمین کے اندر گڑا ہوا تھا اور تین گز اوپر نظر آ رہا تھا۔ یہ بت پتھر کا بنا ہوا تھا۔ جس وقت محمود غزنوی کی نظر اس بت پر پڑی تو اس کی اسلامی غیرت جوش میں آئی اور اس نے لوہے کے گرز سے سومنات پر ایک کاری ضرب لگائی جس کی شدت سے بت کا منہ ٹوٹ گیا، پھر محمود غزنوی نے حکم دیا کہ اس بت کے دو ٹکڑے کاٹ کر علیحدہ کر دو اور دونوں کو غزنی روانہ کر دو تا کہ بطور عبرت ایک ٹکڑا جامع مسجد کے سامنے رکھا جائے اور دوسرا ایوان سلطنت کے صحن میں رکھا جائے۔ تاریخ فرشتہ لکھتا ہے کہ اس وقت سے لے کر اب تک چھ سو سال گزر گئے لیکن وہ دونوں ٹکڑے وہیں رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ سومنات کے بت سے دو اور ٹکڑے الگ کیے گئے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھیجے گئے تا کہ وہاں اس کو عام راستے میں رکھ دیا جائے اور لوگ انہیں دیکھ کر محمود کی ہمت کی داد دیں اور اسلام کی سربلندی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

محمود غزنوی بت شکن تھے نہ کہ بت فروش

اہل تاریخ نے یہ واقعہ پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ لکھا ہے کہ جس وقت محمود غزنوی نے سومنات کے پاش پاش کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت برہمنوں کے بڑے طبقے نے

ارکان سلطنت کے توسط سے محمود غزنوی سے یہ درخواست کی کہ اس بت کو نہ توڑا جائے۔ ارکان دولت نے محمود غزنوی کے سامنے یہ بات ظاہر کردی کہ بتوں کی توہین ہندوستان میں بہت ہوچکی ہے اوران کی ذلت ورسوائی کے واقعات لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ گئے ہیں لہٰذا اب سومنات ہی کے توڑنے میں یہ بات نہیں کہ اس سے بت پرستی کی رسم لوگوں کے دلوں سے ختم ہوجائے گی یا اس کے توڑنے میں کوئی دوسرا فائدہ نظر آرہا ہے، اس لیے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم اس بت کو صحیح سالم ہندوؤں کو واپس کردیں اور اس کے عوض بھاری رقم لے لیں جو لشکر اسلام اور جہاد کے کام میں آجائے گی تو اس معقول فائدہ کے مقابلہ میں توڑنے میں کیا فائدہ ہے؟

کہتے ہیں کہ محمود غزنوی نے اس سلسلہ میں اپنے ایک ہوشیار وزیر سے مشورہ بھی کیا۔ وزیر نے کہا کہ اب تک بادشاہ بت شکن کے نام سے مشہور ہے پھر بت فروش کے نام سے مشہور ہوجائے گا۔ بہرحال محمود غزنوی نے ان درخواست دہندگان کے جواب میں فرمایا کہ تم جو کہتے ہو وہ صحیح ہے لیکن اگر میں تمہارے کہنے پر چلوں گا تو میرے بعد دنیا مجھے ''محمود بت فروش'' کے نام سے یاد کرے گی اور اگر میں اس بت کو پاش پاش کروں گا تو آنے والی دنیا مجھے ''محمود بت شکن'' کے نام سے یاد کرے گی اور مجھے تو یہ پسند ہے کہ دنیا وآخرت میں مجھے ''محمود بت شکن'' کے نام سے پکارا جائے نہ کہ ''محمود بت فروش''۔

سلطان محمود کی نیت اچھی تھی، اس میں غیرت اسلامی تھی اور حمیت دینی تھی۔ لہٰذا جب وہ بت توڑا گیا تو اس کے پیٹ سے بے شمار بیش قیمت جواہرات نکل آئے اور اعلیٰ درجے کے موتی برآمد ہوئے اور ان سب موتی وجواہرات کی قیمت برہمنوں کی پیش کردہ رقم سے سوگنا زیادہ تھی۔ محمود بت شکن کو دنیا بھی ملی اور آخرت بھی اور روشن نام کے ساتھ غیرت وحمیت بھی ملی۔

زندگی کیفی اسی حسن عمل کا نام ہے
کفر کو نابود حق کو جاوداں کرتے چلو

(فتح کابل کے موقع پر تحریک اسلامی تحریک طالبان کے سپاہیوں نے اور بعض پاکستانی علماء نے وہاں رکھے ہوئے بہت سارے بت توڑے۔ اسی طرح بغلان اور بامیان میں بھی بہت سے بت توڑ دیے) الحمدللہ

محمود غزنوی کی دیگر قلعوں پر فوج کشی

محمود غزنوی نے سومنات فتح کر لیا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اب ہندوستان ہندو راجاؤں کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے تاہم کچھ معمولی علاقے ایسے بھی تھے جن پر اب تک ہندو راجہ قابض تھے۔ انہی میں سے راجہ پرم دیو کا قلعہ ''کندھ'' تھا۔ یہ شخص بڑا خبیث تھا۔ انہوں نے سومنات کے محاصرہ کے دوران پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا جس سے تین ہزار مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ محمود غزنوی اس بات کو بھولے نہیں تھے لہٰذا سومنات اور اس کے انتظامات سے فارغ ہو کر محمود غزنوی نے راجہ پرم دیو پر حملہ کر دیا۔ وہ کندھ کوٹ کے قلعے میں جا چھپا تھا مگر لشکر اسلام نے دریا عبور کیا اور خندقوں کو پاٹ دیا اور جا کر کندھ کوٹ پر قبضہ کر لیا۔ پرم دیو بھیس بدل کر فرار ہو گیا اور محمود غزنوی نے اس پر جھنڈا لہرا دیا۔

نہر والہ پر حملہ

کندھ کوٹ کی فتح کے بعد سلطان محمود نے نہر والہ کی طرف کوچ کیا۔ یہ ایک سرسبز وشاداب علاقہ تھا اور آب وہوا کے اعتبار سے بہت مشہور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ محمود غزنوی نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ نہر والہ میں مستقل قیام کریں۔ بہر حال لشکر اسلام نے کندھ کوٹ کو فتح کرنے کے بعد نہر والہ کو بھی فتح کر لیا۔

سراندیپ اور پیکو پر حملے

سابقہ فتوحات کے بعد سلطان محمود غزنوی نے چاہا کہ سراندیپ، پیکو اور اسی قسم کی دوسری بندرگاہوں کو اپنے قبضے میں لایا جائے جہاں سونے اور یاقوت کی کانیں ہیں۔

چنانچہ محمود غزنوی کے لشکر نے ان جزائر کا تعاقب کیا اور تمام علاقوں میں اسلامی جھنڈے لہرائے، گجرات کے علاقے فتح ہو گئے۔ وا شلیم مرتاض اور وا شلیم دشمن مرتاض

کے علاقوں پر لشکر اسلام نے جہاد کیا۔ محمود غزنی کی طرف روانہ ہوئے مگر راہبر ہندو نے لشکر اسلام کو غلط راستوں پر چلایا اور وہ پھنس کر موت وحیات کی کشمکش میں رہ گئے، پھر محمود غزنوی نے اس رہبر کو قتل کر دیا اور مشکل سے باہر نکل آئے۔

جٹائی قوم پر حملہ

سومنات کی فتح سے جب محمود غزنوی واپس آرہے تھے تو راستے میں جٹائی قوم نے آپ کے لشکر کا راستہ روکا اور مسلمانوں کو بہت تنگ کیا۔ اس پر محمود غزنوی نے جٹائی قوم کی سرزنش کو ضروری خیال کیا اور ایک زبردست لشکر تیار کر کے اس قوم پر دے مارا۔ سفر کی مختلف منزلیں طے کر کے جب محمود غزنوی ملتان پہنچے تو آپ نے محسوس کیا کہ یہ جنگ دریا میں ہوگی۔ اس لیے آپ نے چودہ سو کشتیاں تیار کرادیں اور ہر کشتی میں سامنے اور اطراف میں لوہے کی لمبی لمبی سلاخیں جوڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تباہ کن کشتیاں تیار ہوگئیں، محمود غزنوی نے حکم دیا کہ سب کشتیوں کو دریا میں اتار دو اور ہر کشتی میں بیس بیس آدمیوں کو مسلح کر کے بٹھا دو۔ چنانچہ ادھر ایسا ہی ہوا ادھر جٹائی قوم نے بھی بھرپور تیاری کی۔ انہوں نے چار ہزار کشتیاں دریا میں اتار دیں اور ہر کشتی میں مسلح دستہ بٹھا دیا۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو دریا ہی میں غضب کی جنگ شروع ہوگئی۔

جٹائیوں کی جو بھی کشتی مسلمانوں کی کشتی کے قریب کسی بھی جانب سے حملہ آور ہو کر آتی تھی محمود غزنوی کی تیار کردہ کشتیوں کی آہنی سلاخوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی اور دریا میں غرق ہو جاتی۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے جٹائیوں کی کشتیاں تباہ ہوگئیں اور جو سپاہی دریا میں ڈوبنے سے بچ کر جزیرہ میں اتر گئے تھے لشکر اسلام کے شاہینوں نے وہیں ان کا کام تمام کر دیا اور بڑی گرفتاریاں عمل میں آئیں اور علاقے پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا اور سلطان محمود غزنوی واپس غزنی چلا گئے۔

اس کے بعد وسطی ایشیا میں بھی محمود غزنوی نے کئی جنگیں لڑیں اور سلجوقیوں کے سرکشوں اور ترکمانی بدمعاشوں، مفسدوں اور مشرکوں کا خاتمہ کیا۔ قرامطہ کے ملحدین سے جنگیں

ہوئیں اور خدا کی زمین پر خدا کا نظام نافذ کر کے 418 ہجری کا آخری معرکہ بھی کامیابی سے لڑا 35 سال تک برصغیر پر کامیاب حکومت کی اور 23 ربیع الثانی 461ھ میں جمعرات کے دن اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف رخصت ہو گئے۔

سلطان محمود کے زمانے کے مشہور شعراء اور مشہور کمانڈروں کے بھی عجیب حالات ہیں مگر لکھنے میں طوالت کا خطرہ ہے۔ البتہ میں نے سنا ہے کہ محمود غزنوی کے بڑے کمانڈروں میں سے ایک مدے خیل قوم کے دادا، مدے بابا بھی تھے جن کا سلسلہ نسب یوسف قندھاری سے جا ملتا ہے جو یوسف زئی قوم سے معروف ہیں۔ مردان کے اطراف سے جلالا ایک جگہ ہے، وہاں مدے بابا کا مقبرہ بھی ہے۔ اگر محمود غزنوی کے ساتھ انہوں نے جہاد میں حصہ لیا ہے تو یہ ان کی اولاد کے لیے بڑا فخر ہے۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ محمود غزنوی نے ہندوستان پر کل بارہ بڑے حملے کیے تھے۔

شہاب الدین غوری

ہندوستان پر غزنوی خاندان کا ایک طویل دور گزرا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کی اولاد میں غزنوی حکومت کا انتظام تھا پھر یہ سلسلہ 545ھ کے قرب وجوار میں منقطع ہو گیا اور غزنوی حکومت اور سلطنت کے اطاعت گزار تقریباً منحرف ہو گئے۔ اس کے بعد غوریوں کی حکومت کا دور آ گیا اور اس دوران ہندوستان کے افق پر مختلف حالات نے جنم لیا اور کئی راجاؤں نے بغاوت کر کے اسلامی سلطنت سے سرتابی کر کے آزادی کا اعلان کر دیا۔ شہاب الدین غوری نے باہمی جنگوں کے ساتھ ساتھ ہندو راجاؤں سے بھی بڑی جنگیں لڑیں اور قبضہ سے نکلی ہوئی ریاستوں کو پھر سے اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا۔ چنانچہ 572ھ میں آپ نے ملتان اور اچھ پر زبردست حملہ کر کے اسے قبضہ کر لیا پھر آپ نے 574ھ میں گجرات، پشاور، سندھ اور لاہور پر کامیاب حملے کر کے تمام علاقوں کو قبضہ میں لے لیا، الغرض 576ھ سے 580ھ تک ان تمام علاقوں پر اسلامی جھنڈا شہاب الدین غوری کی محنتوں سے دوبارہ لہرانے لگا۔ 587 میں شہاب الدین غوری نے ترائن

کے مرکزی مقام ''بٹھنڈہ'' پر حملہ کیا۔ ترائن جو آج کل تراوڑی کے نام سے مشہور ہے اور دہلی سے 40 کوس کے فاصلے پر ہے اس میں زبردست جنگ ہوئی۔ شہاب الدین زخمی ہو گیا اور لشکریوں کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی بلکہ شکست کھائی۔ جب افغانستان کے صوبہ گور میں کچھ عرصہ بعد شہاب الدین رو بہ صحت ہوئے تو آپ نے افغانوں کا ایک زبردست لشکر اکٹھا کیا اور ہندوؤں سے شکست کا بدلہ لینے کے لیے پھر تراوڑی کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک لاکھ سات ہزار کا لشکر جرار ساتھ لیا اور ہر جرنیل اپنے دامن سے گزشتہ سال کی شکست کا دھبہ اپنے سرخ خون سے دھونا چاہتا تھا۔

ادھر ہندوستان بھر کے راجاؤں کے حوصلے بلند تھے اور وہ متحد و مستحکم تھے کیونکہ ان لومڑیوں نے ایک بار شیروں کو شکست دے دی تھی۔ اس دفعہ ان راجاؤں نے شہاب الدین کے نام ایک مشترکہ خط لکھا جس کا مضمون اس طرح تھا:

''ہم ہندو راجاؤں کی سخت کیفیت تو تم کو معلوم ہی ہو گئی ہے ہمارے ساتھ جو لشکر ہے وہ تمہیں اور تمہارے لشکر کے لیے کافی ہے۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو اپنے سپاہیوں پر رحم کھاؤ۔ ہم نے اپنے معبودوں کے سامنے قسم کھائی ہے کہ اگر تم بغیر جنگ کے واپس آجاؤ گے تو ہم تم کو کچھ بھی نہیں کہیں گے بلکہ ہم تم کو رحم کی بنیاد پر واپس جانے کا مشورہ دیتے ہیں ورنہ یاد رکھو! کل صبح ہم اپنے تین ہزار ہاتھیوں اور بے شمار سپاہیوں کی مدد سے تمہارے لیے میدان جنگ کو میدان حشر بنا دیں گے اور تم کو ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگنا پڑے گا۔''

شہاب الدین نے جب یہ خط پڑھا تو جنگی چال کے تحت ان کو ایک خط لکھا اور کہا کہ آپ کا خط محبت اور ہمدردی پر مبنی ہے۔ میں آپ کی ہدایات پر پورا عمل کرتا لیکن میں اپنے بھائی کی وجہ سے مجبور ہوں۔ اگر آپ کچھ مہلت دے دیں تو میں قاصد بھیجتا ہوں اور اپنے بھائی کو تمہاری طاقت اور اپنی کمزوری کا حال بیان کرتا ہوں۔ امید ہے کہ پھر صلح ہو جائے گی اور ہم واپس چلے جائیں گے۔ فقط

اس خط سے ہندو راجاؤں نے خوشیاں منائیں اور وہ واقعی سمجھ بیٹھے کہ لشکر اسلام نہایت

کمزور اور بزدل ہے۔ وہ غفلت میں پڑے رہے اور شہاب الدین نے شہاب ثاقب کی طرح صبح کے وقت ان پر حملہ کر دیا۔ شہاب الدین نے اپنے لشکریوں سے کہا تھا کہ جب ہندو ہاتھیوں کے ساتھ حملہ آور ہو جائیں تو تم دھوکہ دہی کے طور پر بھاگ جانا اور جب دشمن پورا نرغے میں آ جائے تو پلٹ کر اسے کاٹ کر رکھ دینا۔ چنانچہ 588ھ میں دریائے سرستی کے مقام پر یہ قیامت خیز جنگ شروع ہوئی۔ تین لاکھ ہندو افواج ہیں اور ایک لاکھ سے کچھ زیادہ مسلمان لشکر ہے۔ دن بھر لڑائی جاری رہی مگر فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر کار شہاب الدین غوری افغانی اپنے بارہ ہزار خصوصی دستے کے ساتھ ہندو راجاؤں پر جھپٹ پڑے اور ایسا زبردست حملہ کیا کہ ہندوؤں کے قدم اکھڑ گئے اور دیکھتے دیکھتے ''کھانڈے رائے'' مارا گیا جو ہندوؤں کا بڑا راجہ تھا۔ اسی طرح رائے پتھورا مارا گیا اور بڑے راجا ہلاک ہو گئے اور لشکر اسلام نے سرستی، سمانہ ہانی اور کہرام وغیرہ مشہور قلعوں پر قبضہ کر لیا اور ان پر اسلامی جھنڈے لہرانے لگے پھر شہاب الدین نے بنارس، قنوج چندواڑہ اور اٹاوہ کے قریب ہندو افواج سے گھمسان کی جنگیں لڑیں اور ہندوستان کا انتظام قطب الدین ایبک کے حوالہ کر کے واپس چلا گیا۔ اس کے بعد باقی ماندہ علاقوں پر قطب الدین ایبک نے کارروائی کی۔

592ھ میں پھر شہاب الدین نے ہندوستان پر حملہ کیا اور ''بیانہ'' کو فتح کیا 593ھ میں شہاب الدین نے پھر ہندوستان پر حملہ کیا اور نہروالہ کو فتح کیا 599ھ میں مسلمانوں نے بدایوں اور کالنجر کے قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ الغرض ہندوستان کے تمام فتنوں کو مٹانے کے بعد شہاب الدین 602ھ میں لاہور سے غزنی کی طرف واپس چلا گیا۔ 2 شعبان 602ھ میں بیس راجپوتوں نے خفیہ طور پر دریائے سندھ کے کنارے شہاب الدین پر رات کے وقت حملہ کر دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر چھریوں اور چاقوؤں کے 22 گہرے زخم لگائے گئے تھے۔ محمد شہاب الدین غوری کا سخت مقابلہ ہندوستان کے راجہ پرتھوی راج سے ہوا تھا۔ ایک دفعہ پرتھوی نے محمد غوری کو شکست دے دی لیکن دوسری دفعہ غوری نے ایسا حملہ کیا کہ پرتھوی ہی کو قتل کر دیا۔ آج کل ہندوستان نے اسی راجہ کے نام پر

پرتھوی میزائل بنایا ہے، جس کے جواب میں پاکستان نے غوری میزائل بنا دیا۔ یہ دونوں حکومتوں کے تاریخی اشارے ہیں۔ محمد غوری کے بعد قطب الدین ایبک نے ہندوستان کے ہندوؤں پر زبردست حملے جاری رکھے اور بت پرستوں اور گاؤ ماتا کے پجاریوں کے خلاف جہاد مقدس کا علم بلند رکھا۔ 589ھ میں قطب الدین ایبک نے راجہ ''جیتوان'' کو شکست دے دی۔

599ھ میں قطب الدین نے قلعہ کول پر قبضہ کرلیا پھر آپ نے راجہ بنارس سے مقابلہ اوران کوشکست دے دی۔ اس کے بعد قطب الدین ایبک نے دہلی اور اجمیر کی شورش کو دبا دیا اور پورے علاقے کو قابو میں کرلیا اور پھر نتر ان کے راجپوتوں کو قطب الدین نے کئی مشکلات کے بعد شکست دے دی۔ اس کے بعد 593ھ کو قطب الدین نے گجرات پر قبضہ کرلیا۔ 599ھ میں قطب الدین نے کالنجر پر حملہ کیا اور دشمن پر غالب رہا۔ یاد رہے کہ ہندوستان کے راجا بہت غدار تھے، اگر آج انہوں نے معاہدہ کیا تو فرصت پاتے ہی کل انہوں نے معاہدہ توڑ بھی دیا یہی وجہ ہے کہ ایک ایک علاقے پر کئی کئی بار حملے ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ شہاب الدین غوری افغانستان کے صوبہ غور کے رہنے والے تھے۔

شمس الدین التمش

سلطان شمس الدین التمش نے بھی ہندوستان پر کئی حملے کیے ہیں اور جہاد کا علم ایک عرصے تک بلند رکھا۔ بہادری اور جرأت وشجاعت میں التمش اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے تنہا اپنی تلوار سے بارہ ہزار راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور راجپوتوں کو شکست فاش دے دی، جس پر بطور انعام التمش امیر الامراء کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ تخت نشینی کے بعد سلطان التمش نے جالوڑ پر لشکر کشی کی اور ''اڑیسہ'' کو شکست فاش دے دی۔ اس کے بعد یلدوز سے جنگ ہوئی جس میں التمش غالب آ گئے۔ 614ھ سے 618ھ تک التمش کی بڑی جنگیں ہوئیں۔ کچھ خالص کافروں سے اور کچھ برائے نام مسلمانوں سے ہوئی جس میں التمش غالب رہے۔ پھر 622ھ میں آپ نے لکھنوتی اور بہار پر لشکر کشی کی اور سب کو

مطیع بنایا، کچھ مارے گئے اور کچھ بھاگ گئے۔ التمش کے زمانہ میں دہلی مرکز اور ہندوستان کی حکومت کا دار السلطنت تھا اس لیے التمش ضروری امور سے فارغ ہو کر دہلی واپس آ گئے، آپ نے ایسا بار بار کیا۔

623ھ میں التمش نے ''رنتھنبور'' کا مضبوط قلعہ فتح کر لیا اور 626ھ میں زعماء وطن اور دربار خلافت کی طرف سے التمش کی تاجپوشی ہوگئی۔ 626ھ میں التمش نے قلعہ گوالیار دوبارہ اپنے قبضے میں کر لیا اور راجہ دیوبل رات کے وقت ایک سال کے محاصرے کے بعد آنکھوں سے اوجھل ہو کر فرار ہو گیا اور ایک سال کے بعد اہل قلعہ نے دروازے کھول دیے اور مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر کے بڑا مال دولت ہاتھ میں کر لیا اور 631ھ میں التمش نے مالوہ پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ ایک شاعر نے اس وقت فارسی کے یہ شعر کہے تھے۔

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطین بگرفت
از عون خدا و نصرت دیں بگرفت
آں قلعہ گوالیار آں حصن حصین
درستۃ ماء ۃ سنہ و ثلاثین بگرفت

التمش نے برصغیر میں 32 سال تک کامیاب حکومت کی ہے۔

جلال الدین فیروز شاہ خلجی

اسلام کی سربلندی کے لیے خلجی امراء نے بھی ہندوستان میں بڑے معرکے لڑے ہیں۔ ابتدائی جنگ تو باہمی چپقلش کے نتیجے میں ہوئی جو ملک چھجو سے لڑی گئی۔ ہندوؤں سے ان کی پہلی جنگ ''رنتھنبور'' قلعہ پر ہوئی۔ اس قلعہ کے آس پاس بہت سے علاقے اسلام کے ماتحت آ گئے اور قلعہ قبضہ کیے بغیر چھوڑ دیا گیا۔ 692ھ میں جلال الدین خلجی نے مندو کے قلعہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے دیوگڑھ کو فتح کر لیا گیا اور اسلام کا جھنڈا پوری قوت سے ہندوستان پر لہرانے لگا۔ پھر بعد جلال الدین کے بیٹے علاؤ الدین نے علم جہاد بلند کیا۔ اگرچہ ایک طویل عرصہ تک باہمی ناراضگیوں میں

وقت صرف ہوا تاہم علاؤالدین خلجی نے ہندوستان کے راجاؤں کے خلاف بہت زیادہ جنگی معرکے لڑے ہیں اور اسلام کی خدمت کی ہے۔

مغل بادشاہ غازی ظہیرالدین بابر

ظہیرالدین محمد بابر حاکم فرغانہ عمر شیخ مرزا کا بیٹا تھا 888 ہجری میں فرغانہ میں پیدا ہوئے، باپ کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔ مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور حکومت و بادشاہت کے لیے رسہ کشی جاری تھی کہ 903ھ میں بابر سمرقند کے تخت پر قابض ہو گیا مگر باہمی خلفشار سے اتنا تنگ آ گیا کہ کسی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ چنانچہ آپ ایک دفعہ مشورہ کے لیے حاکم ترند امیر محمد کے پاس گئے اور پریشانی کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہاں کی زمین آپ کے لیے سازگار نہیں۔ ازبک قوم نے ان اطراف کا ماحول ڈاکہ زنی اور فساد سے خراب کیا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ کسی اور ملک میں چلے جائیں انہوں نے بابر کو کابل پر قبضہ کرنے کا اشارہ دیا۔ چنانچہ 910ھ میں بابر نے افغانستان کے دارالحکومت کابل پر قبضہ کر لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کابل کی حکومت کسی ایک آدمی کے ہاتھ میں نہیں تھی اس لیے ضروری تھا کہ کابل حکومت کسی طاقتور حکمران کے ہاتھ میں ہو۔ بابر نے فتح کابل کے بعد آس پاس کے علاقہ جات پر بھی قبضہ کر لیا اور ہزارہ جات و اطراف ہرات پر بھی ان کی حکومت مستحکم ہو گئی، غزنی وغیرہ علاقے آپ کے ہاتھ میں آ گئے اور آخر کار قندھار کو بھی بابر نے لے لیا۔

ظہیرالدین بابر نے سب سے پہلا جو کہ حملہ ہندوستان پر کیا وہ 913 ہجری میں تھا لیکن یہ حملہ کامیاب نہیں ہوا اور بابر کو ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب شنگھر سے واپس کابل جانا پڑا۔ اسی سال بابر کا بیٹا ہمایوں پیدا ہوا اور بابر نے ہندوستان پر پانچ بڑے حملے کر کے اسے فتح کر لیا۔

بابر کا ہندوستان پر پہلا حملہ

925 ہجری میں محمد بابر نے دریائے سندھ کے کنارے تک فاتحانہ مارچ کیا پھر

اباسین یعنی دریائے سندھ کو پار کر کے پنجاب کے فوجی علاقوں پر حملہ کر دیا اور یہ حملہ دوآبہ سندھ تک جاری رہا۔ ہندوستان کی حکومت میں طوائف الملوکی تھی۔ کچھ علاقوں پر سابق افغانی قابض تھے اور بیشتر علاقے ہندو راجاؤں کے ہاتھ میں تھے اس لیے بابر کی مستحکم قوت کے سامنے کسی کا ٹھہرنا آسان نہیں تھا۔

دوسرا حملہ

925ہجری میں بابر نے لاہور پر حملہ کیا مگر پیچھے بدخشاں میں ایک شورش اٹھی تو بابر نے اس حملہ کو ادھورا چھوڑا اور واپس کابل چلا گیا البتہ بابر نے لاہور کے اس حملے کو جاری رکھنے کے لیے اپنے ایک نائب کو مقرر کیا جس نے اس کو عملی جامہ پہنایا مگر لاہور مکمل طور پر فتح نہ ہو سکا۔

تیسرا حملہ

926ہجری میں بابر شاہ نے نہایت تزک واحتشام اور جرأت وشجاعت سے ہندوستان پر تیسرا حملہ کیا اور فاتحانہ انداز سے سیالکوٹ میں داخل ہو گئے۔ سیالکوٹ والے تو بغیر جنگ کے تسلیم ہو گئے البتہ سید پور کے لوگوں نے سخت مقابلہ کیا۔ بابری لشکر نے انہیں تباہ کر کے رکھ دیا اور تیس ہزار غلام ہاتھ آئے اور بے تحاشا مال غنیمت حاصل ہوا۔

چوتھا حملہ

930ہجری میں محمد بابر شاہ نے ہندوستان پر چوتھا حملہ کیا اور لاہور سے چھ میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہو گیا۔ پنجاب کے امراء نے بڑا سخت مقابلہ کیا۔ یہاں کچھ باغی مسلمان امیر بھی تھے اور کچھ ہندو امراء بھی تھے، سب نے مل کر پنجاب میں قیامت برپا کی۔ بہت بڑی لڑائی اور خونریزی کے بعد پنجاب کے امراء کو شکست ہوئی اور بابر بڑی شان وشوکت سے لاہور میں داخل ہوئے۔

پانچواں حملہ

930ہجری میں پھر بابر کو ہندوستان پر حملہ کا شوق پیدا ہو گیا۔ اس دفعہ بادشاہ کے

ساتھ ان کا جواں سال شہزادہ بھی تھا اور بدخشاں وغیرہ اطراف کا آزمودہ جنگ لشکر بھی تھا۔ بابر لاہور اور سیالکوٹ سے ہوتا ہوا جالندھر پہنچا، ابراہیم لودھی سے سخت معرکے ہوئے، بابر بارہ ہزار لشکر کے ساتھ جبکہ ابراہیم لودھی کے ساتھ ایک لاکھ فوج تھی جس میں ایک ہزار جنگی ہاتھی بھی تھے۔

پانی پت کے علاقے میں دونوں افواج کی بڑی سخت جنگ ہوئی۔ ابراہیم کی افواج کو شکست ہوگئی اور بابر آگے بڑھتا ہوا دریائے جمنا کے کنارے تک پہنچ گیا اور بچے کھچے باغیوں اور راجاؤں کو ہلاک کرتا چلا گیا یہاں تک کہ بابر نے آگرہ آ کر اس پر بھی قبضہ کرلیا اور پھر شاہان ہند کے خزانوں کا معائنہ کیا اور اپنی افواج کو عنایات سے نوازا۔

رانا سانگا سے جنگ

رانا سانگا ہندوستان کے راجاؤں میں سے بڑا تھا۔ یہ راجہ میوات کا جدی پشتی حکمران چلا آرہا تھا۔ بابر کے حملے کے وقت تقریباً ایک لاکھ راجپوت رانا کے تابع تھے۔ اس کے علاوہ ابراہیم لودھی کے بہت سے امیر بھی رانا سے مل گئے تھے۔ معمور خان بھی دس ہزار لشکر لے کر رانا سے مل گیا۔ مارواڑ کے تمام راجے ''پریم دیو، نرسنگی دیو، میدنی رائے، راجہ چندیری، راولدیو، راجہ دونگ، چندر بھان چوہان، مانک چند اور رائے دلیپ وغیرہ بھی پچاس ساٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ رانا سانگا سے آملے۔ حسن خان میواتی بھی دس ہزار لشکر لے کر رانا کی مدد کے لیے آیا۔ غرض یہ تمام سردار دولاکھ سواروں کا لشکر عظیم لے کر بابر کے مقابلے پر آئے اور عہد کیا کہ ہندوستان کو اب مغلوں سے پاک کریں گے۔ بابر اپنے قابل اعتماد لشکر کو لے کر آگرہ سے چل کر قصبہ ''مالوہ'' میں آکر قیام پذیر ہوا۔ بابر کی فوج چوبیس ہزار کی تعداد میں تھی۔ وقت کے نجومیوں اور دوراندیشوں نے بابر کو جنگ کرنے سے منع کردیا لیکن بابر نے کسی کی بات نہیں مانی اور لشکر کو اس طرح دشمن کے سامنے مرتب کیا کہ ہر افسر اور ہر سپاہی مرنے مارنے کے لیے اپنی جگہ پر کھڑا ہوگیا۔

ابھی دن کا پورا آغاز نہیں ہوا تھا کہ جنگ کا آغاز ہوگیا اور ہندوستانی افواج معرکہ

کارزار میں اتر آئیں۔ شان وشکوہ اور جاہ وحشمت سے زمین لرز گئی اور قیامت خیز معرکہ سے طرفین میں ہلچل مچ گئی۔

بابر نے اپنی افواج کے سامنے ایک زوردار خطبہ دیا اور رجوع الی اللہ کے سارے راستے اپنائے۔ ہندو بھی جوش انتقام میں تھے۔ سب سے پہلے ہندوؤں نے بڑی شان سے مسلمانوں کی فوج پر حملہ کر دیا یہ حملہ ایک طرف سے میمنہ پر تھا۔

یہ دیکھتے ہی مسلمانوں نے عقب سے ہندوؤں کے اسی حصہ پر حملہ کر دیا اور پھر بابر نے مغلوں کے طریق جنگ پر چاروں طرف سے حملہ کا حکم دے دیا۔ جس جگہ فوج کی مدد کی ضرورت ہوتی فوج کا بڑا حصہ اسی طرف جاتا۔ لشکر اسلام نے جنگ میں بڑی بہادری سے کام لیا اور بڑی حکمت عملی کو اپنایا۔ صبح سے یہ جنگ شام کے چار بجے تک جاری تھی۔ ہندو فوج بھی بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کر رہی تھی کہ اچانک بابر نے قلب لشکر سے اپنے خاص جوانوں کے ساتھ دشمن پر زبردست حملہ کر دیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد ہندوؤں کے پیر میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور حسن خان میواتی مارا گیا، رائے راول دیو تباہ ہو گیا، چند بھان چوہان چور چور ہو گیا، مانگ چند کے پرزے اڑ گئے اور کرم سنگھ راجپوت ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ لشکر اسلام غالب آ گیا اور لشکر کفار مغلوب ہو گیا۔ رانا سانگا بڑی مشکل سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس عظیم فتح کے بعد سرکاری طور پر بابر کے ساتھ ''غازی'' کا لفظ بطور اعزاز لگا دیا گیا۔

مقتولین کے بارے میں بابر نے حکم دیا تھا کہ جتنے کفار مارے گئے ہیں پہاڑ کی چوٹی پر ان کے سروں سے ایک مینار تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ دشمنوں کے سروں سے ایک اونچا مینار تعمیر کیا گیا تاکہ گاؤ ماتا کے پجاری آئندہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے شیروں کو حقیر نہ سمجھیں۔ بابر نے ایک نجومی کو بلا کر قتل کیا کیونکہ حملہ کے وقت اس نے کہا تھا کہ بابر کو حملہ نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ فلاں ستارہ اس وقت اس کے حق میں مناسب نہیں ہے، اگر حملہ کرے گا تو شکست کھائے گا۔ جب شکست کی بجائے عظیم فتح نصیب ہوئی تو بابر نے

اسے قتل کر دیا۔ بابر کبھی کبھی جہاد اور تلوار سے متعلق یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

عروس ملک کسے در کنار گیرد چست
کہ بوسہ برلب شمشیر آبدار زند

(حکومت کی خوبصورت دلہن وہی شخص بغل میں مضبوط رکھ سکتا ہے جو تیز دھار چمکدار تلوار کی دھار کا بوسہ لے سکتا ہے)

ظہیر الدین بابر نے اس عظیم فتح کے بعد قلعہ ارک کو فتح کر لیا اور کثیر تعداد میں ہندوؤں کو قتل کیا۔ 935 ہجری میں بابر نے گوالیار کے قلعہ کو بڑی آسانی سے فتح کر لیا اور پھر واپس آگرہ میں آئے اور بیمار ہو گئے یہ بیماری بڑھتی گئی اور آخر کار 937 ہجری میں بابر کا انتقال ہو گیا۔ آپ کا ولی عہد ہمایوں تھا۔ بابر کی وصیت تھی کہ میری لاش کابل لے جائی جائے۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اور بابر کو کابل میں دفن کر دیا گیا۔

ہندوستان میں بابری مسجد بادشاہ بابر کی فتوحات کی ایک تاریخی یادگار تھی جو ہندوؤں نے گرادی تاکہ اس تاریخ کو چھپایا جا سکے۔ مگر یہ تاریخ چھپتی نہیں بلکہ اب زیادہ اجاگر ہو رہی ہے۔ ان شاء اللہ اسلام کے محافظین خود اس مسجد کو تعمیر کریں گے۔

نصیر الدین ہمایوں کے حملے

بابر کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا اور اس نے بھی جہاد کا علم بلند کیا۔ مقامی بغاوتوں کو بھی کچل دیا اور ہندوؤں سے بڑی جنگیں بھی لڑیں۔ یہ ایک نیک سیرت، حمیدہ اخلاق اور خدا پرست بادشاہ تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عالم دین تھے۔ 918ھ میں ہمایوں نے کالنجر کے قلعہ پر حملہ کیا اور محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کو اس علاقے کا گورنر مقرر کیا تھا۔

941 ہجری میں ہمایوں اور باغی بہادر شاہ کے درمیان سخت جنگ ہوئی اور قلعہ چتوڑ ہمایوں نے فتح کر لیا اور آگے بڑھتے ہوئے گجراتیوں پر حملہ کیا اور پھر مفرور بہادر شاہ کا تعاقب کیا اور قلعہ پر قبضہ کر لیا پھر ہمایوں نے گجرات میں احمد آباد پر حملہ کر کے اسے فتح

کرلیا اور آگے برہان پور کی طرف روانہ ہوا اور جنگ کر کے اسے بھی فتح کرلیا پھر ہمایوں نے بنگالہ پر 945 ہجری میں حملہ کیا اور اس پر قبضہ کرلیا۔

مگر شیر خان سے مقابلے میں ہمایوں کو بہت مشکلات پیش آئیں ۔بعض دفعہ آپ کو بری طرح شکست ہوئی اور آپ بھاگ بھی گئے ۔ہمایوں نے سہوان کا محاصرہ سات ماہ تک جاری رکھا۔ 949 ہجری میں ہمایوں کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام جلال الدین اکبر رکھا گیا جو بعد میں ایک طاقت ور بادشاہ کی حیثیت سے ابھرا مگر اس کے خیالات میں خطرناک قسم کے تصورات بھی تھے۔ ہمایوں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور قلعہ چٹار کو آپ نے فتح کیا۔ گجرات میں کارروائیاں ہوئیں اور قلعہ رہتاس پر سرکاری لشکر نے قبضہ کرلیا۔

مغل بادشاہوں میں جلال الدین اکبر مشہور بادشاہ گزرا ہے مگر وہ اسلام اور مسلمانوں کی بجائے ہندوؤں کا وفادار بن گیا اور روافض نے اسے گمراہ کر کے رسوائے زمانہ بنا کر چھوڑ دیا۔ میں نے بھی اس کا قصہ چھوڑ دیا۔

شیر شاہ سوری

شیر شاہ سوری نے بھی ہندوستان پر بہت حملے کیے ہیں۔ چنانچہ دس محرم 947 ہجری میں شیر شاہ سوری نے اپنے حملوں کا آغاز کیا۔ قلعہ کے لوگ جب بھاگنے لگے تو شیر شاہ نے ان کا تعاقب لاہور تک کیا۔ 949 ہجری میں شیر شاہ سوری نے مالوہ پر حملہ کیا اور اسے فتح کرلیا پھر ملتان کی اصلاح کی۔ اس کے بعد پورن مل کے لوگوں نے بغاوت کی تو شیر شاہ ان کی سرکوبی کے لیے وہاں گیا اور اصلاح کر کے واپس آ گیا۔

شیر شاہ سوری جب اس علاقے سے فارغ ہوئے تو آپ نے مارواڑیوں کے قلعہ پر حملہ کر دیا اور اسے بڑے شاندار انداز سے فتح کرلیا پھر کالنجر پر شیر شاہ نے حملہ کیا اور اس پر قبضہ کرلیا۔

پھر جلال الدین اکبر نے اپنے ابتدائی عہد حکومت میں ہندوستان کے مختلف علاقوں پر حملے کر کے ہندوؤں کو زیر کیا اور طویل حکومت کی لیکن پھر وہ شیعہ رافضیہ کے جال میں پھنس

کر ملحد بن گیا۔ ہندوستان پر شاہان دکن نے بھی حکومت کی اور سلاطین جہنیہ نے بھی حکومت کی ہے۔ ان میں جس بادشاہ نے سب سے زیادہ جہاد کیا ہے وہ محمد شاہ جہنی ہے۔ اس کے بعد اس کے بیٹے مجاہد شاہ نے بھی بہت معرکے لڑے ہیں۔ الغرض برصغیر پر مسلسل جہاد کا عمل جاری رہا ہے اور حسب توفیق ہر اسلامی فرمانروا نے جہاد ہند کی فضیلت کی روشنی میں ہندوستان پر جہاد کیا ہے اور ساڑھے چھ سو سال تک مسلمانوں نے ہندوستان پر حکومت کی ہے لیکن جب جہاد کا عمل مسلمانوں اور خاص کر حکمرانوں کے عمل سے نکل گیا تو زمام اقتدار بھی ان کے ہاتھ سے چلی گئی اور انگریز نے برصغیر پر قبضہ بھی جمالیا اور مسلمانوں کی دفاعی لائن جہاد کو توڑنے کی بڑی سازشیں بھی کیں۔

نورالدین محمد جہانگیر

جہانگیر جلال الدین اکبر کا بیٹا تھا۔ اکبر بادشاہ نے اسے اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ جلال الدین اکبر کے مرنے کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا اور اس کو جہانگیر غازی کا لقب دیا گیا۔ اپنے والد کے ساتھ جہانگیر نے کئی جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ بادشاہ بنتے ہی اپنے بیٹے کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا مگر بیٹا ناکام ہوگیا۔ پھر بنگال کی بغاوت جہانگیر نے کچل دی اور اسی طرح دکن کی بغاوتیں توڑ دیں پھر ان کے دوسرے بیٹے شاہ جہاں نے بغاوت کا علم بلند کیا مگر ناکام ہوگیا۔ یہ سب جہانگیر کی بیوی نور جہاں اور اس کی شیعہ پارٹی کی شرارت تھی۔ 1627ء میں 58 سال کی عمر میں جہانگیر کا انتقال ہوگیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدین محمد شاہ جہاں تخت نشین ہوا۔ شاہجہان کے سامنے بھی بہت ساری بغاوتیں تھیں راجہ جھجھر سنگھ نے بغاوت کی شاہ جہاں نے اسے کچل دیا۔ لودھیوں نے بغاوت کی اس کا مقابلہ کیا پھر پرتگالیوں نے بنگال میں علم بغاوت بلند کیا اور مسلمانوں کو عیسائی بنانا شروع کیا تو شاہ جہاں نے ان کے خلاف جنگ لڑی اور فتح پائی۔

گولکنڈہ اور بیجاپور میں بغاوتیں ہوئیں اسے ٹھنڈا کیا۔ افغانستان کے صوبہ بدخشاں اور بلخ یعنی مزار شریف میں بغاوت ہوئی تو شاہجہان نے اس کا سر کچل دیا پھر قندھار میں

بغاوت ہوئی مگر کئی جنگوں کے باوجود شاہ جہاں قندھار کو قابو نہ کر سکا۔ شاہ جہاں جب بیمار ہو گیا تو اس کے بیٹوں کے درمیان تخت نشینی کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چار بیٹے تھے اور ہر ایک کو مفسدین نے اپنے جال میں پھنسا رکھا تھا۔ لہٰذا جگہ جگہ اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی اور بھائی آپس میں ایسے لڑے کہ شاہ جہاں کو بھی جیل جانا پڑا۔ ''دھرمت'' کی زبردست جنگ ہوئی پھر بھائیوں کے درمیان ساموگڑھ کی لڑائی ہوئی جس میں اورنگ زیب عالمگیر غالب آیا اور خود شاہجہاں اس لڑائی کے نتیجہ میں قید ہو گیا اور بیٹے نے اسے جیل میں ڈال دیا۔ 1666ء میں اس کا جیل کے اندر انتقال ہو گیا اور اورنگ زیب عالمگیر تخت پر مکمل قابض ہو گیا۔ اس حصول اقتدار کے پیچھے مذہبی رنگ غالب تھا کیونکہ جلال الدین اکبر کے زمانہ سے ان بادشاہوں نے مذہب کا رنگ بدل دیا تھا جس میں شیعوں کا کردار بنیادی تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحریکیں اسی پس منظر میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ برصغیر پر شاہ جہاں نے یادگار تعمیرات کے ایسے نقوش چھوڑے ہیں جو کئی صدیاں گزرنے کے باوجود روشن ہیں۔

برصغیر میں مسلمان بادشاہوں کا زوال

برصغیر میں مغل مسلمان بادشاہوں کے زوال پر اہل تاریخ نے اپنے اپنے انداز سے تبصرے کیے ہیں۔ میرے خیال میں دو سبب ایسے تھے جن سے مغل بادشاہتیں ہل گئیں اور زمین بوس ہو گئیں۔

(1) وہ یہ کہ ان بادشاہوں نے جب علاقوں کو فتح کیا تو فاتح کی حیثیت سے مفتوح قوم سے پیش نہیں آئے بلکہ حسن اخلاق اور رواداری میں اتنے آگے ہو گئے کہ غیر مسلموں پر نوازشیں کیں۔ اس طرح ہر جگہ غیر مسلموں کی طاقت کچھ نہ کچھ باقی رہی اور اسی طاقت نے دوسرے وقت میں سر اٹھایا اور بغاوت کی۔

(2) دوسرا سبب یہ کہ ان بادشاہوں نے روافض اور شیعوں کو ملکی امور میں داخل کیا اور شیعہ لڑکیوں سے نکاح کیے اور ان کی عورتوں کو بادشاہت کے دل پر لا کر بٹھا دیا انہی عورتوں

نے ان جفاکش بادشاہوں کے مزاج کو خراب کر دیا اور وہ اتنے عیاش ہو گئے کہ دشمن کے مقابلہ کے وقت پاش پاش ہو گئے۔

آں راجگان جنگی مخمور گشت و بھنگی
در ملک اوفرنگی آیند غاصبانہ

اس شعر میں نعمت اللہ شاہ ولی صاحب فرماتے ہیں:
وہ جنگی اور بہادر بادشاہ شرابی اور چرسی ہو جائیں گے پھر ان کے ملک ہندوستان میں زبردستی کے ساتھ انگریز آ جائیں گے۔

مغل بادشاہوں کا سنہرا باب

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر:
اورنگ زیب عالمگیر شاہ جہان کا تیسرا بیٹا تھا جو 24 اکتوبر 1618ء کو پیدا ہوا۔ نوعمری میں آپ نے بعض علاقوں کی گورنری کی ذمہ داری سنبھال لی اور جنگی قابلیت کا ثبوت پیش کیا۔ 1658ء میں آپ تخت نشین ہوئے اور فتوحات میں اہم کامیابیاں حاصل کیں جس سے آپ کو ''عالمگیر'' اور ''غازی'' کا لقب مل گیا۔ عالمگیر نے سابق حکمرانوں کی ساری خرابیاں دور کیں اور عیش وعشرت کی زندگی کی بجائے فقیرانہ طرز زندگی اختیار کیا۔ آپ نے بادشاہت کو عیاشی کے لیے نہیں بلکہ خدمت خلق اور احساس ذمہ داری اور فرض شناسی کے لیے قبول کیا۔ آپ نے کئی ناجائز رسومات کو منسوخ کر دیا اور کئی اسلامی اقدار کو زندہ کیا۔ آپ نے ایک مثالی مسلمان کا کردار تخت پر بیٹھ کر ادا کیا۔ مسلمانوں کی حالت کو دوبارہ منظم کرنے کے لیے آپ نے اسلامی فقہ کو از سر نو مرتب کر کے پانچ سال کی طویل مدت میں جید علماء کرام کی ایک بڑی کمیٹی کی سرپرستی میں نظام حکومت چلانے کے لیے قرآن وحدیث کی روشنی میں فتاویٰ عالمگیر مرتب کرایا جس پر دو لاکھ روپے کا خرچہ آیا۔
اورنگ زیب عالمگیر نے ملک میں اٹھنے والی تمام بغاوتوں کو کچل دیا اور ہندوؤں کے اثرات کو کم کر دیا اور غیر مسلموں پر جزیہ مقرر کیا۔

ہندوؤں کی بغاوتیں

متھرا کے جاٹوں نے کئی بار بغاوت کی مگر لشکر اسلام نے ان کی بغاوتوں کو کچل دیا، پھر راجپوتوں کی بندیلی قوم نے بغاوت کی تو اس کے سردار ''چمپت رائے'' کو ہلاک کر دیا گیا اور بغاوت ختم ہوگئی پھر ہندوؤں کے ایک فرقے نے بغاوت کی جس کا نام ستامی فرقہ تھا اورنگ زیب نے اس کے خلاف کارروائی کی اور اس فتنہ کو ختم کیا پھر اس کے بعد سکھوں نے ایک منظم انداز سے بغاوت کی اور ہندوؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اورنگ زیب نے ان کے فساد کو بھی جنگ کے ذریعہ سے ختم کر دیا۔

اس کے بعد راجپوتوں نے جگہ جگہ بغاوت کی مگر اورنگ زیب عالمگیر نے سب کو دبا دیا۔ راجپوتوں سے یہ جھگڑا سیاسی نوعیت کا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر جب دکن کے انتظام کی طرف متوجہ ہوئے تو ہندو اور مرہٹے دونوں مل کر بغاوت پر اتر آئے۔ بیجاپور کے حکمران بھی اس بغاوت میں خفیہ طور پر شریک تھے۔ عالمگیر نے بنفس نفیس بیجاپور کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا اور طویل جنگ ہوئی پھر اورنگ زیب نے ''گولکنڈہ'' کا محاصرہ کیا کیونکہ ان علاقوں کے حکمرانوں نے بغاوت بھی کی تھی اور مرہٹوں کی مدد بھی کی تھی۔ 1687ء میں عالمگیر نے اسے فتح کیا اور اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اورنگ زیب عالمگیر کا 20 فروری 1707ء میں انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے وقت مغلیہ سلطنت کی سرحدیں کابل، آسام، چاٹگام اور کوہ ہمالیہ کے دامن سے منتہائے جنوب تک پھیلی ہوئی تھیں، مگر بعد کے نالائق حکمرانوں نے اس عظیم اسلامی سلطنت کو جہاد ترک کرنے کی وجہ سے ضائع کر دیا۔ اورنگ زیب عالمگیر امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی کی جدوجہد اور انقلابی مکتوبات اور شدید محنتوں سے گزرنے کا نتیجہ تھا، پھر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی نصیحتوں اور خیر خواہانہ دعوت کا بھی ایک اثر ہوا۔

سلطنت مغلیہ کا آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر

سلطنت مغلیہ کے حکمران یکے بعد دیگرے کمزور ہوتے جا رہے تھے اور ہندوستان پر

سات سو سالہ اسلامی حکومت گرتی نظر آ رہی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی کی کوششوں سے اورنگ زیب عالمگیر جیسا منصف متدین اور مضبوط حکمران ہندوستان کو مل چکا تھا لیکن عالمگیر کی وفات کے بعد جتنے بھی مغل بادشاہ آئے تقریباً سب کمزور اور نااہل تھے۔ اس وجہ سے انگریز کا قبضہ اور ان کی ظالمانہ جابرانہ مداخلت بڑھ رہی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے انگریز کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی بڑی کوشش کی مگر یہ سیلاب اب کسی کے روکنے سے رکنے والا نہ تھا۔ علامہ نعمت اللہ شاہ ولی نے اپنی پیشنگوئیوں میں اس کمزوری کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے:

آں راجگان جنگی مخمور گشت وبھنگی
درملک او فرنگی آیند غاصبانہ

یعنی وہ مغل جنگجو اور بہادر بادشاہ شراب و بھنگ پینے والے بن جائیں گے تو ان کے ملک میں انگریز زبردستی سے داخل ہو جائیں گے۔

مغلوں کے آخری فرماں روا بہادر شاہ ظفر کے سامنے یہی انگریز کا سیلاب تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ ہندو مرہٹے جات قوم اور سکھوں کا بھی بہت زیادہ غلبہ تھا۔ بہادر شاہ ظفر نے تقریباً بیس سال تک ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں یہ اپنی زندگی کے آخری لمحات گزار رہے تھے۔ انہوں نے انگریز کا مردانہ وار مقابلہ کیا مگر اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ آخر بہادر شاہ ظفر انگریزوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ انگریز نے ان پر بغاوت کا مقدمہ چلا کر رنگون جیل میں بھیج دیا جہاں 1862ء میں ان کا انتقال ہوا۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ جب بہادر شاہ ظفر کے مقتول شہید بیٹے کا خون آلود سر انگریز نے لا کر طشتری میں ان کے سامنے رکھا تو آپ نے جرأت کا یہ تاریخی جملہ ادا کیا "مسلمانوں کے بیٹے اسی طرح سرخ رو ہو کر ماں باپ کے سامنے آتے ہیں۔" الغرض بابر نے 1526ء میں سلطنت مغلیہ کی جو بنیاد رکھی تھی وہ 1862ء کو ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی اور برصغیر پر مغل خاندان کا 336 سالہ دور حکومت سطح زمین سے مکمل طور پر غائب ہو گیا۔ بچ

ہے کہ ہر چیز فانی ہے صرف اللہ باقی ہے۔

والیٔ افغانستان احمد شاہ ابدالی کے حملے

سرزمین ہند میں انگریز کی سطلنت کو روکنے کے لیے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بڑی کوششیں کیں۔اس سیلاب کو روکنے کے لیے شاہ صاحب کی نگاہ انتخاب دو شخصیتوں پر پڑی جن میں سے ایک ہندوستان کے اندر نواب نجیب الدولہ جبکہ دوسری شخصیت ہندوستان سے باہر والیٔ افغانستان کی تھی جس کا نام احمد شاہ ابدالی تھا۔

نواب نجیب الدولہ میں وہ تمام صفات تھیں جو ایک بادشاہ اور منظم لیڈر میں ہونی چاہئیں۔شاہ صاحب نے ان کے لیے دعائیں بھی کیں اور وصیتیں بھی کیں اور اس شخص نے انگریز کے مقابلے میں اچھے اور کامیاب معرکے بھی سر کیے۔

اس زمانے کے تمام مؤرخین نے نجیب الدولہ کے متعلق اس طرح لکھا ہے:

ایک مؤرخ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی کس خوبی کی سب سے زیادہ تعریف کرے۔ میدان جنگ میں اس کی حیرت انگریز قیادت کی یا مشکلات میں اس کی تیز نگاہ وصحیح رائے کی، یا اس کی اس فطری صلاحیت کی جو اس کو انتشار اور ابتری میں ایسی راہ دکھاتی تھی جس سے نتیجہ اس کے موافق نکل آتا تھا۔حضرت شاہ ولی اللہ نے نواب نجیب الدولہ کو ہندوستان میں مسلح جہاد کی اس وقت دعوت دی جب ہندوستان کے مسلمان مذہبی اور ثقافتی اعتبار سے خطرے میں پڑ گئے تھے۔ ہر طرف سے ہندوؤں نے بغاوتیں کر کے مسلمانوں کو خطرے میں ڈال دیا تھا اور وقت کے مغل حکمران ان کے سامنے بے بس تھے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں حضرت شاہ ولی اللہ نے نواب نجیب الدولہ کو اس طرح لکھا، فارسی خط کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

نواب نجیب الدولہ کے نام حضرت شاہ ولی اللہ کا خط

خدائے عزوجل امیر المجاہدین کو نصرت ظاہر اور تائید واضح کے ساتھ مشرف کرے اور اس عمل کو قبولیت کے درجہ میں پہنچا کر بڑی بڑی رحمتیں اور برکتیں اس پر مرتب کرے۔

ایک اور خط میں شاہ صاحب نجیب الدولہ کو لکھتے ہیں:

فقیر ولی اللہ کی جانب سے سلام محبت قبول ہو اور واضح ہو کہ نصرت مسلمین کے لیے یہاں دعا کی جارہی ہے اور غیبی دربار سے قبولیت کے آثار محسوس ہو رہے ہیں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ پر جہاد کو زندہ فرمائے گا اور اس کی برکات دنیا و آخرت میں عطا فرمائے گا۔

احمد شاہ ابدالی کے حملوں میں کہیں کہیں کچھ بے قاعدگیاں ہوئی تھیں جس پر شاہ صاحب رنجیدہ تھے۔ اس پر آپ نے نجیب الدولہ کو اس طرح ہدایت کی: جب افواج شاہی کا گزر دہلی میں ہو تو اس وقت اس بات کا پورا اہتمام وانتظام ہونا چاہیے کہ یہ شہر، سابق کی طرح ظلم سے پامال نہ ہو جائے۔ دہلی والے کئی بار لوٹ مار، ہتک عزت اور بے آبروئی کا تماشا دیکھ چکے ہیں۔ اسی وجہ سے مطلب برآری اور مقاصد میں تاخیر پیش آرہی ہے آخر مظلوموں کی آہ بھی اثر رکھتی ہے۔ اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ وہ کام جو اب تک نامکمل رہا ہے، مکمل ہو جائے تو اس بات کی پوری تاکید و پابندی ہونی چاہیے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمی کی حیثیت رکھتے ہیں تعرض نہ کرے۔

شاہ صاحب نے جب دیکھا کہ نواب نجیب الدولہ کے ساتھ باہر سے ایک اور ماہر جنگجو کی ضرورت ہے تو آپ نے احمد شاہ ابدالی والئی افغانستان کا انتخاب کیا۔ احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے اور ان کو یہاں لانے اور بلانے میں شاہ صاحب نے نواب نجیب الدولہ ہی کو واسطہ اور ذریعہ بنالیا۔

احمد شاہ ابدالی کے نام شاہ ولی اللہ کا عجیب خط

نواب صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو خطوط لکھے اور پھر شاہ صاحب نے بھی ایک طویل خط میں احمد شاہ ابدالی کو اس طرح مخاطب کیا:

''اس زمانہ میں ایسا بادشاہ جو صاحب اقتدار وشوکت ہو اور لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو، دور اندیش اور جنگ آزما ہو، سوائے آنجناب کے اور کوئی موجود نہیں ہے۔''

ہم بندگان خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بناتے ہیں اور خدائے عزوجل کے نام

پر التماس کرتے ہیں کہ ہمت مبارک کو اس طرف متوجہ فرما کر مخالفین سے مقابلہ کریں تا کہ خدائے تعالیٰ کے ہاں بڑا ثواب جناب کے نامہ اعمال میں لکھا جائے اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی فہرست میں نام درج ہو جائے، دنیا میں بے حساب نعمتیں ملیں اور مسلمان دست کفار سے خلاصی پا جائیں۔

انہی خطوط اور ہندوستان کے ناگفتہ بہ حالات کے تحت احمد شاہ ابدالی نے کابل سے ہندوستان کا رخ کیا اور نجیب الدولہ کی مدد اور مسلمانان ہندوستان کی خلاصی کے لیے ہندوستان پر کئی حملے کیے۔ احمد شاہ ابدالی کے ایک وہ حملے تھے جو نادر شاہ ایرانی کے ساتھ یا اس کے بعد ہندوستان پر تھے، ان سے شاہ ولی اللہ خوش نہیں تھے لیکن بعد میں انگریزوں کے اثرات ختم کرنے کے لیے شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو بلایا اور نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کے شانہ بشانہ انگریز سے لڑنے پر مامور کیا۔ اسی سلسلہ میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کا زور توڑنے کے لیے پانی پت کے میدان جنگ کا رخ کیا اور مرہٹوں کو شکست فاش دی۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب ''تاریخ ہندوستان'' میں پانی پت کی جنگ کا اس طرح منظر پیش کرتا ہے لڑائی میں بڑا گھمسان ہو گیا مگر اب بھی مرہٹوں کا پلہ بھاری تھا احمد شاہ ابدالی نے اپنے بھگوڑے سپاہیوں کو گھیر کر قتل کرنے کا حکم سنایا اور یہ کہہ دیا جو بھاگے گا مارا جائے گا۔ اس کے بعد اس نے اپنی صف کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، ایک سپاہ کو اپنے بائیں طرف دشمن کے بازو پر حملہ کا حکم دیا اور تدبیر کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا۔

قلب لشکر میں ہندو جرنیل گھوڑوں پر اپنے سواروں کو لڑا رہے تھے۔ خنجر اور کھانڈے بازی ہو رہی تھی کہ یکا یک خدا معلوم کیا ہوا کہ مرہٹوں کے لشکر کا قدم میدان جنگ سے اٹھ گیا۔ قدم کا اٹھنا تھا کہ میدان جنگ ان کے مُردوں سے بھر گیا۔ لشکر اسلام نے ان کا تعاقب بڑے جوش و خروش سے ہر جانب سے پندرہ پندرہ بیس بیس میل تک کیا اور مرہٹوں کو مار مار کر ڈھیر لگا دیا، جو مرہٹے ان دشمنوں کے ہاتھوں سے بچ گئے ان کو دیہاتیوں نے مار ڈالا۔ مرہٹوں کے دو بڑے جرنیل مارے گئے۔ مرہٹوں کو ایسی شکست کبھی نہیں ہوئی تھی

نہ ایسی مصیبت کبھی پڑی تھی۔ اس سے ساری قوم کا دل افسردہ ہو گیا اور اس صدمہ سے (مرہٹی لیڈر) بالا جی بھی تھوڑے دنوں کے بعد مر گیا۔ جب اس نے اس شکست کی خبر سنی تھی تو اس نے ایک مندر میں بیٹھ کر سنسکرت پڑھانا اختیار کر لیا۔ (دعوت عزیمت)

پروفیسر خلیق احمد لکھتے ہیں:

جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کو دہلی بلانے کی بے حد کوشش کی اور اپنا آدمی بھیجا۔ وہ جب نہ آیا تو احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کی والدہ سے خط لکھوایا۔ احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کو بلانے کی کوشش اس لیے کی تھی کہ وہ انگریزوں کے اثر سے نکل آئے اور دہلی آکر احمد شاہ کی موجودگی میں اپنی طاقت کا استحکام کرے۔ مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں میں اتنی وسعت اور ہمہ گیری نہ تھی کہ وہ ہندوستان کی مرکزیت اور وحدت کو برقرار رکھ سکنے کی تدبیر سوچتے، شاہ صاحب اپنے مجوزہ نظام میں اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب کے زمانہ کی مرکزیت اور سلطنت ہند کا اقتدار اعلیٰ بحال دیکھنا چاہتے تھے۔

اگر مغلیہ سلطنت میں تھوڑی سی بھی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتائج سے فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کو ہندوستان میں پھر کچھ صدیوں کے لیے قائم کر سکتی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت اس وقت بے روح جسم کی مانند تھی۔ جنگ پانی پت کا اصلی فائدہ فاتحین جنگ پلاسی نے اٹھایا۔ (دعوت وعزیمت)

بہر حال اہل ہند اور سلطنت مغلیہ کی ابتری اور طوائف الملوکی کا تقاضا تھا کہ ہندوستان کی اسلامی حیثیت کو ایک بار پھر بحال کیا جائے۔ اسی سلسلے میں احمد شاہ ابدالی نے برصغیر پر 1750ء میں پہلا حملہ کیا جس کے نتیجہ میں آپ نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد احمد شاہ نے 1750ء میں پھر ہندوستان پر حملہ کیا اور پھر 1752ء میں ایک زوردار حملہ کیا جس کے نتیجہ میں آپ نے کشمیر تک تمام علاقے فتح کر لیے۔ اس کے بعد سرہند اور پنجاب بھی احمد شاہ کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے 1756ء میں ہندوستان پر چوتھا بڑا حملہ کیا جس کے نتیجہ میں وہ دہلی تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد احمد شاہ کابل واپس چلا

گیا اور پھر 1761ء میں احمد شاہ نے ہندوستان پر فیصلہ کن حملہ کیا جس کے نتیجہ میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی طاقت پاش پاش ہوگئی اور ہندوستان کی اسلامی حیثیت بحال ہوئی۔ اس وقت احمد شاہ ابدالی کی حکومت تبت تک جا پہنچی اور ادھر افغانستان سے دریائے آموتک اور ایران کے اصفہان اور خراسان تک پھیل گئی۔ پھر احمد شاہ ابدالی کابل واپس ہوگئے اور 1764ء میں آپ کا انتقال ہوگیا اور قندھار کے وسیع علاقہ میں جامع مسجد کے پاس تہ خانہ میں ان کی قبر ہے۔ احمد شاہ ابدالی کی وفات کے بعد ہندوستان میں پھر سکھوں نے سر اٹھایا اور جگہ جگہ بغاوتیں ہونے لگیں۔ شاہ احمد ابدالی نے کابل نام کی بجائے افغانستان کو درودان کا لقب دیا، بعد میں یہی لفظ درانی میں تبدیل ہوگیا، اس لیے احمد شاہ ابدالی درانی کے نام سے مشہور ہوا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

برصغیر پر انگریز کا اقتدار

انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی 1600ء میں ملکہ الزبتھ کے اشارے پر قائم ہوئی تھی۔ اس کمپنی نے 70 ہزار پونڈ کے سرمایہ سے ہندوستان میں کام شروع کیا پھر انگریز تاجروں کی ایک اور کمپنی ''انگلش کمپنی'' کے نام سے 1698ء میں ہندوستان میں آگئی جس نے بیس لاکھ پونڈ سے کاروبار شروع کیا۔ پھر 1708ء میں ان دونوں کمپنیوں نے اتحاد کیا اور یونائیڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے کام شروع کیا۔ تجارت کے ساتھ ساتھ انگریز نے ہندوستان میں کام شروع کیا اور ساتھ ساتھ سیاست میں بھی حصہ لیا۔ چنانچہ برطانیہ کے انگریزوں اور فرانسیسی کمپنی کے درمیان تجارتی اور سیاسی دونوں قسم کی رقابتیں شروع ہوگئیں۔ رقابت وسیاست سے بڑھ کر اب کفار آپس میں مسلمانوں کی میراث پر لڑنے لگے اور مسلمان خاموش وعیش پرستی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان 1746ء میں کرناٹک میں پہلی جنگ ہوئی۔ اس کے بعد انہی دو استعماری طاقتوں کے درمیان توسیع پسندی کے عزائم کے پیش نظر کرناٹک کی دوسری جنگ 1748ء میں

ہوئی جس میں فرانسیسی غالب آ گئے۔

اسی توسیع پسندانہ عزائم کے تحت برطانیہ اور فرانس کے کفار ہندوستان کی اسلامی زمین پر حصول اقتدار کے لیے کرناٹک کی تیسری جنگ کے لیے میدان میں کود پڑے اور سات سال تک ان کی جنگ رہی۔ آخر انگریز برطانیہ فرانس پر غالب آیا اور برصغیر سے فرانسیسیوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور صرف ایک فرنگی طاقت ہندوستان میں مسلمانوں کے مقابلے میں قائم ہو گئی۔ مسلمان حکمرانوں میں سراج الدولہ ایک غیور حکمران تھا جو انگریزی اقتدار کو قطعاً پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے انگریز کا مقابلہ شروع کیا مگر اس کا کمانڈر ایک بے ایمان شیعہ منافق میر جعفر تھا۔ انگریز نے اس کو لالچ دی تھی کہ سراج الدولہ کے بعد اس کو نواب بنا دیں گے۔

چنانچہ 1757ء میں جنگ پلاسی ہوئی تو نواب سراج الدولہ نے شیعہ میر جعفر پر اعتماد کیا لیکن اس نے ان کو دھوکہ دیا۔ جنگ میں مخلص مسلمان مارے گئے اور میر جعفر تماشا دیکھتا رہا پھر سراج الدولہ گرفتار ہو گیا اور میر جعفر نے اپنے ہاتھوں سے اسے قتل کیا انگریز نے میر جعفر کو نواب بنا دیا اور بنگال پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا۔

جنگ پلاسی میں مسلمانوں کی شکست برصغیر کے لیے بڑا دھچکا تھی۔ میر جعفر و میر صادق نے نفاق کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ مسلمانوں نے پھر اپنی قوت کو ایک حد تک مجتمع کر لیا اور 1764ء میں انگریزوں سے ایک جنگ ہوئی جو جنگ بکسر کے نام سے مشہور ہے۔ منافقین کے نفاق سے اس بار پھر مسلمانوں کو شکست ہوئی اور انگریز نے میر جعفر کو دوبارہ نواب بنا دیا اور اس کی موت پر اس کے بیٹے نجم الدولہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ جنگ بکسر کی شکست سے مسلمان قوت پارہ پارہ ہو گئی۔

حیدر علی اور ٹیپو سلطان شہیدؒ

حیدر علی اور ٹیپو سلطان باپ بیٹا ہیں اور یہ دونوں برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کے ہیرو ہیں۔ انہوں نے انگریزوں کے اقتدار کی پرزور مخالفت کی۔ باپ بیٹے دونوں کا شمار بڑے

مجاہدین میں کیا جاتا ہے۔ انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ کی جنگ آزادی میں نئی روح ڈالی اور اگر ہندوستان کے ہندوستانی ان کے ساتھ متحد رہتے تو شاید تاریخ باہر سے آئے ہوئے لٹیرے انگریزوں کی داستان کچھ اور لکھ لیتی جو قابل عبرت ہوتی۔

حیدر علی کے ایک قریشی خاندان میں 1727ء میں پیدا ہوا۔ یہ خاندان بغداد سے برصغیر آیا تھا اور دکن میں آباد ہو گیا تھا۔ اس کے تمام افراد جنگجو اور نڈر سپاہی تھے۔ حیدر علی ایک نڈر اور ماہر جنگ فوجی جرنیل بن گیا تھا اور رفتہ رفتہ وہ میسور کا حکمران بن گیا۔ مرہٹوں نے آپ کی سخت مخالفت کی اور کئی جنگیں ہوئیں۔ آخر کار حیدر علی نے شکست کھائی لیکن جب مرہٹوں کے بڑے لیڈر کا انتقال ہو گیا تو حیدر علی نے کئی علاقوں کو فتح کر لیا۔

1767ء میں انگریزوں نے حیدر علی کی افواج پر میسور میں اس وجہ سے حملہ کر دیا کہ کہیں حیدر علی انگریزوں پر غالب نہ آ جائے۔ حیدر علی نے نظام کی افواج اور مرہٹوں سے انگریز کے مقابلے کے لیے جنگی معاہدہ کر لیا اور تینوں افواج نے انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ میسور کی پہلی جنگ تھی، اس جنگ میں انگریز غالب رہے اور نظام نے انگریزوں سے معاہدہ کر لیا۔ لیکن حیدر علی نے جنگ جاری رکھی اور انگریزوں پر حملہ کر کے کرناٹک کو روندتا ہوا مدراس جا پہنچا اور انگریزوں کو جھک کر جنگ بند کرنا پڑی، وہ صلح پر راضی ہو گئے۔ ادھر مرہٹوں نے پھر غداری کی اور حیدر علی پر حملہ کر دیا۔ یہ 1770ء میں میسور پر دوسرا حملہ تھا حیدر علی نے انگریزوں کو سر اٹھانے نہ دیا اور ایک متحدہ محاذ بنا کر نظام اور مرہٹوں کو راضی کر لیا اور انگریز کے مقابلہ پر آ گیا۔ اس وقت 1776ء میں امریکا کی جنگ آزادی بھی شروع ہو چکی تھی۔ اس آزادی میں فرانس والوں نے امریکا کا ساتھ دیا جس کا اثر برصغیر پر بھی پڑا۔ حیدر علی نے یہاں انگریزوں پر حملہ کر دیا اور 1780ء میں کافی علاقوں پر قبضہ کر لیا مگر غداروں کی غداری کی وجہ سے ایک اور جنگ میں حیدر علی کو شکست ہو گئی۔ اس کے بعد حیدر علی کے ساتھ اس کے بہادر بیٹے نے مل کر انگریزوں پر حملہ کر دیا اور اس میں فتح پالی۔ اس دوران اچانک جنگ کے دوران 1782ء میں حیدر علی کا انتقال ہو گیا اور اس کی

جگہ اس کے بہادر بیٹے ٹیپو سلطان نے لے لی۔

ٹیپو سلطان شہیدؒ

اسلام کا یہ نامور سپوت حیدر علی کا بہادر بیٹا 1750ء میں پیدا ہوا تھا۔ جب یہ باپ کی جگہ سلطان بنا تو انگریز اور فرانسیسیوں نے صلح کر لی تھی۔ ٹیپو سلطان شہید انگریز کی چال سے غافل نہ تھے۔ انہوں نے مختلف اسلامی ممالک سے سفارتی تعلقات قائم کر کے مدد کی اپیل کی مگر مسلمانوں کے نا اہل حکمران مدد کو نہ آئے اور انگریز نے فرانسیسی افواج اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیا، جس کے بعد نظام کو بھی اپنے ساتھ کر لیا اور میسور پر تیسرا حملہ کر دیا اور سلطان کو جھک کر تاوان ادا کرنا پڑا اور ایک صلح ہو گئی۔

اس کے بعد ٹیپو سلطان نے بہت جلد سنبھالا لیا اور اپنی طاقت اس قدر بڑھائی کہ انگریز خوفزدہ ہو گئے۔ انگریز نے پھر اپنے پالتو کتوں کو اکٹھا کیا اور نظام، مرہٹے اور انگریزوں نے مل کر چوتھی بار میسور پر سخت حملہ کر دیا۔ ٹیپو سلطان کی افواج نے سر توڑ کوشش کی کہ حملہ ناکام ہو مگر وہ کامیاب نہ ہوئے اور انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے پایۂ تخت سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا۔ ٹیپو سلطان شہید نے ببر شیر کی طرح انگریز پر تابڑ توڑ حملے کیے اور دوران جنگ ہی شہید ہو گئے اور ان کا یہ قول خود ان پر صادق آیا:

''گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔''

ٹیپو سلطان شہید کا جہاد اور انگریز سے مقابلہ برصغیر کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ٹیپو سلطان ایک متدین سلطان تھے۔ انہوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں اسلامی طرز حیات کو رائج کرنے کی پوری کوشش کی۔ اہل دانش یہ ظلم کرتے ہیں کہ ان کی تصویر بے ریش و دراز مونچھ شخص کی شکل میں پیش کرتے ہیں حالانکہ وہ ایک باشرع و متدین انسان تھے جو زیادہ تر دشمنوں کی نسبت اپنوں کے مصائب سے دوچار رہے اور اسی کا شکار رہے۔

ہندوستان وافغانستان اوراس سے پہلے محمد بن قاسم اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی جنگوں پر جب ہم نظرڈالتے ہیں تو ہر زمانے میں ہر اسلامی جرنیل اور اسلامی خلیفہ کو منافقین نے اپنی ریشہ دوانیوں کونشانہ بنایا ہے۔صرف محمود غزنوی ایسے اسلامی خلیفہ اور کامل ولی اللہ گزرے ہیں جو منافقین کی چالوں سے محفوظ رہے ہیں۔

پہلی انگریز افغان جنگ

جب برصغیر کے اکثر حصوں پر انگریز کا اقتدار مستحکم ہوا تو اب ان کو سرحدی خطرات کی فکر لاحق ہوگئی اور انگریز نے سوچا کہ ایران اور افغانستان کے راستے سے فرانس برصغیر پر حملہ کر کے داخل ہوسکتا ہے۔اس خطرہ کے پیش نظر انگریزوں نے اپنے دوسفیر افغانستان اور ایران بھیجے تاکہ وہاں سے فرانسیسی سفیر کو یہ ملک خارج کرے اور انگریز سفیر مقرر کرے۔ان سفیروں نے ایران اور افغانستان سے اس معاہدہ کی بھی کوشش کی کہ اگر اس راستہ سے یورپی طاقت برصغیر پر حملہ کرے تو تم ہمارے ساتھ مشترکہ مدافعت کروگے۔

یہ مہم جاری تھی کہ فرانسیسی بادشاہ نپولین کا انتقال ہوگیا اوراس کی فوج ان علاقوں میں سردی کی وجہ سے تباہ ہوگئی لہٰذا یہ خطرہ ٹل گیا۔اب انگریز نے برصغیر کے لیے دوسرا خطرہ زار روس کا محسوس کیا کہ کہیں یہ انقلاب افغانستان کے راستے سے برصغیر میں داخل نہ ہو جائے۔ادھر افغانستان میں ایک زبردست انقلاب رونما ہوا کہ پائندخان بارک زئی کے بیٹے دوست محمد خان نے 1809ء میں کابل پر قبضہ کرلیا اور احمد شاہ ابدالی کے پوتے شجاع کو تخت سے اتار کر ملک بدر کردیا۔اب انگریز گورنر جرنل لارڈ آکلینڈ نے کیپٹن برنس کو افغانستان اس غرض سے بھیجا کہ وہاں سے روس کے اثرات کو کم کرے۔ چنانچہ اس نے جاکر دوست محمد خان سے گفتگو کی تو دوست محمد خان نے کہا کہ میں روس کے اثرات ختم کردوں گا مگر تم پشاور سے سکھوں کو ہٹا کر ہمارے حوالے کردو۔آکلینڈ نے پختہ ارادہ کرلیا کہ دوست محمد خان کو تخت سے اتار کر پھر شجاع کو بٹھا دیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے انگریز نے سکھوں اور شجاع کی افواج کی مدد سے

افغانستان پر حملہ کا فیصلہ کرلیا۔ آکلینڈ نے 1838ء سے 1842ء تک افغانستان میں صرف اسی غرض سے جنگ لڑی تھی۔ آکلینڈ نے درہ بولان کے راستے سے انگریز افواج روانہ کردیں۔ سندھ اور قندھار سے ہوتے ہوئے 1840ء میں انگریز افواج کابل میں داخل ہوگئیں۔ دوست محمد خان نے کابل چھوڑ دیا اور انگریز نے شاہ شجاع کو دوبارہ تخت کابل، پر بٹھا دیا اور انگریزی افواج کو کابل جلال آباد اور قندھار میں بطور محافظ تعینات کیا اور کسی طرح سے دوست محمد خان کو گرفتار کر کے کلکتہ روانہ کردیا۔

یہ سب کچھ ہوا مگر افغانوں نے انگریز کی مداخلت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور جگہ جگہ جھگڑے اور بلوے شروع ہوگئے۔ انگریزوں کی عیاشی اور بے حیائی کو جب غیور افغانوں نے دیکھا تو وہ بے قابو ہوگئے اور انہوں نے جرنل برنس کو قتل کردیا۔ انگریزوں نے ایک ذلت آمیز صلح پر دستخط کر کے واپسی کا اعلان بھی کیا لیکن افغانوں نے معاہدہ کرنے والے جرنل کو بھی قتل کردیا اور انگریز کی بھاگتی ہوئی فوج کو بھی تباہ کردیا اور کچھ سردی سے مر گئے۔ صرف ایک ڈاکٹر برائیڈن بچ کر جلال آباد پہنچ گیا اور لرزہ خیز داستان غم سنائی۔ انگریزوں نے دوست محمد خان کو رہا کر کے افغانستان بھیج دیا اور افغانوں نے شاہ شجاع کو قتل کر کے دوست محمد خان کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیا۔ انگریزوں نے یہ اعتراف کرلیا کہ افغانستان پر کوئی شخص بزور بازو حکومت نہیں کرسکتا ہے پھر انگریز نے ایک مدت تک افغانستان میں عدم مداخلت کی پالیسی پر عمل کیا۔ یہ 1857ء کا زمانہ تھا پھر دوست محمد خان کا 1868ء میں انتقال ہوگیا۔

دوسری انگریز افغان جنگ 1878ء

دوست محمد خان کے انتقال کے بعد انگریز وائسرائے لارڈ لٹن نے دوبارہ افغانوں کے خلاف جارحانہ کارروائی شروع کی۔ 1876ء میں انگریزوں نے کوئٹہ پر قبضہ کرلیا اور اس طرح درۂ بولان ان کے قبضہ میں چلا گیا۔ شیر علی امیر افغانستان نے روس کی طرف جھکاؤ کی پالیسی اختیار کی جس پر انگریزوں نے بھی مراعات دینے کی خواہش ظاہر کی جس کو امیر

افغانستان نے مسترد کر دیا۔اس کے نتیجہ میں لارڈلٹن نے 1878ء میں افغانستان کے خلاف اعلان جنگ کیا اور تین طاقتور انگریز فوجیں اطراف سے افغانستان پر حملہ آور ہوئیں۔ والی افغانستان شیر علی مقابلہ نہ کر سکا اور روس کی طرف بھاگ نکلا۔اس کے بیٹے نے انگریزوں سے معاہدہ کرلیا جس کی رو سے انگریزوں کو افغانستان کی چند اہم جگہوں پر رہنے کی اجازت مل گئی لیکن افغانوں کی غیرت پھر بھڑک اٹھی اور انہوں نے انگریز سفیر کو مع اہل وعیال قتل کر دیا اور انگریزوں کو یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ انگریزوں نے ایک رسوا کن ذلت آمیز دستاویز پر دستخط کر کے جان بچالی اور اب افغانستان کا حکمران امیر عبدالرحمٰن بن گیا۔(بحوالہ تاریخ پاک وہند 419)

تیسری انگریز افغان جنگ 1919ء

1893ء سے 1919ء تک افغانوں کے ساتھ انگریز کے تعلقات خوشگوار رہے مگر حبیب اللہ والی افغانستان نے جو حکمت عملی اختیار کی ،افغانوں کی غیرت نے اس کو قبول نہ کیا اور انہوں نے بغاوت کر دی اور حبیب اللہ کو انگریز نواز تصور کر کے قتل کر دیا اور اس کی جگہ امان اللہ خان کو تخت پر بٹھا دیا۔اس دور کا نقشہ کسی نے پشتو میں اس طرح پیش کیا ہے جس کا ترجمہ ہے ''اے امان اللہ خان !اپنے تخت کی طرف آؤ، کابل میں ہلچل اور شور وشغب ہے۔''

امان اللہ خان نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور ان کی افواج پر حملہ کر کے کئی سرحدی علاقوں کو ان سے چھین لیا اور دریائے سندھ تک انگریزوں کو مار بھگایا۔ انگریزی افواج نے بھی جوابی کارروائی کی اور افغان فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ آخر امان اللہ کو شکست ہوگئی اور اگست 1921ء میں معاہدہ راولپنڈی کے نام سے ایک صلح ہوگئی جس کے تحت افغانستان کو مکمل آزادی مل گئی اور افغانستان سے انگریزوں کا تسلط ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔انگریز نے امان اللہ کو افغانستان کا خودمختار حکمران تسلیم کرلیا اور اس طرح انگریز افغان کشمکش ختم ہوگئی۔ (تاریخ پاک وہند)

نوٹ: انگریزوں سے جو ساز وسامان اور اسلحہ افغانستان میں رہ گیا تھا وہ آج بھی دیکھا

جا سکتا ہے کہ قندھار میں فوجی چھاؤنی کے پاس میدان میں ایک ٹینک موجود ہے جو ریچھ سے کچھ بڑا ہے اور کالے ریچھ کی طرح ہے، جو ہر دیکھنے والے کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ جو باطل قوت افغانستان میں مداخلت کرے گی اس کا حشر ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ روس نے بھی یہ خاموش اعلان کیا اور اب بھارت وامریکہ بھی اس زور آزمائی کے میدان میں ان شاء اللہ عبرت کا نشان بنیں گے اور اسی طرح اعلان کریں گے کہ جو کوئی افغانوں یا طالبان سے ٹکرائے گا پاش پاش ہو جائے گا۔

میں نے وہاں قندھار میں ایک اجتماعی قبرستان دیکھا جس پر ایک بلند مینار کھڑا ہے۔ وہاں لکھا ہے کہ یہ قبریں ان طلبہ اور علماء کی ہیں جو برطانیہ کے انگریزوں سے مقابلہ میں شہید ہوئے ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

دو عظیم مجاہد سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید

سید احمد شہید کے والد کا نام سید عرفان اللہ تھا۔ سلسلہ نسب سیدنا علیؓ تک جا پہنچتا ہے۔ یہ حضرات اصل میں رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ سید احمد شہید کی ولادت صفر 1201 ہجری مطابق نومبر 1786ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے لیے مکتب میں بٹھا دیے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی اور کام کے لیے پیدا کیا تھا چنانچہ ان کے والد نے جب دیکھا کہ سید صاحب کا دل پڑھنے میں نہیں لگتا تو آپ نے کہا کہ سید احمد کو خدا پر چھوڑ دو۔

سید صاحب نے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اور شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ سے بھی پڑھنا شروع کیا لیکن ایک روز عجیب اتفاق ہوا کہ آپ کتاب دیکھتے ہیں اور سامنے سے حروف غائب ہو جاتے ہیں۔ آپ نے بیماری سمجھ کر طبیبوں سے رجوع کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ شاہ عبدالعزیزؒ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ باریک چیزوں کی طرف نظر کرو۔ معلوم ہوا کہ اس میں کوئی فرق نہیں صرف کتابوں میں یہ معاملہ ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ چھوڑ دو، گویا سید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی سے نوازا تھا۔ آپ کھیل کود کا شوق رکھتے تھے

بالخصوص سپاہانہ کھیل مثلاً کبڈی وغیرہ میں آپ کو گہری دلچسپی تھی اور ورزش بدن میں خاص دلچسپی رکھتے تھے، پھر سلسلہ تصوف کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہوئے اور راہ سلوک میں بڑی ترقی کرلی۔ رائے بریلی سے آپ 1226ھ میں دہلی تشریف لے گئے۔ ہندوستان کے اضطرابی اور پریشان کن حالات میں سید احمد شہید کے دل میں ایک ماہر جرنیل سے تربیت حاصل کرنے کا جذبہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام فرمایا اور آپ مراد آباد میں ایک پٹھان جرنیل امیر خان کے لشکر تک دہلی سے چل کر پہنچ گئے۔ امیر خان کا خاندان بنیر سوات کا پٹھان خاندان تھا جو آزاد تھا اور مراد آباد اور آس پاس کے علاقوں میں امیر خان نے بڑی فوجی قوت جمع کررکھی تھی اور گاہ گاہ وہ ہندوؤں اور انگریزوں سے جنگ بھی کرتے تھے۔

سید صاحب اس لشکر میں شامل ہوگئے۔ عام لشکر کا خیال تھا کہ یہ ایک نیک سیرت آدمی ہے اور بس۔ مولوی جعفر علی منظورۃ السعداء میں لکھتے ہیں، ترجمہ ملاحظہ ہو:

اقامت جہاد کے بارے میں آپ کو جو الہام ربانی ہوا اس کی بناء پر آپ نواب امیر خان کے لشکر کی طرف تشریف لے گئے۔

بہرحال سید صاحب کو اپنا جہادی مقصود یہاں مل گیا اور آپ نے فوجی تربیت کے ساتھ ساتھ فوج کی اصلاح اور دینی تربیت بھی شروع فرمائی۔ سید صاحب چھ سال تک امیر خان کے لشکر میں رہے۔ زمانے کے تغیر سے ایسا وقت آگیا کہ امیر خان نے کئی جنگوں کے بعد انگریزوں سے صلح کرلی جس پر سید صاحب سخت ناراض ہوئے اور آپ نے امیر خان کے لشکر سے جدائی اختیار کرلی اور شاہ عبدالعزیز کو خط لکھا کہ "خاکسار قدم بوسی کو حاضر ہوتا ہے، یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہوگیا، نواب صاحب انگریزوں سے مل گئے اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں۔"

سید صاحبؒ کی تربیتی نشستیں

سید صاحب دہلی واپس آئے اور اکبر آبادی مسجد میں تزکیہ و تربیت کے لیے بیٹھ گئے۔ مخلوق خدا آپ کی طرف متوجہ ہوئی اور آپ نے سلوک و احسان کے دروازے کھول

دیے۔ اسی مقام پر الہام ربانی اور اولیاء اللہ کے اشاروں سے شاہ اسماعیل شہید نے آکر سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور مولانا عبدالحیٔ صاحب نے بھی بیعت کی اور یہ بیعت سلوک ایسی بیعت ثابت ہوئی کہ موت پر جا کر بیعت علی الجہاد پر فتح ہوئی۔ گویا جب پہلا سبق پڑھا تو موت تک پڑھتے رہے اور آگے بڑھتے رہے۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے

اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

سید احمد شہید رحمہ اللہ نے اسی مقام پر خاندان ولی اللہی کے جید علماء کرام اور دوسرے علماء ومشائخ کو بیعت عام کیا اور پھر ہندوستان کے مختلف اطراف کا سفر کیا اور ہر ہر شہر اور ہر ضلع وصوبہ میں سینکڑوں ہزاروں لوگ بیعت میں شامل ہوئے۔

دس دن تک آپ نے دیوبند کے مقام پر قیام فرمایا اور اطراف کے لوگ سلوک واحسان سے سیراب ہوتے رہے۔ نانوتہ بھی آپ تشریف لے گئے اور کاندھلہ کو بھی شرف زیارت سے نوازا اور پھر آپ رائے بریلی واپس آگئے۔ اس انقلابی سفر میں سید صاحب کے ہاتھ پر بہت سارے قندھاری فوجیوں نے بھی بیعت کی اور بہت سے آفریدی بھی بیعت سے مستفید ہوئے لکھنؤ میں بڑے بڑے علماء وفضلاء بیعت میں شریک ہوگئے اور ساتھ ساتھ جہاد پر بھی بیعت ہوئی۔ سید صاحب نے ان تمام اطراف میں بدعات کی رسوم کی اصلاح کی اور سنت پر چلنے کی ترغیب دی۔ لوگوں کے ہجوم اور فساق وفجار کے رجوع الی اللہ کو دیکھ کر بعض ریاستی حکومتوں کو تشویش لاحق ہوگئی اور معتمد الدولہ نے لکھنؤ سے مولانا کو سمجھانے کے لیے فقیر محمد خان رسالے دار کو بھیجا اور سید صاحب کو ڈرانے کی کوشش کی۔ سید صاحب نے جواب میں فرمایا، معتمد الدولہ مجھے چار توپوں سے ڈراتا ہے؟ وہ اگر مجھے روکنے کے لیے سو توپیں لگا دے گا تو مجھے کیا پروا؟ میرے ساتھ میرا رب ہے۔

اس کے بعد معتمد الدولہ اور دیگر وزراء خود سید صاحب کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور وقت کے حاکم غازی الدین حیدر نے ملاقات کی درخواست کی مگر حضرت سید

صاحب نے خود ملاقات نہیں کی البتہ شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحئی کو ملاقات کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ملاقات کرو مگر فائدہ نہیں ہوگا۔

پھر سید صاحب مستقل طور پر رائے بریلی میں مقیم رہے اور باقاعدہ جہادی مہم میں لگ گئے۔ جہاد کی ترغیب، اس پر تقریر اور اس کی ضرورت کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ روافض نے اسی وقت سے آپ کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ اس کے بعد سید احمد شہید کے عشق ومحبت اور ذوق وشوق کا سفر حج حرمین شریفین کی طرف ہوا۔

قافلہ حج جس طرف چل پڑا، سید صاحب کے اصلاحی، تبلیغی اور سلوک واحسان کے دروازے کھل گئے۔ خیر وبھلائی اور رشد وہدایت کی نہریں جاری ہوئیں ٹیپو سلطان شہید کی اولاد نے آپ سے ملاقاتیں کیں اور شہید فی سبیل اللہ کی اولاد نے ایک مجاہد فی سبیل اللہ کی ایسی والہانہ زیارت کی کہ باید وشاید۔ کلکتے سے مکہ مکرمہ کا عظیم الشان عاشقانہ سفر ہوا اور پھر مدینہ منورہ کا سفر ذوق وشوق سے ہوا۔ دیگر زیارات اور احکامات سے فارغ ہوکر واپس رائے بریلی آگئے اور یہاں قیام کیا اور جہاد مقدس کے اغراض ومقاصد، فضائل ومسائل اور برکات وفوائد زور وشور سے بیان کرتے رہے۔ اسی زمانہ میں سید احمد شہید نے وقت کے بااثر حکمرانوں، نوابوں اور جاگیرداروں کو ہندوستان اور اس کے مستقبل کو درپیش خطرات سے متعلق خطوط لکھے جن میں سید صاحب نے پنجاب میں سکھوں کے مظالم اور برصغیر پر انگریزوں کے تسلط کی فریاد کی۔

درحقیقت سید صاحب کی نگاہوں کے سامنے شاہ عبدالعزیز احمد اللہ کا وہ فتویٰ تھا جو انہوں نے ہندوستان میں انگریزوں کی موجودگی کے متعلق دیا تھا کہ اب ہندوستان دارالسلام نہیں رہا، اب یہ دارالحرب ہے اور انگریز سے جہاد مسلمانوں پر فرض ہو چکا ہے۔ اسی مقصد کے لیے سید صاحب نے افغانستان اور سرحد کا انتخاب کیا کہ وہاں ہجرت کر کے مسلمانوں کی قوت کو مجتمع کیا جائے اور پھر واپس پلٹ کر ہندوستان پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ پشاور کے ایک نمائندہ اجتماع میں سید صاحب نے اس طرح تقریر فرمائی:

سید صاحب کا پشاور میں خطاب

میں نے ہندوستان میں خیال کیا کہ کوئی جگہ ایسی ماموں ہو کہ وہاں مسلمانوں کو لے کر جاؤں اور جہاد کی تدبیر کروں۔ باوجود اس وسعت کے کہ صدہا کوس میں ملک ہند واقع ہے کوئی جگہ ہجرت کے لائق خیال میں نہ آئی۔ کتنے لوگوں نے مشورہ دیا کہ اسی ملک میں جہاد کرو، جو کچھ مال، خزانہ اور سلاح وغیرہ درکار ہو ہم دیں گے مگر مجھ کو منظور نہ ہوا۔ اس لیے کہ جہاد سنت کے موافق چاہیے بلوہ کرنا منظور نہیں۔ تمہارے ملک کے ولایتی بھائی حاضر تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا ملک اس کے واسطے بہت خوب ہے، اگر وہاں چل کر کسی ملک میں قیام اختیار کریں تو وہاں کے لاکھوں مسلمان جان و مال سے آپ کے ساتھ شریک ہوں گے خصوصاً اس سبب سے کہ رنجیت سنگھ والی لاہور نے وہاں کے مسلمانوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے، طرح طرح کی ایذا پہنچاتا ہے اور مسلمانوں کی بے آبروئی کرتا ہے، جب اس کی فوج کے لوگ اس ملک میں آتے ہیں تو مسجدوں کو جلا دیتے ہیں، کھیتیاں تباہ کرتے ہیں مال و اسباب لوٹ لیتے ہیں بلکہ عورتوں اور بچوں کو بھی پکڑ کر لے جاتے ہیں اور اپنے ملک پنجاب میں لے جا کر بیچ ڈالتے ہیں۔

پنجاب میں وہ مسلمانوں کو اذان بھی نہیں کہنے دیتے، مسجدوں میں گھوڑے باندھتے ہیں۔ گاؤکشی کا تو کیا ذکر؟ جہاں سنتے ہیں کہ کسی مسلمان نے گائے ذبح کی اس کو جان سے مار ڈالتے ہیں۔ یہ سن کر میرے خیال میں آیا کہ یہ سچ کہتے ہیں اور یہی مناسب ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے وہیں چل کر ٹھہریں اور سب مسلمانوں کو متفق کر کے کفار سے جہاد کریں اور ان کے ظلم سے مسلمانوں کو چھڑائیں۔ (دعوت وعزیمت)

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے حکومت انگلشیہ کے خلاف ہندوستان میں جہاد کرنے کا جو فتویٰ جاری کیا تھا اب ہندوستان دارالحرب ہے اور مسلمانوں پر انگریز کے خلاف جہاد کرنا فرض ہوگیا ہے۔ سید احمد شہید اسی فتویٰ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سرگرم عمل تھے اور ہجرت کر کے باہر سے ہندوستان پر حملہ کرنا مقصود تھا

آپ نے بار بار واضح الفاظ میں اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ سید صاحب اہل ہند کے ہنود و یہود اور انگریز سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ صرف سکھوں کے خلاف جہاد کو جائز سمجھتے تھے۔

یہ پروپیگنڈا انگریز کو خوش کرنے کے لیے اس وقت سر سید احمد خان کر رہا تھا اور آج کل ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے وحید الدین خان کر رہا ہے، شاہ عبدالعزیز کا اصل فتویٰ معہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

برصغیر میں انگریز کے خلاف شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ جہاد

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی چونکہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو جہاد کی طرف توجہ دلائی تھی اور اس پر عمل کرتے ہوئے سید احمد شہید کا قافلہ میدان جہاد میں کود پڑا اور پھر علماء حق علماء دیوبند نے شاملی کے میدان میں اس کو عملی جامہ پہنایا تھا اور پھر شیخ الہند اور حاجی ترنگ زئی اور حاجی محمد امین صاحب وغیرہ نے اسی فتویٰ کی روشنی میں تحریکیں اٹھائیں تھیں اس لیے یہاں اس فتویٰ کا اصل و ترجمہ کے ساتھ نقل کرنا بہت ضروری ہے فرماتے ہیں۔

دراین شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست، و حکم روسائے نصاریٰ بے وغدغہ جاری است، و مراد از اجراء احکام کفر این است کہ در مقدمہ ملک داری، و بندوبست رعایا، و اخذ خراج، و باج، و عشور، رد اموال تجارت، و سیاست، قطاع الطریق، و سراق، و فیصل خصومات و سزائے جنایات، کفار خود بطور حاکم باشند، آرے اگر بعض احکام اسلام را مثل جمعہ، عیدین و اذان و ذبح بقر تعرض نہ کنند نہ کردہ باشند لیکن اصل اصول این چیز یا نزد ایشاں، بنیاد و بدراست، زیرا کہ مساجد را بے تکلف بدم نمائندہ و ہیچ مسلمان یا ذمی بغیر استمان ایشاں دریں شہر و درانواح نمی تواند آمد، و برائے منفعت خود از واردین و مسافرین و تجارت نمی نمایند، اعیان دیگر مثلاً شجاع الملک

و ولایتی بیگم بغیر حکم ایشاں دریں بلاد داخل نمی تواند شد، واز یں شہر تا کلکتہ عمل نصاری ممتد است اربے در چپ و راست مثل حیدر آباد لکھنو و رامپور احکام خود جاری نہ کردہ اند بسبب مصالحت واطاعت مالکان آں (فتاوی عزیزی 454)

ترجمہ: اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے۔ یہاں تو عیسائی حکمرانوں کا حکم بلا چوں و چرا جاری ہے اور ان کا حکم جاری ہونے سے مراد یہ ہے کہ ملک داری، انتظام رعیت، خراج، باج، عشر، اموال تجارت اور سیاسی امور، ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات، مقدمات کے تصفیہ اور دیگر جرائم کی سزاؤں وغیرہ کے نافذ کرنے میں یہ لوگ (انگریز) بطور خود حاکم ہیں، ہندوستانیوں کو ان سے متعلق کوئی دخل نہیں۔ بے شک نماز جمعہ، عیدین، اذان اور گائے کے ذبح وغیرہ چند احکام اسلام میں وہ رکاوٹ نہیں ڈالتے لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور آزادی کی بنیاد ہے وہ قطعاً بے حقیقت اور پامال ہے۔ چنانچہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کر دیتے ہیں۔ عوام کی شہری آزادی ختم ہو کر رہ گئی ہے، کوئی مسلمان یا ذمی ان کے پاسپورٹ کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف وجوانب میں نہیں آ سکتا، عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آمد و رفت کی اجازت بھی شہری آزادی کی بنیاد پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی وجہ سے ہے۔ اور اس کے علاوہ ممتاز حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بھی ان کی اجازت کے بغیر ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے، دہلی سے کلکتہ تک انہی کی عملداری ہے۔ بے شک کچھ دائیں بائیں مثلاً حیدر آباد، لکھنو، رامپور میں چونکہ وہاں کے فرمانرواؤں نے ان کی اطاعت قبول کر لی ہے اس لیے وہاں ان کے احکام جاری نہیں۔

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ تین شرطوں سے دار السلام، دار الحرب بن جاتا ہے۔

(1) وہاں مشرکین اور غیر مسلموں کے احکام جاری ہو جائیں۔

(2) وہ دار الاسلام دار الحرب سے گٹھ جوڑ کر کے دار الحرب میں مل جائے۔

(3) نہ وہاں کوئی مسلمان رہے نہ کوئی ذمی باقی ہو۔

یہ فتویٰ خود اعلان کر رہا ہے کہ جب ہندوستان دارالسلام نہیں رہا بلکہ دارالکفر بن گیا ہے تو اب یہ دارالحرب ہے اور اس کے خلاف جہاد کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔ چنانچہ فتویٰ کی تفصیل میں جو عربی عبارات ہیں اس میں دارالحرب کا ذکر موجود ہے شاہ عبدالعزیز نے انگریزی مظالم کے خلاف عربی میں ایک قصیدہ بھی لکھا ہے، جس کا ایک شعر یہ ہے:

و انی اری الا فرنج اصحاب ثروۃ

لقد افسدوا مابین دھلی و کابل

(میں دیکھ رہا ہوں کہ سرمایہ دار فرنگیوں نے دہلی سے لے کر کابل تک فساد برپا کر رکھا ہے)

رائے بریلی سے مارواڑ تک

سید احمد شہیدؒ نے جہاد کے عزم سے اپنے وطن مالوف ہندوستان کو خیر باد کہا اور اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ ہجرت فرمائی، ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر پہنچنے کے لیے آپ نے ہندوستان، بلوچستان اور افغانستان کا نہایت طویل اور بے حد بامشقت سفر اختیار کیا۔ آپ کی عالی ہمتی بلند حوصلگی اور جوش جہاد، صبر وضبط اور شوق جہاد کا اندازہ لگانے کے لے اتنا کافی ہے کہ ہندوستان، افغانستان اور سرحد کے نقشے پر ایک نظر ڈالی جائے کہ راجپوتانے، مارواڑ، سندھ، بلوچستان، افغانستان اور سرحد کے ریگستانوں، میدانوں، پہاڑوں، دروں، جنگلوں اور دریاؤں کو اس مرد قلندر اور اس مجاہد کبیر نے اپنے ساتھیوں سمیت کیسے سر کیا، جہاں پانی کی کمی اور خوراک اور اجنبی زبانوں کا سامنا روزمرہ کا معمول تھا، مگر سید صاحب اور ان کے جفاکش ساتھیوں کا جذبہ جہاد اور ان کے ارادے اتنے مضبوط تھے کہ ان کے قدم میں کبھی لغزش نہ آئی اور نہ ہمت میں تذبذب آیا۔

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو

تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

طرفہ یہ کہ اس قافلہ میں دہلی اور اودھ کے ایسے ایسے نازک طبع اہل ثروت اور مشائخ

اور شرفاء وسادات اور ایسے ایسے صاحبزادے شامل تھے جن کے بارے میں یہ تصور کرنا مشکل تھا کہ اس سفر کی یہ دشواریاں یہ حضرات برداشت کریں گے۔

روانگی کے وقت

سفر سے پہلے سید احمد شہید رحمہ اللہ اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور گھر میں رکھے ہوئے دس ہزار روپے لے کر آدھے زوجہ محترمہ کو دیے اور آدھے خود ساتھ لیے۔ 7 جمادی الثانیہ 1241ھ مطابق جنوری 1826ء پیر کے دن آپ نے ہجرت کے اس عظیم سفر کا آغاز کیا۔ پیر کی رات کو احباب واعزہ کو رخصت کیا اور صبح اپنے احباب مجاہدین کے ساتھ کشتی میں جا کر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے دعاؤں کے ساتھ ایسے گڑگڑائے جیسا کہ اس سفر کے لیے ضروری تھا۔

آپ نے اپنے مجاہدین کو کئی جماعتوں میں تقسیم کیا اور الگ الگ نام سے فوجی رجمنٹ اور الگ الگ بٹالین بنائی اور یکے بعد دیگرے چلنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے آپ رائے بریلی سے ''ڈلمئو'' پہنچے پھر وہاں سے قربانی کے سرخ خون سے سرخ لکیر کھینچتے ہوئے فتح پور آئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے آپ گوالیار کے تاریخی مقام سے گزرے جہاں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ نے جیل کے ایام گزارے تھے۔ دریائے چمبل کو عبور کرتے ہوئے عزت عظمت اور جہاد مقدس کا یہ قافلہ ٹونک سے ہوتا ہوا اجمیر کے قریب سے گزرا بیچ میں چھوٹے چھوٹے کئی مقامات آئے اور غریبوں کے علاوہ بڑے بڑے نوابوں اور امیروں نے آپ کا استقبال کیا۔ مقدس خون سے کھینچی ہوئی سفر جہاد کی یہ سرخ لکیر اجمیر سے ''پالی'' تک طویل ہوتی گئی۔

پالی سے سید صاحب نے سندھ کی سرحد عمر کوٹ تک مارواڑ کے ریگستان کا نہایت دشوار گزار سفر کیا۔ 280 میل پر خالص ریگستان واقع تھا جس کو ان مجاہدین نے بڑی مشقت اٹھا کر طے کیا۔ اس راستے کے ایک مسافر حمید الدین صاحب اس متعلق لکھتے ہیں:

شاید کسی ملک میں بھی کوئی راستہ ایسا دشوار گزار، ویران و بے آب نہیں ہوگا جتنا مارواڑ

کے صحرا کا یہ راستہ تھا، پھر اس پر غارت گروں اور قزاقوں کے خطرات اور راستے کا بے نشان ہونا مستزاد ہے۔ (دعوت وعزیمت)

جمادی الثانیہ سے شوال تک مسلسل چار ماہ کا یہ کٹھن سفر ابھی تک جاری تھا کہ مسافروں پر سفر میں عید آئی۔ کب آئی؟ کس طرح آئی؟ کن پر آئی؟ کہاں آئی؟ یہ ان سے پوچھو جن پر یہ عید آئی۔ آخر یہ مشقت و پرخطر سفر جا کر سرحد سندھ عمرکوٹ پر ختم ہوا اور آپ نے سندھ کے مقام کارو میں قدم رکھا۔ وہاں سے آپ میر پور تشریف لے گئے اور میر پور سے آپ ٹنڈو الہ یار پہنچے اور وہاں سے آپ اپنے قافلہ کے ساتھ حیدرآباد رونق افروز ہوئے، باشندگان سندھ نے آپ کا پرجوش استقبال کیا۔ آپ نے جگہ جگہ جہاد کی بیعت لی اور اصلاح رسوم کے کام کیے۔

حیدرآباد سے رانی پور تک

سید احمد شہید کے مجاہدین کا یہ قافلہ 13 دن تک حیدرآباد میں قیام کے بعد شکار پور اور حیدرآباد کے درمیان پیرکوٹ میں سید صبغت اللہ راشدی بانی تحریک حر سے ملاقات کا ارادہ کر دیا تھا مگر حسن اتفاق سے ان سے ملاقات رانی پور میں ہوئی پھر سید صاحب پیرکوٹ پہنچ گئے۔ سید صبغت اللہ راشدی بہت بڑا قومی اثر رکھنے والے بزرگ تھے اور کثیر تعداد میں مریدین رکھتے تھے۔ سید صاحب نے آپ کے ہاں دو ہفتہ قیام کیا۔ جہاد کے متعلق بڑے بڑے منصوبے بنے اور علاقے میں جہاد کی روح ڈالی گئی۔ سید صاحب کو پیرکوٹ میں اس طرح کامل اطمینان ہوا کہ آپ نے ہندوستان سے اپنے اہل وعیال کو یہاں بلوا کر بسا لیا۔

پیرکوٹ سے آپ شکار پور گئے اور وہاں عوام وخواص نے سید صاحب سے بیعت لی اور عقیدت مند بن گئے۔ سندھ کا یہ دشوار سفر مجاہدین پیدل اور اونٹوں گھوڑوں پر کیا کرتے تھے۔ اللہ رے بہت ہمت و جرأت وصداقت وشجاعت

مؤمن ہیں بہادر ہیں مجاہد ہیں نڈر ہیں
اسلام کی عظمت کے لیے سینہ سپر ہیں

شکار پور سے کوئٹہ تک

شکار پور سے کوئٹہ تک تقریباً 290 میل کا فاصلہ ہے۔ یہ راستہ نہایت دشوار گزار ریگزار اور غیر آباد تھا۔ خالص کوہستانی علاقوں کا سفر تھا اور سواری کے لیے اونٹ کرایہ پر نہیں ملتے تھے۔ موسم بھی سخت گرم تھا۔ بعض مجاہدین نے کچھ ٹھہر کر برسات کے موسم میں سفر کرنے کو کہا مگر سید صاحب نے سوچا کہ برسات کے بعد تو کابل وغزنی میں برف باری کا موسم شروع ہو جائے گا اس لیے ہمت کر کے آپ نے 20 جولائی 1826ء کو شکار پور سے کوئٹہ کے لیے کوچ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ شکار پور سے جاگن اور جاگن سے چھتر تک خون کی سرخ لکیر مجاہدین نے کھینچ ڈالی اور وہاں اصلاحی دعوت اور دعوت جہاد کا کام کرتے ہوئے سید احمد صاحب ندیاں، دریا اور وادیاں عبور کرتے ہوئے چھتر تک بھاگ جا پہنچے اور قصبہ شور کے دشوار علاقہ کو مجاہدین نے کراس کر لیا۔ 26 ذوالحج کو شہر بھاگ میں پڑاؤ کرنے کے بعد قافلہ حریت 29 ذوالحج کو ڈھاڈر کے لیے روانہ ہوا۔ عید الفطر کے بعد مسافروں پر عید الاضحیٰ بھی دشت و بیابان میں آئی اور یکم محرم الحرام 1242ھ کو مجاہدین ڈھاڈر پہنچ گئے۔ ان علاقوں کے شرفاء اور علماء نے مجاہدین کا بہت زیادہ اکرام واحترام کیا۔

مجاہدین درہ بولان میں

جنوب مشرق سے افغانستان جانے والے قافلوں کے لیے ممکن العمل راستہ یہ تھا کہ وہ ڈھاڈر سے درۂ بولان میں داخل ہوں اور اس کو عبور کر کے ''شال'' یعنی کوئٹہ کے راستے سے افغانستان کی حدود میں داخل ہوں۔ درہ بولان ایک قدرتی راستہ ہے جو قدرت الٰہی نے اولوالعزم فاتحین اور ضرورت مند مسافروں کے لیے اس طویل سلسلہ کوہ کے اندر پیدا کیا ہے جو ہندوستان کو افغانستان سے جدا کرتا ہے اور گویا اس سد سکندر کے اندر ایک طویل قدرتی شگاف ہے جس میں سے احتیاط کے ساتھ قافلے مسلسل 55 میل بلند و بالا پہاڑوں کے سینہ کو چیر کر دریا کی لہروں پر تیر کر سطح سمندر سے 5700 فٹ بلند پہاڑوں کی گود میں گزر کر کوئٹہ پہنچ جاتے ہیں۔ ڈھاڈر سے شال یعنی کوئٹہ تک کوئی آبادی نہیں تھی اور پانی کے

سوا کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ مجاہدین کا قافلہ جب اس درّہ سے گزرا ہے تو سردی نے ان کو اس طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ بدن میں کپکپی طاری ہوگئی اور دانت بجنے لگے۔ بہر حال خدا خدا کر کے مجاہدین تیمم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آخر کار کوئٹہ پہنچ گئے۔ اس وقت کوئٹہ کے حکمرانوں نے مجاہدین کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔

سید احمد شہید نے اپنی ایک جماعت مستنگ روانہ کر دی تا کہ وہاں کے لوگوں کو دعوت جہاد دے۔ مستنگ کے لوگوں نے مجاہدین کا بیان غور سے سنا اور بڑا اکرام کیا۔ علاقے کا وزیر خود خدمت کے لیے حاضر ہوا اور واپسی پر ایک اونٹ خشک میوہ جات سے بھر کر مجاہدین کے لیے بھیج دیا۔ کوئٹہ کے لوگوں نے مجاہدین سے بے حد تعاون کیا۔ اس وقت کوئٹہ کا نام ''شال'' تھا۔

کوئٹہ سے قندھار تک

15 محرم الحرام 1242ھ کو سید احمد شہید نے مجاہدین کو کوئٹہ سے براستہ قندھار پشاور کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ کوئٹہ کے حاکم نے الوداعی جشن منایا اور حضرت سید احمد شہید کے سامنے فنون حربیہ اور فن سپہ گری کا زبردست مظاہرہ کرایا۔ حضرت نے بڑی دعائیں دیں اور وہاں سے براستہ پشین حیدر زئی، مے زئی اور کوزک کے مشکل ترین راستے سے قندھار کی طرف کوچ کر لیا۔ قلعہ حاجی میں کچھ قیام کے بعد یہ قافلہ کاریز ملا عبداللہ جا اترا۔ پھر سید صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ 28 محرم الحرام کو کاریز ملا عبداللہ سے قندھار کی طرف روانہ ہوئے۔ حکام قندھار اور تمام قندھاریوں نے گھروں سے نکل نکل کر مجاہدین کا وہ استقبال کیا جس کی نظیر دنیا میں کم ملتی ہے۔ پورا شہر استقبال کے لیے امنڈ آیا۔ انسانوں کا سیلاب تھا جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ سید صاحب کے لیے ہراتی درروازہ میں عالی شان خیمہ لگایا گیا۔ لوگوں نے از خود جہاد پر جانے کی تیاری شروع کی اور ہزاروں قندھاری حضرت سید صاحب کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگئے شہر کا حکومتی اور انتظامی نظام بوجہ ہجوم درہم برہم ہوگیا تھا۔ اس لیے مصلحت کے تحت حاکم قندھار نے حضرت سے

کابل جانے کی درخواست کی۔ قندھار میں سات دن قیام کے بعد مجاہدین کا یہ قافلہ کابل کے لیے روانہ ہو گیا۔

غلزئی قبیلے میں

غلزئی بہت بااثر اور بڑا قبیلہ تھا۔ سید صاحب جب ان کے علاقوں سے گزرنے لگے تو ان کے زمین داروں اور دیگر عوام و خواص نے مجاہدین کا بڑا اکرام کیا اور تعاون کی پیش کش کی۔ مجاہدین کا قافلہ قلعہ رمضان سے ہوتا ہوا علاقہ مشکئی میں پہنچا اور پھر وہاں سے غزنی کے لیے روانہ ہوا۔

غزنی سے کابل تک

غزنی والوں نے مجاہدین سے ہر قسم تعاون کیا اور پھر بڑے اکرام سے ان کو رخصت کیا۔ دو دن قیام کے بعد سید احمد شہیدؒ نے غزنی سے کابل کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مجاہدین 25 صفر 1246ھ مطابق 1826ء کو کابل کے لیے روانہ ہو گئے۔ شہر کابل کے حکمرانوں نے شاندار استقبال کیا اور قندھار کی طرح یہاں بھی فقید المثال استقبال ہوا۔ حاکم نے اپنے افسروں سے کہا کہ حضرت کو اونچی سواری پر پورے شہر میں گشت کرا دو تاکہ تمام شائقین آپ کی زیارت کر سکیں۔ چنانچہ شہر کے چھوٹے بڑے مرد و خواتین نے جوشِ جہاد کا ایسا مظاہرہ کیا کہ عقلیں حیران رہ گئیں۔

حضرت سید صاحب نے وہاں کے قبائل اور سرداروں کے کچھ تنازعات کا خاتمہ کرا کر صلح کرا دی اور کچھ تنازعے باقی رہے۔ ڈیڑھ ماہ قیام کے بعد کابل سے آپ پشاور کے لیے روانہ ہو گئے۔

اہل تاریخ کی تصریح مجھے نہیں ملی مگر اندازہ ہے کہ مجاہدین کا قافلہ کابل سے جلال آباد اور وہاں سے براستہ طورخم گیا ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ خوست کے راستے سے ہوتے ہوئے میران شاہ سے گزر کر پشاور آیا ہو۔ واللہ اعلم۔

بہر حال عزت و عظمت کا یہ قافلہ مجاہدین کے ایک جم غفیر اور تعداد کثیر کے ساتھ پشاور

پہنچا اور مجاہدین کے مقدس خون کی یہ سرخ لکیر پشاور میں تین دن قیام کے بعد ہشت نگر کی طرف مڑ گئی۔ مجاہدین اپنے امیر کے ساتھ وہاں چند روز قیام کر کے دعوت جہاد کی خوب مہم چلا کر خویشگی سے ہوتے ہوئے نوشہرہ میں جا اترے اور یہ سید صاحب کا ایک مرکزی ہیڈ کوارٹر رہا جو اکوڑہ خٹک کے بالکل قریب واقع ہے۔ ان جگہوں میں سید احمد شہید کے ساتھ لوگوں نے عجیب عقیدت و محبت کا مظاہرہ کیا۔ آپ جس اونٹ پر سوار تھے لوگوں نے اس کے زین پوش کے جھالر بطور تبرک توڑ لیے اور اونٹ کی دم کے بال نوچ لیے۔ لوگ اونٹ کے پیروں کے نیچے کی مٹی بھی تبرک سمجھ کر اٹھا لیا کرتے تھے۔

ایک جاسوس کی گرفتاری

ہشت نگر میں قیام کے دوران قندھاریوں نے ایک جاسوس کو پکڑ لیا۔ بعض نے اس کے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر مشورہ ہوا کہ سید صاحب کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ جب یہ شخص سید صاحب کے سامنے پیش ہوا تو سید صاحب نے فرمایا کہ سچ سچ بتاؤ تم کون ہو اور کیا ارادہ تھا؟ اس نے کہا سچ بات تو یہ ہے کہ میں بدھ سنگھ کا جاسوس ہوں اور اس کا لشکر دریائے اٹک سے گزر کر خیر آباد میں داخل ہوا ہے۔ بدھ سنگھ کو یہ اطلاع ملی ہے کہ کوئی سید صاحب ہندوستان سے ملک گیری کے لیے بڑا لشکر لے کر ہشت نگر میں اتر آئے ہیں، اس لیے اس نے مجھے حالات معلوم کرنے کی غرض سے جاسوس بنا کر بھیجا ہے۔

سید احمد شہید نے جب یہ گفتگو سن لی تو آپ نے فرمایا کہ بدھ سنگھ سے جا کر کہہ دو کہ جس طرح تم رنجیت سنگھ کے مطیع فرمانبردار ہو کہ وہ تم کو جہاں بھیجنا چاہتا ہے تم وہاں جاتے ہو، اسی طرح ہم بھی اپنے آقا کے فرمانبردار اور غلام ہیں۔ وہ ہم کو جو فرماتے ہیں ہم وہی بجا لاتے ہیں۔ ہم انہی کے بھیجے ہوئے ہیں اور ہندوستان سے یہاں آئے ہیں اور عنقریب تم سے ہمارا مقابلہ ہوگا۔

حکومت لاہور کو شرعی دعوت

موضع خویشگی سے جب سید صاحب نے کوچ کیا اور نوشہرہ میں رونق افروز ہوئے تو

آپ نے جہاد وقتال سے پہلے سکھوں کی حکومت لاہور اور رنجیت سنگھ کو 18 جمادی الاولیٰ 1242ھ مطابق 18 دسمبر 1826ء کو اس طرح شرعی دعوت دی:

(1) یا اسلام قبول کر لو تو ہمارے بھائی ہو جاؤ گے مگر اس میں جبر نہیں۔

(2) یا ہماری اطاعت اختیار کر کے جزیہ دینا قبول کر و تو ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔

(3) آخری بات یہ ہے کہ اگر تم کو دونوں باتوں میں سے کوئی بھی منظور نہیں تو لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ مگر یاد رکھو کہ سارا یاغستان اور ملک ہندوستان ہمارے ساتھ ہے اور تم کو شراب کی محبت اتنی نہ ہوگی جتنی ہم کو شہادت کی ہے۔

دربارِ لاہور اور رنجیت سنگھ کی حکومت نے بطور تکبر اس خط کا جواب نہ دیا بلکہ خط لانے والے کو دربار سے باہر دھکیل دیا اور اس وجہ سے جنگ کی تیاری شروع ہوگئی۔

ایک مخبر نے آکر اطلاع دے دی کہ بدھ سنگھ کی فوج اکوڑہ خٹک میں داخل ہوگئی ہے اس پر سید صاحب نے لشکر اسلام سے کہا کہ خبردار کوئی شخص کمر بند نہ کھولے۔ ہوشیاری سے جنگی پوزیشن میں رہے اور جس کو کھانا پکانا ہو دن ہی کو پکا کر کھالے۔

سید صاحب کے لشکر کی چار جماعتیں تھیں اور چاروں جماعتوں پر الگ الگ امیر تھے۔ ایک ''جماعت خاص'' مشہور تھی جس کے امیر مولوی محمد یوسف صاحب تھے۔ اس جماعت میں سید احمد شہید خود رہتے تھے اور یہ ہمیشہ دائیں جانب ہوتی تھی دوسری جماعت مولانا محمد اسماعیل صاحب کی تھی جو ہمیشہ فوج سے آگے رہتی تھی۔ تیسری جماعت کے امیر سید محمد یعقوب صاحب تھے یہ جماعت ہمیشہ بائیں جانب رہتی تھی۔ چوتھی جماعت اللہ بخش خان کی ماتحتی میں تھی، یہ چلنے اور قیام کے دوران سب سے آخر میں ہوتی تھی۔

ہندوستان سے آئے ہوئے مجاہدین کی تعداد 500 تھی اور قندھاریوں کی تعداد 250 تھی اس کے علاوہ ملکی لوگ لشکر مجاہدین میں شریک تھے مگر سید صاحب کا اعتماد زیادہ تر قندھاریوں اور ہندوستانیوں پر تھا اس لیے کہ یہ سید صاحب کی تربیت کی صحبتیں بھی

اٹھا چکے تھے اور جنگی تربیت بھی تھی۔

اکوڑہ خٹک میں حق و باطل کی زبردست جنگ

بدھ سنگھ کے لشکر کی تعداد سات ہزار تھی اور قابل اعتماد مجاہدین کی تعداد بہت کم تھی پھر سکھوں کے ساتھ مجاہدین کا پہلا معرکہ تھا اس لیے جنگ حکمت عملی کا تقاضا تھا کہ سکھوں پر ایسا حملہ کیا جائے کہ اپنی مرکزی قوت محفوظ رہے اور سکھوں اور دیگر کفار واغیار پر رعب ودھاک بیٹھ جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ طے کیا گیا کہ سکھوں پر شب خون مارا جائے اور ان کو زبردست نقصان پہنچایا جائے۔ نماز ظہر کے بعد سید احمد شہید نے مجاہدین کی چاروں جماعتوں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی جماعت کے خاص خاص چست اور بہادر افراد کی فہرست لاکر دے دیں اور جن کے پاس ہتھیار مکمل اور عمدہ نہیں وہ دوسروں سے معیاری اور عمدہ ہتھیار لے کر آئیں۔

واہ واہ شوق جہاد

سید صاحب کے حکم پر جب فوج کے جوانمرد آپ کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے چند اصحاب عذر اور کچھ بیماروں کو جانے سے منع کر دیا۔ ان میں رائے بریلی کا ایک مجاہد عبدالمجید خان تھا جس کو شدید بخار ہو رہا تھا۔ جب اس نے سنا کہ اس کو منع کر دیا گیا تو وہ بے چین ہو کر سید صاحب کے پاس بستر سے اٹھ کر بخار کی حالت میں آکر کہنے لگا کہ آپ نے میرا نام جنگ لڑنے والوں میں داخل کیوں نہ کیا؟ سید صاحب نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ آپ کو بخار ہے، آپ بیمار ہیں، اس لیے آپ کا نام نہیں لکھا گیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت! آج کافروں سے پہلا مقابلہ ہے، ایک طویل عرصہ کے بعد جہاد فی سبیل اللہ قائم ہو گیا اور آج سے اس کی نئی بنیاد پڑ رہی ہے۔ میں ایسا سخت بیمار تو نہیں ہوں کہ میدان جنگ تک نہ جا سکوں گا۔

آپ ضرور مجاہدین میں میرا نام داخل فرمائیں۔ حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ بارک اللہ وجزاک اللہ۔ یہ فرمایا اور اس بیمار کو بھی شریک جنگ کر دیا۔

مجاہدین کی تشکیل اور سید صاحب کی دعا

سید احمد شہید رحمہ اللہ نے 20 جمادی الاولیٰ 1242ھ کو اللہ بخش خان صاحب کو نماز مغرب کے بعد بلایا اور قانون جنگ کے چند آداب بتائے اور پھر فرمایا کہ ہم آپ کو اس چھاپے اور شب خون کارروائی کا امیر بناتے ہیں۔ تم پہلے کشتی پر سوار ہو کر اس پار اکوڑہ کی طرف ساحل پر بیٹھ جاؤ۔ جب کشتیوں میں بھر بھر کر مجاہدین تمہارے پاس اکٹھے ہو جائیں تو پھر تم سب مل کر گیارہ گیارہ مرتبہ سورہ ''لایلاف قریش'' پڑھ لو اور پھر آگے بڑھنا، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ کہہ سید صاحب نو سو مجاہدین اسلام کے ساتھ دریا کے کنارے پر آئے۔ ان میں سے 136 ہندوستانی تھے اور 80 کے قریب قندھاری تھے اور باقی سب سرحد کے مقامی مجاہدین تھے۔ کشتیوں پر سوار ہونے سے پہلے رات کے سناٹے میں سید صاحب نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہوں تم آمین کہو۔ آپ نے اس طرح دردناک دعا مانگی کہ پہلے سر سے عمامہ ہٹایا اور پھر ننگے سر بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا اے پروردگار! اے قادر بے نیاز! اے کریم کارساز! اے بندہ نواز! یہ تیرے بندے محض عاجز و خاکسار، ضعیف و ناچار ہیں، صرف تیری مدد کے امیدوار ہیں، تیرے سوا ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں، یہ صرف تیری ہی رضامندی و خوشنودی کے لیے جاتے ہیں، تو ہی ان کی مدد فرما، دیر تک آپ نے یہی الفاظ دہرائے اور مجاہدین نے آمین کہا۔

روانگی کا منظر

دعا کے بعد سب مجاہدین آپس میں بغل گیر ہوئے اور ایک دوسرے سے اپنا کہا سنا معاف کرایا اور کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ زندہ سلامت واپس لائے گا تو پھر ملیں گے اور اگر وہاں شہید ہو گئے تو دوستو! ان شاء اللہ پھر جنت میں ملاقات ہوگی، پھر ہر مجاہد نے سید صاحب کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور کشتی پر سواری شروع کی۔ اس وقت وہاں تین کشتیاں تھیں، تین تین پھیروں میں سب لوگ پار اتر گئے اور سورت قریش کا وظیفہ پڑھ کر اکوڑہ کی طرف آگے بڑھنے لگے۔ ایک آدمی کو مخبری کے لیے آگے بھیجا کہ سکھوں کا لشکر کس حال میں ہے؟

سکھوں کے لشکر کا یہ معمول تھا کہ جہاں پڑاؤ کرتے وہاں کانٹے دار درخت وغیرہ کاٹ کر سنگر بناتے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ شخص واپس آیا اور یہ خبر دی کہ فلاں طرف کی فوج بالکل غافل پڑی ہے۔ یہ کہہ کر مجاہدین کو وہیں لے جا کر کھڑا کر دیا؟ یہ سکھوں کے سروں کے پاس قریب میں ایک نالہ تھا یہیں سے مجاہدین نے کارروائی کی۔

مجاہدین کا حملہ اور کامیابی

رات کے تین بجے کا وقت تھا۔ لشکر کفار میں الارم والی گھڑیال نے جب ڈھنگ ڈھنگ ڈھنگ تین گھڑیاں بجائیں تو ادھر سے مجاہدین نے نعرہ تکبیر بلند کیا اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدائیں گونج اٹھیں اور مجاہدین اسلام کفار کے لشکر میں گھس پڑے۔ ایک پہرے دار نے بندوق چلائی جس کی گولی مجاہدین کے پہلے شہید شیخ باقر علی کو لگی۔ وہ اسی جگہ بیٹھ گئے اور کہا کہ کوئی بھائی آ کر میرے ہتھیار لے لے، یہ اللہ کا مال ہے۔ میرا کام تو ہو گیا مگر ارمان دل میں باقی رہا۔ یہ لشکر اسلام کا پہلا شہید تھا۔ مجاہدین نے یکبارگی حملہ جاری رکھا اور دس دس پانچ پانچ سکھوں پر مشتمل خیموں پر ٹوٹ پڑے۔ خیموں کی طنابیں اور رسیاں کاٹ ڈالیں اور کم تجربہ کار مجاہدین سے کہا کہ اب ان دبے ہوئے سکھ فوجیوں کو قتل کرتے جاؤ اور آگے بڑھتے جاؤ۔ مجاہدین میں سے کسی نے چار آدمی مارے تو کسی نے دس اور کسی نے اس سے بھی زیادہ عبدالمجید خان بیمار نے چودہ پندرہ سکھوں کو جہنم رسید کیا۔ جب اس کی تلوار ٹوٹ گئی تو مولوی نصیر الدین نے آپ کو اپنی ایک زائد تلوار دے دی جس سے خان صاحب نے پھر کئی سکھوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ عبداللہ بسم اللہ نام کا ایک مخنث تھا جو تائب ہو گیا تھا۔ اس کے پاس ایک برچھی تھی جس سے اس نے آٹھ سکھوں کو قتل کیا۔ بہر حال دور دراز کے ان بے سروسامان مگر پُر از ایمان مجاہدین نے شجاعت و بہادری کے وہ جوہر دکھائے جس نے سکھوں کے منظم لشکر کے چھکے چھڑا دیے۔ دشمن کے بقیۃ السیف سکھوں نے سر پر پاؤں رکھ کر جس طرف ان سے بن پڑا بدحواسی کے عالم میں بھاگتے ہی چلے گئے اور مجاہدین نے ان کے خیموں اور ان کے افراد کا دور دور تک تعاقب کیا۔ اسی

دوران چند مجاہدین نے دشمن کے توپ خانے پر قبضہ کرلیا لیکن ایک سکھ فوجی نے وہاں روشنی کے انتظام کے شعبہ میں جاکر آگ لگادی اور فوج میں ایسی روشنی پھیل گئی کہ گویا دن ہے جس سے مجاہدین اور فوجیوں کا امتیازی اندازہ ہونے لگا۔ اس وقت تک صرف دس پندرہ مجاہدین شہید ہوئے تھے اور چند زخمی تھے۔ روشنی کی وجہ سے جب سکھوں نے دیکھا کہ مجاہدین بہت تھوڑے ہیں، کہیں دس کہیں پانچ ہیں تو انہوں نے نقارہ بجایا اور پلٹ کر بندوقوں سے مجاہدین پر حملہ کردیا۔ مجاہدین بھی سمٹ کر جوابی کارروائی کرنے لگے۔ ادھر ملکی لوگوں نے مال غنیمت سمیٹنا شروع کردیا اور جو کچھ ملا اٹھا کر میدان جنگ سے نکلنے کا ارادہ کرلیا۔ کسی نے مجاہدین میں یہ آواز بھی بلند کردی کہ اب یہاں سے نکل چلو۔ مجاہدین اب نکل رہے تھے اور سکھ حملے کر رہے تھے۔ مجاہدین کے امیر اللہ بخش خان بھی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ واپس جارہے تھے۔ اتنے میں ایک مجاہد نے آواز دی کہ سید صاحب نے آپ کو اس لیے امیر بنایا تھا کہ آپ منہ پھیر کر جنگ کے میدان کو چھوڑ دیں؟ اس پر امیر صاحب نے پلٹ کر سکھوں پر حملہ کردیا اور دیگر مجاہدین نے بھی بھرپور حملہ کردیا۔ بندوقوں کا کام جب ختم ہوگیا تو تیروں سے لڑائی شروع ہوگئی اور اس کے ختم ہونے پر دوبدو شمشیر زنی سے لڑائی شروع ہوگئی۔ تلواروں کے چلنے سے مجاہدین نے پھر سکھوں کو شکست فاش دے دی مگر کئی مجاہدین شہید و زخمی ہوگئے۔ اللہ بخش خان مرحوم بھی شہید ہوگئے اور سکھ بھاگ گئے۔ مجاہدین نے پھر ان کا تعاقب کرنا چاہا مگر بعض تجربہ کار آزمودہ جنگ ساتھیوں نے مجاہدین کو تعاقب سے منع کیا اور کہا کہ صرف آج ہی ساری لڑائی نہیں ہے، پھر کافروں کو مارنے کل آئیں گے۔ اس وقت صبح نمودار ہوچکی تھی۔ مجاہدین کشتیوں میں واپس جانے کے لیے سوار ہوگئے اور جہاں سے مجاہدین آئے تھے وہیں سے واپس چلے گئے۔ تیمم کرکے فجر کی نماز پڑھی اور دریا کے کنارے پر سید صاحب سے مصافحہ کیا اور پھر اپنے ساتھیوں کو گننا شروع کیا۔ معلوم ہوا کہ ہندوستانیوں سے چھتیس آدمی شہید ہوچکے ہیں اور قندھاریوں سے چالیس پینتالیس آدمی شہید ہوئے ہیں اور دونوں میں سے کوئی تیس

چالیس آدمی زخمی ہوئے ہیں۔ سکھوں کے سات سو آٹھ سو تک آدمی واصل جہنم ہوئے تھے اور بے شمار زخمی پڑے تھے۔ یہ واقعہ 20 جمادی الثانیہ 1242ھ مطابق 20 دسمبر 1826ء چہار شنبہ اور پنج شنبہ کی درمیانی شب میں پیش آیا تھا جس نے پورے ہندوستان پر مجاہدین کا رعب بٹھا دیا۔

من عهد عاد كان معروفا لنا
اسر الملوك و قتلها و قتالها

بادشاہوں سے لڑنا اور انہیں قید کرنا قدیم زمانے سے ہمارے جانے پہچانے کارنامے ہیں

خلق الله للحروب رجالا
و رجالا لقصعة و ثريد

اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو جہاد کے لیے پیدا کیا ہے اور بعض کو قورمے اور ثرید کھانے کے لیے۔

اس جنگ کا اثر

اس کامیاب کارروائی سے مسلمانوں کے دل بڑھ گئے، ان کو حوصلہ ملا اور علاقے کے مسلم وغیر مسلم سب لوگ اب قافلہ حریت کو عزت وعظمت اور قوت وشجاعت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ ادھر سکھوں پر لاہور تک اس کا زبردست رعب پڑا اور وہ سمجھنے لگے کہ یہ تحریک اتنی سرسری نہیں جتنا کہ ہم سمجھتے تھے۔

اس واقعہ کے بعد سید صاحب نوشہرہ سے مصری بانڈے چلے آئے اور وہاں پر قیام کیا اور تورڈھیری کو بھی مقام بنالیا۔

مجاہدین کا حضرو پر چھاپہ

لاہور کی منظم حکومت سے منظم طور پر مجاہدین نے جب مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دے کر شدید نقصان پہنچایا تو اہل سرحد نے با اثر افراد کو اندازہ ہوا کہ یہ جماعت اہل عزم

وجزم اور سرفروشوں کی ہے جس میں ایک منظم طاقت سے پنجہ آزمائی کی پوری صلاحیت ہے۔اس لیے اطراف وجوانب کے خوانین اور عوام وخواص نے مجاہدین کی طرف سنجیدگی کے ساتھ توجہ دی۔اسی سلسلہ میں علاقے کا سب سے زیادہ طاقتور نواب اور ''ہنڈ'' کا خان خادی خان سید صاحب اور مجاہدین کے تعاون کے لیے اپنے مسلح افراد کے ساتھ آئے۔ تنہائی میں ملاقات کی اور بیعت کرکے یہ مشورہ دیا کہ یہ علاقہ معسکر کے لیے پڑاؤ ڈالنے کے لیے مناسب نہیں ہے۔اس سے زیادہ مناسب جگہ ہنڈ ہے آپ کے مشن کے لیے وہی جگہ مرکز ہونا چاہیے۔سید صاحب اس دعوت واصرار کو قبول فرما کر ہنڈ چلے گئے اور عام مسلمانوں کا سید صاحب کی طرف سے سیلاب شروع ہوگیا۔

مشہور تھا کہ ''سکھاں ایں چنیں مقاتلاں دیدہ وشنیدہ نہ شدہ'' یعنی سکھوں نے اس طرح لڑنے والوں کو نہ دیکھا ہوگا۔تاریخ نے لکھا ہے کہ اس واقعہ جنگ سے اس علاقے کے لوگ جنگ میں شریک ہونا شروع ہوگئے۔چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے پانچ ہزار آدمی خالص جنگ وجہاد کے لیے اکٹھے ہوگئے اور علاقہ ہنڈ کے بااثر اشخاص نے مشورہ دیا کہ حضرو کا علاقہ ایسا ہے کہ اس میں سکھوں کا ایک توپ خانہ اور دیگر اسلحہ بھی ہے، سکھوں کی عملداری ہے اور ان کی یہاں بڑی تجارتی منڈی بھی ہے، اگر مجاہدین اس علاقے پر حملہ کریں گے تو اعلاء کلمۃ اللہ کے ساتھ بڑا مال غنیمت بھی ہاتھ آجائے گا۔

سید صاحب نے فرمایا ہم تو نووارد ہیں، جنگ اکوڑہ میں کافی لوگ شہید وزخمی بھی ہوئے ہیں، اگر حضرو پر چھاپہ کی کارروائی تم لوگ کرو تو یہ بہتر ہوگا۔ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو آپ کی اجازت کا انتظار کرتے تھے۔آگے کام ہمارا ہے۔سید صاحب کے سامنے ہندوستانیوں نے تو خاموشی اختیار کرلی مگر چالیس کے قریب قندھاریوں نے کہا ہم تو ضرور جائیں گے۔سید صاحب نے ان سے فرمایا کہ وہاں مسلمان بھی ہیں اس لیے تم جب حملہ کروگے تو اس کا خیال رکھو کہ کوئی مسلمان نہ مارا جائے۔

ہاں اگر کوئی مسلمان ہتھیار اٹھا کر تم سے لڑنے کے لیے آرہا ہے تو اس کو قتل کردو۔رات

گئے تو لوگ اباسین سے پار نکل آئے اور رات ہی کے وقت حضرو پر چھاپہ مارا اور کامیاب کارروائی کی اور سکھوں کو شکست ہوگئی مگر ملکی لوگوں نے مال سمیٹنا شروع کردیا۔

ایک شخص خوشخبری لاکر سید صاحب سے کہنے لگے کہ مبارک ہو غازیوں نے حضرو کو لے لیا اور آپ کے قندھاریوں نے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ سید صاحب خاموش سن رہے تھے کہ اچانک کسی نے کہا کہ وہ دیکھو دریا کے پار تمام چھاپے مارنے والے غازی بھاگ کر واپس آرہے ہیں۔ لوگوں نے جھانک جھانک کر اس طرف دیکھا، جب اجالا ہوگیا اور لوگ قریب آگئے تو دیکھا کہ ملکی لوگ سروں پر مال غنیمت اٹھائے ہوئے واپس بھاگ رہے ہیں اور ان کے پیچھے قندھاری ہیں اور ان کے تعاقب میں چودہ پندرہ سکھ ان کو بندوقیں مار رہے ہیں۔ دریا کے قریب آکر بعض مال لانے والے مال غنیمت سمیت دریا میں ڈوب گئے اور مال بھی ضائع ہوگیا۔

سید صاحب نے خادی خان سے فرمایا کہ کچھ لوگوں کو لے کر جاؤ اور قندھاریوں کی مدد کرو اور جاکر مجاہدین کو کشتیوں پر سوار کراکر دریا سے اس پار لے کر آؤ۔

کچھ لوگ شہید بھی ہوگئے اور کچھ زخمی بھی ہوئے مگر بڑا زوردار چھاپہ تھا جس میں پورا حضرو قبضہ میں کرلیا گیا۔ اب جن لوگوں نے لوٹ مار کے طور پر جو مال غنیمت حاصل کیا تھا انہوں نے اس مال کو سید صاحب کے لوگوں کو دینے سے انکار کردیا جس پر سید صاحب کو مجاہدین نے شرعی امیر المؤمنین بنایا تاکہ آئندہ کوئی مجاہد خودسر ہوکر کام کو خراب نہ کرے اور مال غنیمت قواعد کے مطابق بیت المال میں جمع ہوا کرے اور امیر المؤمنین کے حکم سے ہر کارروائی ہوجایا کرے۔

بدھ سنگھ کا سید صاحب کو خط

اکوڑے کے شب خون اور حضرو کی چھاپہ مار کارروائی کے بعد بدھ سنگھ نے سید صاحب کو غصہ میں ڈال کر مقصد سے ہٹانے کے لیے ایک خط لکھا جو فارسی میں تھا، اس کے چند اہم جملوں کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

شرافت منزلت زبدة الفضلاء سید احمد صاحب سلمه

واضح ہو کہ اتنی مسافت طے کرنے کے بعد اور لباس شہادت کو آراستہ کرنے کے بعد تم پر لازم تھا کہ جنگ و مقابلہ کے لیے میدان میں آتے نہ کہ شب خون مارتے۔ اب بھی اگر آپ اصل سید ہیں اور جرنیل ہیں تو باہر آ کر مقابلہ کیجیے۔ چھپ کر لڑنے سے دنیا اور دین کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ فقط

سید صاحب کا جواب

سید صاحب نے بدھ سنگھ کے مطلب کو سمجھ کو تواضع سے جواب دیا۔ چند جملوں کا اردو ترجمہ کرتا ہوں۔

امیر المؤمنین سید احمد کی طرف سے سپہ سالار عساکر جامع ریاست و سیاست صاحب شمشیر و جنگ، عظمت نشان، سردار سنگھ اللہ راہ راست پر لائے، کے نام

آپ کا وہ گرامی نامہ ملا جو اظہار مراتب شجاعت و شہادت کے دعاوٴں پر مشتمل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس معرکہ جنگ سے میرا جو مقصود ہے آپ نے اس کو نہیں سمجھا، اس لیے آپ نے اس طرح خط لکھا۔ اب کان لگا کر سنیے کہ لڑائی جھگڑا چند اغراض کے لیے ہوتا ہے۔ بعض کو مال مقصود ہوتا ہے تو بعض کو شجاعت دکھانی ہوتی ہے اور بعض شہادت کے حصول کے لیے لڑتے ہیں۔ میرا مقصد اس جھگڑے سے کچھ اور ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اور مالک کے حکم کی بجا آوری ہے۔ خدائے عز وجل اس بات کا گواہ ہے کہ میرا دوسرا مقصد نہیں۔ حصول جاہ و دنیا کی آرزو کبھی زبان پر نہیں آتی نہ دل میں آتا ہے، صرف دین محمدی کی نصرت میں جو کوشش بھی ممکن ہوگی بجالاؤں گا، ان شاء اللہ زندگی کی آخری سانس تک اس کوشش میں مشغول رہوں گا اور اپنی پوری عمر اسی کام میں صرف کروں گا۔ جب تک دم میں دم ہے اس کا دم بھرتا رہوں گا، جب تک پاؤں ہیں اس وقت تک یہی راستہ ہے اور جب تک سر ہے اس وقت تک یہی سودا ہے خواہ مفلس ہوں خواہ دولت مند، خواہ بادشاہ بنوں خواہ کسی کی رعیت بنوں، خواہ بزدلی کا الزام لگے خواہ بہادری کی تعریف سنوں، خواہ

میدان جہاد سے زندہ واپس آجاؤں خواہ شہادت سے سرخرو ہو جاؤں۔ ہاں اگر میرے مولیٰ کی خوشی اسی میں ہے کہ میدان جنگ میں تنہا سر بکف آؤں تو خدا کی قسم سو جان سے سینہ سپر رہوں گا اور لشکر کے نرغے میں بے کھٹکے گھس آؤں گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مجھے نہ اپنی شجاعت کا اظہار مقصود ہے نہ ریاست کا حصول ہاں اگر تم میں سے کوئی جرنیل اسلام قبول کر لیتا ہے تو میں اس کی مردانگی کا سو زبان سے اظہار واعتراف کروں گا اور ہزار جان سے اس کی حکومت کی ترقی چاہوں گا۔ (مورخہ 15 جمادی الثانیہ 1242ھ)

حضرو کے واقعہ کے بعد سید احمد شہید صاحب نے اپنی امامت کا واضح اعلان کیا اور آپ نے اہل پشاور اور دیگر اطراف کے لوگوں سے کھلے عام واضح الفاظ میں امامت کی ضرورت اور اس امامت کی متابعت اور جہاد میں شمولیت کا اظہار فرمایا۔ وہ خطوط اپنی جگہ لیکن میں یہاں سید احمد شہید صاحب کا وہ خط نقل کرنا چاہتا ہوں جو آپ نے ہندوستان میں اپنے متعلقین کے نام بھیجا تھا اور جس میں آپ نے ہندوستان سے لے کر اکوڑہ تک اپنے سفر کی روداد لکھی ہے، پھر اکوڑہ اور حضرو کی جنگ کا تذکرہ کیا ہے اور پھر اپنی امامت و بیعت کا بیان کیا ہے۔ خط فارسی میں ہے، اگر چہ یہ خط لمبا ہے مگر جہاد اور مجاہدین کے لیے میرے خیال میں نہایت اہم ہے لہٰذا کا صرف اردو ترجمہ نقل کرتا ہوں۔

حضرت سید احمد شہید کا ایک عجیب خط

سلام مسنون اور دعائے مسنون کے بعد واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ فقیر اپنے تمام رفقاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت وحمایت سے خیر و عافیت کے ساتھ اضلاع یوسف زئی پہنچا۔ شہر شکار پور تک فقیر کے کوچ و مقام کی روداد آپ تک پہنچ چکی ہوگی اس کے بعد ''بھاگ'' شال (کوئٹہ) اور رہ ڈھاڈر سے عافیت کے ساتھ گزرتا ہوا شہر قندھار پہنچا۔ سات روز وہاں قیام کر کے کابل کا عزم کیا۔ راستے میں راسخ العقیدہ مسلمان اور مخلص اہل ایمان، کیا امیر، کیا غریب، کیا چھوٹے کیا بڑے، کمال محبت اور اخلاص واتحاد سے پیش آئے۔ جب ہم دار السلطنت کابل پہنچے تو وہاں کے باشندے اور اطراف وجوانب

کے سادات کرام، علماء عظام اور مشائخ ذی احترام اور روسائے عالی مقام اور ہر طرف کے خواص وعوام بڑے ذوق وشوق سے ملاقات کرتے تھے۔ ان ایام میں سرداران کابل کے درمیان کچھ جنگ وجدل تھا، فقیر نے ان کے نزاع کو دور کرنے کے لیے ایک ماہ سات دن قیام کیا۔ جب مصلحت کی کوئی صورت نہیں نکلی تو پشاور کی طرف کوچ کر دیا۔ اثنائے راہ میں پہلے ہی کی طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ مخلص مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ وہاں سے پشاور پہنچے اور اہل شہر سے ملاقات کی، پھر دو تین روز وہاں ٹھہر کو موقع ہشت نگر میں آئے۔ چند روز وہاں قیام کیا اور اہل ایمان کو اقامت جہاد اور ازالۂ کفر وفساد کی دعوت دی۔ خدائے قدیر کی مہربانی سے اطراف واکناف کا ایک جم غفیر اس عبادت کی ادائیگی اور اس سعادت کے حصول کے لیے جمع ہو گیا تھا۔ وہاں سے موضع خویشگی میں آنا ہوا جہاں سے گزر کر نوشہرہ پہنچے اور چند روز قیام کا ارادہ کیا۔ اس اثناء میں سکھوں کا ایک لشکر جو سات ہزار سوار و پیادہ کی تعداد میں تھا رنجیت سنگھ کے چچازاد بھائی بدھ سنگھ کی سرکردگی میں موضع اکوڑہ میں پہنچ گیا جو موضع نوشہرہ سے سات کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ اگرچہ مجاہدین اور سکھ لشکر کے درمیان ایک دریا حائل تھا جو لنڈے کے نام سے مشہور ہے لیکن ہر ایک کا دوسرے پر رعب طاری تھا۔ اس وقت مصلحت کا تقاضا ہوا کہ مجاہدین ومہاجرین کے ایک گروہ کو راتوں دریا عبور کرا کر مخالفین پر شب خون مارنے کے لیے روانہ کیا جائے۔ چنانچہ مجاہدین 20 جمادی الاولی 1242ھ کو بوقت صبح اہل کفر پر ملائکہ عذاب کی طرح جا پڑے اور دفعۃً ان لوگوں کے سروں پر پہنچ گئے جو بالکل غافل تھے۔ توپ بندوق بالکل بیکار ہو گئی، تلواریں چلنے لگیں اور موت کا بازار گرم ہو گیا۔ آٹھ سو کے قریب سکھ مارے گئے اور بہت سارے خطرناک حد تک زخمی ہو گئے۔ بہت سارا اسلحہ اور ہزار گھوڑے مال غنیمت میں آئے اور چند مجاہدین بھی درجہ شہادت کو پہنچ گئے۔ یہ مجاہدین کے لیے ایک بڑی فتح اور مخالفین کے لیے بڑی ہزیمت تھی۔ اس کے بعد اپنے پڑاو پر بخیر وخوبی واپس آ گئے۔ چند روز کے بعد جب موضع نوشہرہ سے کوچ کر کے موضع ہند میں آئے جو دریائے سندھ کی گزرگاہ ہے تو دوسری بار لشکر کے

مجاہدین نے دریا عبور کر کے راتوں رات حضرو پر چھاپہ مارا جو سکھوں کا ایک مرکز اور دولت مندوں کا ایک اڈہ ہے۔ کچھ لوگ تلوار کی نذر ہو گئے اور کچھ گرفتار ہو کر آئے۔ اس مرتبہ بہت بڑا مال غنیمت جس میں نقود واجناس تھیں عام لوگوں کے ہاتھ لگیں۔ لوگ پندرہ سولہ لاکھ روپے کا اندازہ کرتے ہیں۔ (یاد رہے کہ اس وقت آٹھ دس روپے پر گائے ملتی تھی) بدھ سنگھ کے لشکر نے دونوں مرتبہ اہل ایمان اور مجاہدین کی جوان مردی دیکھی تو مرعوب ہو کر اپنی قرار گاہ اور چھاؤنی سے دور جا کر ایک جگہ سنگر بنالیا اور اس خط کے تحریر کے وقت وہ اس سنگر کے اندر مقیم ومقید ہے کمک پہنچ جانے کی امید پر اس نے بھاگ جانے کا سہارا نہیں لیا۔

ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہر مرتبہ مجاہدین کا لشکر ایک بے سری فوج اور عام بلوائیوں کی طرح تھا اور کوچ ومقام میں کوئی نظم نہیں تھا اس لیے مال غنیمت شرع شریف کے قوانین کے مطابق تقسیم نہ ہو سکا۔ اس بناء پر تمام مسلمانوں نے جو موجود تھے جن میں سادات، علماء، مشائخ، امراء اور خواص وعوام کے اتفاق سے اس بات کو کہا کہ جہاد کا قیام اور کفر وفساد کا ازالہ امام کے تقرر کے بغیر مسنون اور شرعی طریقے پر انجام نہیں پا سکتا۔ اس بناء پر 12 جمادی الآخرہ 1242ھ کو ان سب نے اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور اس کی اطاعت کا عہد کیا اور جمعہ کے روز خطبہ بھی اس فقیر کے نام کا پڑھا گیا۔ ان شاء اللہ اس رکن کین کے ادا کرنے کی برکت ہے جس پر دین کے اکثر احکام کا دارومدار ہے، فتح ونصرت ظاہر ہوگی۔ یہ حالات کی مختصر روداد تھی۔

اس تحریر سے فقیر کی غرض یہ ہے کہ کام کا وقت سر پر آ گیا ہے اور معرکہ کارزار درپیش ہے۔ ہر صاحب ایمان اور ہر مسلمان کو جسے اللہ نے اطاعت وانقیاد کی دولت عطا فرمائی ہے اس وقت لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو اس فقیر کے پاس پہنچ جائے اور مجاہدین ومہاجرین کے زمرے میں شامل ہو جائے۔ جو شخص اس معرکے میں خود حاضر ہوگا وہ سعادت سے مشرف ہوگا اور دوسروں سے سبقت لے جائے گا اور جو اس معاملے میں کاہلی اور سستی سے کام لے گا وہ کل قیامت کے دن کف افسوس ملے گا، وما علینا الا البلاغ۔ (جمادی الثانیہ سن 1242ھ)

شیدو کی زبردست جنگ

سید صاحب سے متعلق جن مؤرخین نے کتابیں لکھی ہیں عموماً ان کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ جنگ شیدو تک ہے اور جنگ شیدو سے دوسرے حصے کا آغاز ہوتا ہے۔ مجھے بھی نہایت خوشی ہے کہ میں اس عظیم مجاہد کی زندگی کے مجاہدانہ کارناموں کا دوسرا حصہ قارئین کے سامنے پیش کررہا ہوں۔ نہایت مختصر بلکہ حضرت سید صاحب کے تفصیلی واقعات کی طرف اشارہ کررہا ہوں مگر پھر بھی مجھے خوشی ہے کہ جہاد کے میدان سے میں ان مبارک ہستیوں کی امانت مسلمانوں کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ (الحمدللہ)

الغرض شیدو اکوڑہ خٹک کے پاس چار میل کے فاصلے پر صوبہ سرحد میں اٹک کی طرف ایک جگہ کا نام ہے۔

سید احمد شہید صاحب نے جب اپنی بیعت امامت کی عام اطلاع دے دی اور ہر طرف مجاہدین کا چرچا ہونے لگا تو خودغرض اور مفاد پرست لوگوں نے بھی اس میں حصہ لینا شروع کیا۔ صوبہ سرحد کی قدیم زمانہ سے ایک بدقسمتی چلی آرہی ہے کہ اس خطہ میں مخلص سرفروش اور اسلام دوست مسلمانوں پر خان ازم کے نام سے خوانین کا ایک داغدار اور بدنما ظالمانہ تسلط رہا ہے۔ یہ خوانین دین کی جتنے بھی خوشنما الفاظ میں تعریف وتائید بھی کریں اور دین کے لیے قربانی بھی دیں اور اس کی حمایت میں میدان میں بھی آجائیں لیکن ان سے کبھی انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے اچھا کام ظاہر نہیں ہوا بلکہ انجام کار خودغرضی اور مفاد پرستی اور دین وملت دشمنی اور قوم وغیرت فروشی کے سوا کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا۔ بڑی بڑی اسلامی تحریکوں کو انہوں نے بیچا اور ملک ووطن کے یہ لوگ سب سے بڑے سوداگر رہے ہیں۔ جنگ شیدو میں یہی کچھ ظاہر ہوا اور تحریک مجاہدین کو زبردست نقصان پہنچایا گیا۔

سید احمد شہید رحمہ اللہ جب ''ہنڈ'' میں قیام پذیر تھے اور آپ کی خلافت وامامت کا اعلان ہوچکا تھا تو اس وقت پشاور کے خوانین سردار سلطان محمد خان، سردار یار محمد خان اور سردار پیر محمد خان نے اپنے لشکروں کے ساتھ سید صاحب کی رفاقت کا ارادہ کرلیا اور نوشہرہ

تک آ گئے ۔ سید صاحب ان کی ملاقات کے لیے ہنڈ سے تشریف لے گئے ۔ ان خوانین نے بڑی محبت کا اظہار کیا اور بیعت کر کے تحریک مجاہدین میں شامل ہو گئے ۔ خادی خان، اشرف خان اور فتح خان پہلے سے ہی سید صاحب کے حلقہ میں داخل تھے ۔ ان تینوں حضرات نے اطراف و اکناف میں سرحد کے عوام کو ''غزا'' کے نام سے اکٹھا کیا۔ جب یہ لوگ اکٹھے ہو گئے تو مجاہدین نے ہنڈ سے کوچ کیا اور مقام جلسی پر پڑاؤ کیا۔ اس کے بعد مجاہدین نے چل کر مصری بانڈہ میں ڈیرے ڈال دیے اور پھر نوشہرہ آ گئے ۔ دریائے لُنڈ کے اس پار درانیوں کا ڈیرہ تھا جس میں سب ملا کر بیس ہزار آدمی تھے اور آٹھ توپیں تھیں، ادھر سید احمد صاحب کے مجاہدین کا قیام تھا، اس کے پاس نوشہرہ میں فتح خان اشرف خان اور خادی خان کے لوگ جمع تھے جن کی جمعیت تقریباً اسی ہزار تھی ۔ عزت و عظمت کا یہ لشکر تین دن تک نوشہرہ میں ٹھہرا رہا اور پھر لشکر اسلام نے شیدو کی طرف کوچ کیا۔ اس وقت مجموعی اعتبار سے یہ لشکر ایک لاکھ انسانوں پر مشتمل تھا اور اس میں تقریباً دس ہزار جنگی جھنڈے لہرا رہے تھے ۔ ملکی لوگ دف بجا رہے تھے اور پشتو کے چار بیت گا رہے تھے ۔ ننگی تلواریں کرتب کے ساتھ ہلا رہے تھے اور جوش جذبہ سے سرشار اچھلتے کودتے میدان جنگ کی طرف جا رہے تھے ۔

سید صاحب کو زہر کھلانے کا واقعہ

شیدو کی جنگ سر پر منڈلا رہی تھی کہ سید احمد شہید رحمہ اللہ کو کھانے میں زہر دے دیا گیا۔ آپ کے لیے یار محمد خان کے گھر سے خادم کھانا لائے تھے ۔ مشہور یہی تھا کہ اس کھچڑی میں زہر ملایا گیا تھا ۔ سید صاحب نے جب کھانا کھایا اور چند گنڈیریاں چوسیں تو آپ کی طبیعت خراب ہوئی اور آپ بے ہوش ہو گئے، پھر ہوش میں آئے اور پھر بے ہوش ہو گئے ۔ ادھر سے یار محمد خان اصرار کر رہا تھا کہ حضرت کو جلدی لاؤ لشکر روانہ ہو گیا ہے ۔ عام لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ یار محمد خان نے سید صاحب کو زہر دیا ہے ۔ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اپنے شیخ کی خدمت میں لگ گئے ۔ جب شیخ کو ہوش آیا تو شاہ صاحب نے عرض کیا

کہ یار محمد خان کی طرف سے سواری کے لیے ہاتھی آیا ہے اور آپ کو جلدی نکلنے کا کہہ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے چنانچہ سید صاحب کو ہاتھی پر سوار کرایا گیا اور لشکر خاص میں شاہ اسماعیل شہید کی معیت میں آپ شیدو کے میدان میں آ موجود ہوئے۔ یار محمد خان کا لشکر جانب مغرب میں پہاڑ سے متصل مقیم تھا۔ اس کی بائیں طرف سلطان محمد خان کا لشکر تھا اور اس کی بائیں طرف سردار پیر محمد خان کا لشکر تھا اور بائیں طرف تمام خوانین درانی یوسف زئی فتح خان اشرف خان اور خادی خان وغیرہ اپنے اپنے لوگوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ اسی طرف شیدو کے میدان میں سکھوں نے اپنے سنگر سے آگے بڑھ کر ایک نالے میں چار جگہ چار مورچے لگا رکھے تھے۔ جب لشکر اسلام کی طرف سے بھی توپیں چلنے لگیں تو اس وقت بڑی تیزی سے سلطان محمد خان و پیر محمد خان وغیرہ کے سواروں نے جا کر اس نالے پر قبضہ کر لیا جہاں سکھوں نے مورچے بنا رکھے تھے۔ سکھ بھاگ کر اپنے سنگروں میں چلے گئے۔ شیدو کے علاقے سے گوڈریکا شہزادہ اپنی جماعت کے ساتھ غازیان اسلام کی حمایت میں شیدو کے میدان میں کود آیا اور جا کر سکھوں کے سنگر میں گھس گیا اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔

اس عرصے میں غازیوں نے سکھوں پر یکبارگی کئی حملے کیے یہاں تک کہ ان کی توپیں خاموش ہوگئیں اور صاف نظر آنے لگا کہ لشکر اسلام غالب آ گیا ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے سید صاحب کو مبارکباد بھی دی کہ لشکر اسلام کو فتح حاصل ہوگئی۔ سید احمد شہید کی طبیعت اب تک خراب تھی، شاہ اسماعیل شہید ان کی خدمت میں تیروں اور گولیوں کی بھرمار میں لگے ہوئے تھے۔ آپ کو میدان سے نسبتاً محفوظ جگہ میں جا کر بٹھا دیا گیا تھا۔ سردار یار محمد خان اپنے لشکر کے ساتھ ایک جگہ کھڑا تھا اور بس کھڑا ہی رہا لڑ نہیں رہا تھا اتنے میں سکھوں کی طرف سے ایک گولہ آ کر اس کے لشکر پر لگا تو یار محمد خان کو گویا یہ سگنل مل گیا چنانچہ اس نے لشکر کے ساتھ حملہ کیا اور نالے والے ساتھیوں کو نرغے میں لے لیا تو تین ہزار سکھوں نے ادھر ہی سے حملہ پسپا کر دیا لیکن ان کے حملے برابر ہو رہے تھے۔ اتنے میں کسی نے آواز

لگائی کہ سردار محمد خان تو اپنے لشکر کو لے کر میدان سے بھاگ گیا ہے۔ بس اس خبر سے لشکر اسلام کے لوگ بھاگنے لگے اور سکھوں نے ان کا تعاقب کیا۔ یہ حالت دیکھ کو گودڑ شہزادہ نے اپنی جماعت کے ساتھ شیدو کے میدان میں مورچہ پکڑ لیا اور جم کر مقابلہ کیا۔ وہ آہنی دیوار بنا ہوا تھا اور شجاعت کے جوہر دکھا تا رہا یہاں تک کہ شہادت پاکر سرخروئی حاصل کی۔

جب یار محمد خان بھاگ گیا تو لوگوں نے شاہ اسماعیل شہید کو اطلاع کر دی کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا ہے، یار محمد خان نے غداری کر دی ہے اور حضرت سید شہید بے ہوش ہیں لہٰذا آپ چلنے کی تیاری کیجیے جب سید صاحب اپنے معروف ہاتھی پر سوار ہوئے تو سکھوں نے پہچان لیا کہ یہی یار محمد خان کا دیا ہوا ہاتھی ہے۔ انہوں نے تعاقب کیا تو شاہ اسمٰعیل شہید نے سید صاحب کو گھوڑے پر سوار کر دیا اور خود اسی ہاتھی پر سوار ہو گئے اور سید صاحب کو پشاور کی طرف روانہ کر دیا۔ یار محمد خان کی غداری کی وجہ سے لشکر اسلام میں افراتفری پھیل گئی اور تقریباً چھ ہزار آدمیوں نے جام شہادت نوش کیا اور بہت سارے زخمیوں کو مجاہدین طور ولے گئے جہاں ان کا علاج ہوتا رہا۔ سید صاحب موضع پجی جلالہ سے گزر کر چنگلی مقام پر جا کر ٹھہرے اور وہیں پر آپ زہر خورانی سے صحت مند ہو گئے۔ بہر حال غدار خوانین کی غداری سے اور سکھوں کے ہاتھ بکنے سے مسلمانوں کا اتنا بڑا نقصان ہوا۔ مسلمان غمگین تھے اور سکھوں نے لاہور تک خوشی کا جشن منایا۔

سید احمد شہید رحمہ اللہ بونیر میں

جنگ شیدو اگرچہ تباہ کن تھی اور کسی تحریک کو ختم کرنے کے لیے کافی تھی کیونکہ وافر مقدار میں اپنوں کی غداری تھی لیکن سید احمد شہید نے ہمت نہیں ہاری اور حوصلہ نہ توڑا بلکہ اسی سابق عزم وہمت کے ساتھ صوبہ سرحد کے غیور پٹھانوں میں جہاد کی فضیلت بیان اور روح جہاد بیدار فرما رہے تھے۔ سید صاحب کا خیال تھا کہ سرحد کے خوانین جیسے بھی ہوں مگر دنیا کی جنگجو قوموں میں ان کا شمار ہے جبکہ باقی قوموں کو ان کی رنگینیوں نے کھا لیا اور تباہ کر دیا ہے، سید صاحب نے پھر کمر ہمت باندھ لی اور سوات و بونیر کا دورہ جہاد کو زندہ کرنے کے

لیے کیا اور جہاد کی روح بیدار کرنے کے لیے پھر ایک طویل سفر کا آغاز کیا۔ چنانچہ چنگلئی سے آپ اپنے مجاہدین کے ساتھ چملہ کی طرف روانہ ہوئے اور ''کوگا'' نامی ایک گاؤں میں اتر آئے۔ کوگا میں چار روز قیام کے بعد آپ بونیر کے لیے روانہ ہوئے۔ شام کو دامن کوہ میں قیام کیا اور صبح آپ تختہ بند تشریف لے گئے۔ علاقے کے لوگوں نے جوق در جوق جہاد پر بیعت کی اور سینکڑوں لوگوں نے جان کی بازی لگانے کا وعدہ کیا۔

سید احمد شہید سوات میں

تختہ بند میں سید صاحب نے چار روز قیام کیا اور پھر الٹی تو رسک، جوڑ میں آرام کر کے ''کڑاکڑ'' پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے جہاں سے سوات اور بونیر دونوں علاقوں کا نظارہ ہوتا تھا۔ اس پہاڑ سے سید صاحب اتر کر سوات کے علاقہ بریکوٹ اور تھانہ میں قیام پذیر ہوئے۔ وہاں آپ ''اچ'' کے سادات کے ساتھ ان کے ہاں گئے اور دعوت جہاد کی مہم چلائی۔ موضع اچ میں تین دن قیام کر کے جہاد مقدس کا یہ پروانہ کوٹی گرام تشریف لے گیا۔ کوٹی گرام ہی میں اللہ کے اس مجاہد فی سبیل اللہ نے دیار غیر میں سفر کی حالت میں عید الفطر گزار دی اور عید الفطر کے تیسرے روز آپ برسوات تشریف لے گئے۔ وہاں بھی کوٹی گرام کی طرح بڑی مخلوق نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی پربستی بانڈہ میں ''رڑکی'' والے مولوی رمضان بہت سارے لوگوں کے ساتھ آئے اور جہاد پر بیعت کی۔ پھر سید احمد شہید مجاہد اسلام علاقہ سوات سے مرکزی مقام ''مینگورہ'' تشریف لائے۔ تین روز قیام کے بعد آپ مینگورہ سے چل کر ''منگلور'' سے ہوتے ہوئے اپنے مجاہدین کے ساتھ ''چار باغ'' آئے تو علاقے میں مجاہدین کی آمد پر نقارے بجنے لگے اور ہر گھرانے میں دعوتوں کا اہتمام ہونے لگا۔ مجاہدین ہر جگہ ایک ایک دو لقمے کھا کر سب کی دعوت قبول کرتے تھے اور ہزاروں مسلمانوں نے جہاد پر بیعت کی تاریخ قائم کی۔ گلی باغ میں بڑے بڑے خوانین، نوابوں اور عوام نے کئی میل تک سید صاحب کا استقبال کیا۔

گلی باغ سے مجاہدین کا قافلہ خوازہ خیلہ میں جا اترا اور وہاں چترال کے لوگوں نے

سید صاحب کو چترال آنے کی دعوت دی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں ان شاء اللہ دعوت جہاد کے لیے اپنے آدمیوں کو ضرور چترال بھیجوں گا۔ پھر مقام ''خونہ'' سے آپ نے قاشقار چترال کے لیے اخوند فیض محمد کے ساتھ اپنے مجاہدین کو روانہ کیا اور وہاں کے حاکم کے لیے قرآن مجید اور پستول کا تحفہ بھیجا۔ ''خونے'' سے روانہ ہو کر سید صاحب ''فتح پور'' سے گزر کر ''درشت خیلہ'' آئے (یہ جگہ میرے نہایت محسن استاذ اور میرے ہم نام حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتی رحمہ اللہ کا آبائی گاؤں ہے) وہاں سے سید صاحب خنجرہ، شکر درہ اور بانڈہ ہوتے ہوئے دریا کو عبور کر کے پھر چار باغ تشریف لائے چار باغ سے پھر مینگورہ ہوتے ہوئے آپ ''اوڈیگرام'' تشریف لے گئے جہاں سے آپ بریکوٹ ہوتے ہوئے کڑاکڑ کی چڑھائی پر چڑھ کر شافعیوں کی بستی سے ہوتے ہوئے جوڑ، تورسک، موضع باچا، شل بانڈی، تختہ بند اور کوگا ہوتے ہوئے پھر چنگلی تشریف لائے اور وہیں پر اس مجاہد فی سبیل اللہ نے غربت وسفر کی حالت میں ہزاروں میل دور عید الاضحیٰ منائی۔ سید صاحب نے اپنی قربانی کی اور پھر وہاں سے پنجتار کا رخ کیا۔ وہاں کے خان فتح خان نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور باتیں کرتے کرتے سید صاحب کو پنجتار لے گیا اور دعوتی اور مبارک طوفانی دورہ سے علاقے کے لوگ جہاد اور غزا کے لیے تیار ہو گئے۔ سید صاحب کی عادت تھی کہ آپ سر سے ننگے ہو کر عاجزی کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے اور آپ نے چوٹی پر دیر تک دعا مانگی اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر روئے جس کا نتیجہ اس وقت بھی دیکھا گیا اور آج بھی الحمد للہ اس وقت جہاد مقدس کا علاقہ سوات و بونیر ایسا ولولہ اور جذبہ ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد شہید کی دعائیں رنگ لا رہی ہیں۔ اب سوات والے سید صاحب کا بدلہ اتارنے کے لیے سوات سے کشمیر و ہندوستان جا کر جہاد کرتے ہیں اور غازی وشہید بنتے ہیں۔ (الحمد للہ)

پنجتار میں مجاہدین کی مرکزی چھاؤنی

سید صاحب نے بونیر سوات کا جو دعوت جہاد کے لیے دورہ کیا تھا اس میں تین ماہ لگے

تھے۔ وہاں سے فارغ ہو کر سید صاحب نے پنجتار کو مجاہدین کے لیے بطور ہیڈ کوارٹر منتخب کیا۔ صوبہ سرحد میں سید صاحب نے پنجتار میں سب سے زیادہ طویل عرصہ کے لیے قیام فرمایا اور یہیں سے آپ نے پورے صوبے میں نفاذ شریعت کے عمل کو تیز تر کر دیا۔ نفاذ شریعت کی وجہ سے جو مزاحمت ہوئی اس کا مقابلہ سید صاحب نے پنجتار کی مرکزی چھاؤنی سے کیا۔

صوبہ سرحد کے اہل خیر اور عام خوانین نے سید صاحب کو مشورہ دیا کہ فی الحال پنجتار میں صرف قیام ہے کوئی جہادی سرگرمی نہیں، لہٰذا اگر آپ اطراف اور گردونواح کے علاقوں میں دعوت جہاد کی غرض سے تشریف لے جا کر وعظ فرمائیں تو یہ بہت فائدہ مند رہے گا۔ آپ نے مشورہ کو پسند فرمایا اور اس دورہ میں آپ نے شیورہ، چارگلی، مہرعلی، مچی، امان زئی، اسماعیلہ، کالوخان، تلاندائے، شیخ جانا وغیرہ مقامات کا سفر فرمایا۔ ہر جگہ لوگوں نے جہاد کی بیعت کی۔

اس کے بعد آپ نے پھر پنجتار سے دوسرا دورہ شروع کیا اور شیوہ سے ہوتے ہوئے مچی، کاٹ لنگ، ''لوندخوڑ'' شاہ کوٹ میں قیام کیا۔ اس کے بعد آپ ڈاگئی تشریف لے گئے اور وہاں سوات کے ایک علاقے ''خار'' میں سید صاحب نے ایک سال تک مع لشکر قیام فرمایا، پھر کانڑا غوربند کے لوگ آئے اور بیعت جہاد کی۔

سرحد کے خوانین نے کیوں غداری کی؟

بعض خوانین تو بدظن تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم پر شریعت کے جو قوانین سید صاحب نے نافذ کیے ہیں یہ شاق ہیں، ہم ان کو قبول نہیں کرتے اور بعض خوانین نے جب دیکھا کہ نفاذ شریعت تو ان کی شرارت اور راہ فساد میں رکاوٹ ہے تو اس لیے ان دو وجوہات کی بناء پر سرحد کے خوانین، سید صاحب سے بگڑ گئے اور انہوں نے بغاوت کی۔ ویسے بھی خوانین زیادہ تر حرام مال کھانے کے عادی ہیں اور جب پیٹ میں حرام ہو تو اچھے کاموں کی جگہ برے کام ظاہر ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے سرحد کے خوانین سید صاحب کے خلاف ہو گئے اور سکھوں سے ساز باز کر لی۔ سید صاحب نے آخر مجبور ہو کر انہی غداروں سے

جنگیں لڑیں اور ان کو شکست فاش دے دی۔ چنانچہ اتمان زئی میں مجاہدین کی شدید جنگ درانیوں سے ہوئی اور مجاہدین کامیاب ہو گئے۔ پھر ''جالالا'' میں زبردست جنگ ہوئی اور مجاہدین کامیاب ہو گئے۔

مجاہدین کا زور دیکھ کر خوانین نے آ کر معذرت کی اور سید صاحب سے دوبارہ تجدید بیعت کر کے وفادار بن گئے۔ سید صاحب نے جگہ جگہ اسلامی عدالتوں کو قائم کر لیا اور ہر جگہ شریعت کی پابندی شروع ہوئی۔ پنجتار کے خوانین کا اثر بڑھ گیا اور ''ہنڈ'' کے خوانین کا کم ہو گیا اس لیے ان خوانین کی آپس میں ملکی رقابتیں شروع ہو گئیں جن سے اسلامی تحریک کو بہت نقصان پہنچا۔ چنانچہ زیدہ میں ایک خونریز جنگ ہوئی جو انہی خوانین کی آپس میں جنگ تھی جس میں بہرحال مجاہدین نے ایک طرف کی مدد شریعت کی روشنی میں کی مگر آپس کی تلخیاں شروع ہو گئیں۔ خوانین کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ وہ دنیوی مفادات کے لیے علماء اور اسلام کا سہارا لیتے ہیں۔

وینٹورہ کی آمد اور جنگ پنجتار

رنجیت سنگھ کی فوجوں کا دستور تھا کہ ہر سال دسہرہ کے بعد ایک بار علاقہ چھچھ میں آ کر مسلمانوں سے بطور جزیہ ہزاروں گھوڑے، باز اور شکاری کتے لے جاتے تھے۔ سکھوں کے لوگوں نے سید صاحب کی اسلامی حکومت کو دینا شروع کر دیا۔ جرنل وینٹورہ ایک فرانسیسی ماہر جنگ جرنیل تھا۔ اس نے نپولین کی افواج میں بڑا مقام پیدا کیا تھا۔ وہ ایک لشکر لے کر علاقہ چھچھ میں لوگوں سے جزیہ کا مطالبہ کرنے لگا، جو نعل کے نام سے گھوڑے اور شکاری باز اور کتے ہوتے تھے۔ لوگوں نے دینے سے انکار کیا صرف خادی خان نے ادا کر دیا اور اس نے وینٹورہ سے خفیہ ساز باز کر لی۔ وینٹورہ اپنی افواج اور منافق خادی خان کی افواج کے ساتھ میدان میں آیا اور سید صاحب کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔ سید صاحب نے ترکی بترکی جواب دیا، پھر میدان میں زبردست جنگ ہوئی اور وینٹورہ کی افواج کو شکست فاش ہو گئی۔ اس کے بعد خوانین سرحد نے پھر حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر

بیعت کر لی اور اتفاق کی کوشش شروع کی۔ اگلے سال دسہرہ کے موقع پر وینٹورہ پھر لشکر کے ساتھ پنجتار پر حملہ آور ہوا اور فرانسیسی لشکر نے مجاہدین کی بیخ کنی کا عہد کیا۔ مجاہدین نے پنجتار کے اردگرد دیوار کھڑی کر دی اور سب نے شہادت کی تیاری کی۔ سید صاحب نے جنگی لباس پہن لیا، جنگی جھنڈے آب وتاب سے لہرانے لگے اور سید صاحب اللہ تعالی کے سامنے عاجزی سے دعا کرنے لگے۔ ادھر جرنیل وینٹورہ نے دوربین سے دیکھا کہ مجاہدین کثیر تعداد میں ہیں اور اہم مورچے سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ مرعوب ہوا اور خادی خان کو دھوکہ باز کہہ دیا کہ تم کہتے تھے مجاہدین بہت کم ہیں۔ بہرحال سید صاحب نے فرمایا تھا کہ جب تک وینٹورہ کی فوج قلعہ کی دیوار تک نہیں آتی تم حملہ نہ کرنا۔ جب اس کی افواج دیواروں سے سرٹکرانا شروع کریں تو اس وقت حملہ کرنا۔ چنانچہ جب وینٹورہ کی فوج دیوار سے سرٹکرانے لگی تو مجاہدین نے ایسا حملہ کیا کہ سب کو پاش پاش کر کے رکھ دیا اور اسلامی حکومت مزید مضبوط ہو گئی۔

تنگی پر شب خون کا منصوبہ

علاقہ تنگی کے لوگ کئی ماہ سے سید صاحب کے پاس آتے جاتے رہتے تھے کہ ہم پر درانی ظلم کرتے ہیں۔ اگر چند مجاہدین ہمارے ساتھ ہو جائیں تو علاقہ سے ظلم ختم ہو جائے گا۔ سید صاحب نے مجاہدین کو بھیجا مگر وہاں معلوم ہوا کہ یہی شکوہ اور فریاد کرنے والے دھوکا باز تھے۔ انہوں نے جا کر درانیوں سے ساز باز کر لی اور تنگی کی مہم سے مجاہدین واپس آ گئے۔

قلعہ ہنڈ کی تسخیر

خادی خان نے بغاوت کی تھی۔ وہ اسلام سے مذاق کرتا تھا اور مجاہدین اسلام سے بھی عداوت پر تلا ہوا تھا۔ مجاہدین شاہ اسماعیل شہید کی معیت میں راتوں رات ان پر چڑھ گئے۔ خادی خان مارا گیا اور قلعہ ہنڈ فتح کر لیا گیا۔

جنگ زیدہ اور یار محمد خان کا قتل

قلعہ ہنڈ کے حاکم خادی خان کے قتل کے بعد ان کے بھائیوں میں انتقام کی آگ

بھڑک اٹھی اور انہوں نے یار محمد خان سے ساز باز کر لی۔ یار محمد خان پہلے سے سید صاحب اور مجاہدین کا دشمن بن گیا تھا اور اس نے چار جرنیلوں کی معیت میں اپنی افواج کو ہریانہ کے مقام پر اکٹھا کر دیا اور پھر خود بھی اس نے وہاں جا کر توپیں چلائیں۔

سید صاحب جنگ زیدہ کی خود کمان کر رہے تھے اور شاہ اسماعیل شہید اس کے سپہ سالار تھے۔ مجاہدین نے نہایت احتیاط سے ایسا زوردار حملہ کر دیا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور پانچ بڑے جرنیلوں کے ساتھ خود یار محمد خان بھی ہلاک ہو گیا اور زیدہ پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا، بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا اور چھ بڑی توپیں ہاتھ لگیں۔ اہل تاریخ نے جنگ زیدہ کی تاریخ 6 ربیع الاول 1245ھ مطابق 5 ستمبر 1829ء لکھی ہے۔ اس فتح کے بعد سید بادشاہ صاحب فاتحانہ انداز سے واپس پنجتار میں داخل ہوئے۔ یاد رہے کہ یہ جو علاقے فتح ہو رہے تھے گویا انگریزوں اور سکھوں کو شکست ہو رہی تھی کیونکہ منافق حکمران یا سکھوں کے پٹھو بن چکے تھے اور یا خود سکھ ان کے شانہ بشانہ مجاہدین سے لڑ رہے تھے۔

پائندہ خان کی بغاوت

پائندہ خان نے سید احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ وہ بہت بااثر خان تھا مگر پھر اس نے بیعت سے انحراف کیا۔ اس کے بعد پائندہ خان کے خفیہ روابط سکھوں سے قائم ہو گئے تھے اور وہ اپنے زیر قبضہ علاقوں میں مجاہدین کو داخل نہیں ہونے دے رہا تھا۔ بہت کچھ گفت وشنید اور فہمائش کے بعد مجبور ہو کر مجاہدین نے پائندہ خان کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ کھبل، کوہ کینر ڑئی، امب اور عشرہ میں مجاہدین کی بڑی جنگیں ان کے باغیوں سے ہوئیں اور سب علاقے ان سے چھین لیے گئے۔ کوئلہ کا اہم علاقہ پائندہ خان کے ہاتھ سے نکل گیا اور ستھانہ میں زبردست جنگ جاری تھی۔ بعض مقامات سے جب خوانین نے فرار اختیار کیا اور تنول کے لوگ بھی بھاگنے لگے تو وہ ایک دوسرے کو کہتے تھے "خان جل گئے، خان جل گئے" یعنی خوانین بھاگ گئے تم بھی چلو۔ اس کے بعد اطلاع آئی کہ پائندہ خان چھتر بھائی سے بھی بھاگ کر چلا گیا ہے۔ مجاہدین نے چھتر بھائی پر بھی قبضہ کر لیا۔

پھولڑے کی جنگ

سید احمد شہید کا اصل منصوبہ تو کشمیر جانے اور قبضہ کرنے کا تھا تاکہ اس کے بعد ہندوستان پر حملہ ہو جائے لیکن اس طرف جانے میں تنول کے لوگ رکاوٹ بنے ہوئے تھے اور علاقے پر پائندہ خان کی حکومت تھی۔ ادھر جب مجاہدین کی پائندہ خان سے لڑائی شروع ہوگئی تو پھر اس کا تعاقب ضروری ہوا۔ لہٰذا سید صاحب کے مجاہدین نے دریائے اٹک عبور کیا اور اور سریکوٹ میں داخل ہوئے اور پھر جنگ کے بعد پھولڑہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد مجاہدین نے شاہ کوٹ پر بھی قبضہ کر لیا۔ پائندہ خان کی بغاوت اور اس سے جنگ یہ ایک ضمنی بات ہے جو جنگ زیدہ سے متعلق ہے، اصل بات بعد میں آ رہی ہے جب شاہ اسماعیل شہید اپنے مجاہدین کے ساتھ ضلع ہزارہ میں داخل ہو رہے تھے اور پائندہ خان راستہ نہیں دے رہا تھا۔

مایار کی جنگ

خوانین اور درانیوں نے طے کر لیا کہ اب مجاہدین سے لڑیں گے۔ چنانچہ دان کے تمام سردار اور خوانین لڑنے پر متفق ہو گئے اور لشکر چمکنی سے چارسدہ میں داخل ہو گیا۔ سید صاحب کو جب اطلاع ہوئی تو آپ پنجتار سے ان کے تعاقب میں نکل گئے۔ درانی خوانین نے اتمان زئی کو اپنا گڑھ بنا لیا مگر مجاہدین سے ڈر کر وہاں سے ''ہوتی'' مردان چلے گئے۔ مجاہدین نے آکر ''تورو'' میں ڈیرے ڈال دیے اور یہیں سے سید احمد شہید نے انتہائی کوشش کہ خوانین واپس جائیں یا صلح ہو جائے اور جنگ کی نوبت نہ آئے۔ آپ نے تورو سے عبدالرحمن کو سلطان محمد خان کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ ہم ہندوستان سے یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے آئے ہیں، ہم نے بیعت بھی کی اور اب بغاوت کر کے کافروں کا ساتھ دے رہے ہو، خدا کا خوف کرو اور باز آجاؤ ورنہ تمہارے دین کا بھی نقصان ہوگا اور دنیا بھی برباد ہوگی۔ ہم نے شرعی حجت قائم کر لی آگے کام تمہارا ہے۔

سلطان محمد خان نے بڑا متکبرانہ جواب دیا اور کہا کہ تم لوگوں نے میرے بھائی پر رات کو

حملہ کر کے قتل کیا، اب تم دن کے اجالے میں میرا مقابلہ کرو گے۔ میں تمہارے جہاد اور تمہاری خدا پرستی کو دیکھ لوں گا۔ سید صاحب نے پھر قاصد بھیجا اور اس کے تمام شکوک کا جواب دیا اور کہا کہ ہم تم سے لڑنے نہیں آئے، تم کافروں کا ساتھ نہ دو اور ناحق اصرار نہ کرو، برائی کا انجام برا ہوتا ہے۔

سلطان محمد خان نے اس دفعہ قاصد کو ڈانٹا اور کہا کہ واپس جاؤ اور پھر ہماری طرف نہ آنا اور نہ سید بادشاہ کا کوئی پیغام لانا، اب جنگ ہے۔ جب کوئی بات نہ بنی تو سید احمد شہید رحمہ اللہ نے شاہ اسماعیل شہید کو بلایا اور جنگ کے سارے انتظامات مکمل کر لیے۔ تورو اور ہوتی کے درمیان ایک جگہ ہے جس کا نام "مایار" ہے۔ سید احمد شہید نے ساتھیوں سے فرمایا کہ سلطان محمد خان نے کل کی جنگ کا وعدہ دیا ہے، کہیں وہ پہلے ہی اس مقام پر قبضہ نہ کر لے کہ پانی کی تنگی ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر رات بھر ننگے سر سید احمد شہید نے اللہ سے کامیابی کی دعا مانگی۔

مایار کی جنگ کی ابتداء

شام کے وقت سردار سلطان محمد خان اور اس کے بھائیوں پیر محمد خان، سید محمد خان اور بھتیجے حبیب اللہ خان نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ ہم سید احمد کے مقابلے سے کسی طرح منہ نہیں موڑیں گے۔ پھر انہوں نے دو طرف سے نیزے گاڑ کر ایک دروازہ سا بنایا اور اس میں ایک لنگی باندھ کر اس میں قرآن مجید لٹکا دیا اور اس کے نیچے سے پورے لشکر کو گزار کر میدان کی طرف روانہ کیا۔ موضع ہوتی کے لوگوں کا بیان ہے کہ اس وقت اکثر درانی شراب پی کر مست تھے۔ درانیوں کے ہاں تین بار نقارہ بجا اور پورا لشکر چار سرداروں کی سرکردگی میں حق کو مٹانے کے لیے ہوتی سے تورو کی طرف چل پڑا۔

سید احمد شہید کو اطلاع ہوئی کہ لشکر سر پر آیا چاہتا ہے۔ یہ خبر سن کر سید صاحب نے نہایت عاجزی سے دعا کی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر مایار کے علاقے میں ایک نالے کے پاس جا اترے۔ دعائیں پڑھنے کی ہدایت کی کہ اتنے میں سلطان محمد خان کی فوج نے توپ

کا گولہ چھوڑ دیا۔ مجاہدین کی تین صفیں تھیں، سید صاحب نے فرمایا کہ بھائیو! آہستہ آہستہ صفوں کو اسی طرح قائم رکھتے ہوئے دشمن کی توپوں پر ہلہ بول دو اور ڈرو نہیں، ڈرنا حرام ہے اور یاد رکھو توپ کی آواز تو بہت خطرناک ہوتی ہے مگر توپ کا گولہ صرف ایک آدمی کی جان لے سکتا ہے، اس لیے گھبراؤ نہیں۔ سید احمد شہید کے ساتھ اس وقت ملکی لوگوں میں سے صرف پنجتار، گھڑیالہ، شوہ، کلاہٹ، گھڑی امازئی، اکوڑہ، زیدہ، تورو، لونڈ خوڑ، ٹوپی، ڈاگئی اور کوٹھا کے خواص و عوام شریک تھے اور طلبہ بھی کافی تعداد میں تھے۔ جنگ کا نقشہ بالکل تیار تھا کہ اتنے میں درانیوں کے ایک دستے نے مجاہدین پر حملہ کر دیا۔ وہ لوگ داڑھیاں منہ میں دبائے ہوئے تھے، ننگی تلواریں لہرا رہے تھے، جنگی جھنڈا اہلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے سید کجا است؟ سید کجا است؟ یہ دیکھ کر سید احمد شہید نے بندوق ہاتھ میں لی اور اللہ اکبر کا نعرہ تکبیر بلند کر کے فائر کیا۔ مجاہدین نے بھی اندھا دھند فائرنگ تکبیروں کی گونج میں شروع کی مگر درانی آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ دونوں طرف کا لشکر گتھم گتھا ہو گیا اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ اس زمانے کے ہتھیار تلوار، نیزے، تیر، خنجر گنڈاسے، قرابین اور بارودی بندوقیں تھیں۔ یہ ہتھیار میدان میں دونوں طرف سے چلنے لگے۔ مجاہدین میں سردار سلطان محمد خان کے جو منافق گھسے تھے وہ تو بھاگ گئے اور درانیوں کا دوسرا دستہ مقابلہ پر آ گیا اور کہنے لگا سید کجا است؟ سید کجا است؟ سید صاحب کے پاس اس وقت پانچ سو مجاہد ہوں گے۔ جب دشمن قریب آ گیا تو سید صاحب نے ایک ہاتھ سے بندوق ایک جانب اور دوسرے ہاتھ سے دوسری بندوق دوسری جانب تیزی سے چلا دی جس سے دشمن کا دوسرا دستہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا اور سید صاحب بھی ساٹھ مجاہدین کے ساتھ ہو کر بندوق چلاتے ہوئے ان کے پیچھے دور تک دوڑتے رہے اور مارتے رہے۔

[illegible] کا معرکہ شدت سے جاری تھا، مجاہدین جہادی ترانے گا رہے تھے اور لڑ رہے تھے۔

ضلع ہزارہ میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کی آمد

جیسا کہ اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ ضلع ہزارہ میں سکھوں کی حکومت مستحکم ہو چکی تھی اور علاقے کے خوانین سب ادھر ادھر بھاگ کر جا چکے تھے اور جو کچھ رہ گئے تھے وہ بھی موت وحیات کے کشمکش میں زندگی گزار رہے تھے اور سب نے سید احمد شہید سے رابطہ کر کے سکھوں کے خلاف مجاہدین بھیجنے کی درخواست کی تھی۔ سید صاحب ان مظلوموں کی مدد کے لیے تیار ہو گئے اور پنجتار سے اپنی ہجرت سے قبل شاہ اسماعیل شہید کو مجاہدین کی ایک جماعت دے کر ہزارہ کی طرف سکھوں کی سرکوبی اور مظلوموں کی دادرسی کے لیے روانہ فرمایا۔

چنانچہ شاہ اسماعیل شہید نے پنجتار سے نکلنے کے بعد پہلی رات ٹوپی اور دوسری کھبل میں گزار کر سیدھے اپنے مجاہدین کے ساتھ ''امب'' پہنچے (جس کو آج کل دربند کہتے ہیں جو تربیلا ڈیم کے نیچے تک آ گیا ہے) اور پھر ستھانہ جا کر قیام کیا۔ ان راستوں میں کئی غازیان اسلام بھی مجاہدین کی صفوں میں شریک ہوئے۔ ''دربند امب'' میں چونکہ پائندہ خان کا اثر زیادہ تھا تو شاہ اسماعیل شہید نے اس سے گفتگو کی کہ اگر اس کی قوت سکھوں کے خلاف مجاہدین کی مدد کرے تو بہت فائدہ ہو گا لیکن پائندہ خان نے صاف انکار کر دیا۔ شاہ صاحب نے امب کو دریا عبور نہیں کیا بلکہ ''چھتر بھائی'' سے جا کر محفوظ مقام سے گزر کر مجاہدین کو دریا سے پار کرا کر براستہ ''بروٹی، نکا'' پانی پہنچا دیا اور وہاں گردونواح میں جہاد اور غزا کے سلسلہ میں خطوط ارسال کرا دیے اور بڑی ترتیب سے کارروائی کی۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ ''مولانا اسماعیل شہید کی دقیقہ سنجی اور گہری نظر کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایک چیز اور ایک ایک مصلحت پر گہری نظر تھی۔ چونکہ راستہ سنگلاخ پہاڑیوں میں سے تھا اور میدانی علاقے کے باشندے اسے بآسانی طے نہیں کر سکتے تھے اس لیے آپ نے سید صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ اس طرف صرف آزمودہ کار غازی بھیجے جائیں جو مسافت طے کرنے میں ہر قسم کی مشقتیں ضبط وصبر کے ساتھ برداشت کر سکیں۔

سواری کے عادی یا محتاج نہ ہوں اور ان کو امام کی نسبت انقیاد کلی اور اذعان جبلی کا رتبہ حاصل ہو۔ ساتھ ہی یہ گزارش بھی کہ غازیوں کو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کر کے ایک ایک دو دو تین تین روز کے وقفہ سے بھیجا جائے۔ اس میں کئی مصلحتیں تھیں مثلاً چھوٹی جماعتوں کے لیے دریا سے اترنا آسان تھا، کھانے پینے کی چیزیں حاصل کرنے میں دقت نہیں آ سکتی تھی، تھوڑے تھوڑے وقفے سے لشکر کے آتے رہنے سے عام مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب ہو جاتی ہے تو وہ ساتھ دے کر جہاد میں شامل ہو جاتے اور دشمن ہر دوسرے تیسرے روز لشکروں کی آمد کا ذکر سنتے رہتے تو ان پر دہشت اور ہیبت طاری ہوتی۔ شیر گڑھ میں لوگوں نے مجاہدین کی بہت عزت اور احترام و اکرام کیا۔ وہاں سے ہوتے ہوئے شاہ اسماعیل شہید اپنے رفقاء کے ساتھ ''اگرور'' کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں کے خان عبدالغفور خان کو شاہ صاحب نے پہلے اطلاع بھیج دی تھی شاہ اسماعیل شہید نے مجاہدین کے قیام کے لیے بطور مرکز ''شمدڈہ'' کو منتخب کیا۔

تمام خوانین نے پرتپاک استقبال کیا اور شاہ صاحب کے ہاتھ پر سید احمد شہید کے لیے بیعت کی مگر جب شاہ اسماعیل شہید نے جہاد کے حوالے سے پروگرام سامنے رکھا تو معلوم ہوا کہ یہ سب گفتار کے غازی تھے مگر کردار سے عاری تھے۔ شاہ صاحب کا خیال تھا کہ ضلع ہزارہ کے خوانین میں طاقتور خان پائندہ خان ہے لہٰذا سید احمد شہید کو اس سے تعلقات استوار کرنے چاہئیں۔ اس صورت حال کو شاہ اسماعیل شہید نے اس طرح لکھ کر سید احمد شہید کے نام بھیجا: (1) دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر پائندہ خان کی حکومت ہے، گھاٹ اس کے قبضہ میں ہیں اور ''اگرور'' اس کے تابع ہے۔ اگر اس سے رشتہ منقطع کیا جائے تو غازیوں کے لیے آمد و رفت میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

(2) پائندہ خان تمام خوانین ہزارہ سے حشمت و شوکت میں بڑھا ہوا ہے۔ اسے مخالف بنا کر بعض دوسرے خوانین کی موافقت حاصل کرنا بالکل غلط ہے۔

شاہ صاحب نے چند اور باتیں بھی لکھی ہیں مگر میں نے اسے ترک کر دیا۔ بادشاہ

صاحب شہید کی ان تمام خوانین کے متعلق وہی رائے تھی کہ یہ گفتار کے غازی تو ہیں مگر کردار کے نہیں ورنہ اگر صرف یہی خوانین سکھوں کے خلاف متحد ہو کر جرأت سے اکٹھے ہو جاتے تو کسی اور کے سامنے فریاد کی ضرورت نہیں تھی۔ بہر حال جب شاہ اسماعیل شہید ''جویاں مستور'' یعنی ''ٹیکری'' میں فروکش ہوئے تو آپ نے علاقے کا نقشہ اس طرح کھینچ کر سید صاحب کو خط میں لکھا:

اگر چہ خدا کے فضل سے حصول مقصود کی امید ہے لیکن ان اضلاع میں لشکر بھیجنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا، یہ قدم وقت سے پہلے اٹھا لیا گیا۔ بہتر یہ تھا کہ میں چند ساتھیوں کو لے کر آتا اور تمام دیہات میں پھر پھر کر جہراً اور سراً دعوتِ جہاد دیتا۔ جب رؤسا تیار ہو جاتے تو پھر لشکر کی جگہ متعین کر کے غازیوں کو یہاں بلاتا یا یہ مناسب تھا کہ زبردست لشکر بھیج کر تمام خوانین و رؤسا کی موافقت سے قطع نظر کرتے ہوئے سکھوں سے جنگ کی جاتی۔ خیر جو کچھ واقع ہوا اسی کو باعث خیر سمجھنا چاہیے۔ اگر ''سید مقیم'' کامیاب واپس آئے تو امید ہے کہ حصول مقصد کی صورت بہت جلد پیدا ہو جائے گی ورنہ کچھ دیر لگے گی۔ اس موقع پر واپس آ جانا بھی مضر ہے اور تامل و تدبر کے بغیر کام میں ہاتھ ڈالنا خلاف مصلحت ہے۔ (تذکرہ شہید 66)

ڈمگلہ کی جنگ

سکھوں نے مقام ڈمگلہ میں اپنی قوت بنا لی تھی اور انہوں نے حبیب اللہ خان کے بیٹے کو جنگ کے دوران محاصرہ میں لے رکھا تھا۔ ادھر ادھر کے مجاہدین حبیب اللہ خان کے بیٹے کو سکھوں کے محاصرہ سے نجات دلانے کے لیے پہلے ہی دوڑ چکے تھے۔ شاہ اسماعیل شہید نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ علاقہ ''ٹیکری'' میں جا کر قیام کیا اور اپنے ایک ساتھی عبداللہ خان کو امیر مقرر کر کے مورچے بنا لیے۔ اس وقت غازیوں کی خفیہ سرگرمیوں اور حملہ کرنے کی خبر مشہور ہو گئی تھی کہ مجاہدین سکھوں پر حملہ کرنے والے ہیں۔

ہری سنگھ کی فوجیں

ہری سنگھ کو جب اس خبر کی اطلاع ہوئی تو اس نے تین ہزار کا لشکر پھول سنگھ کی قیادت

میں مجاہدین سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ پھول سنگھ کی مدد کے لیے تین ہزار آدمی مزید مرکز سے آئے۔ مجاہدین کی تعداد چند سو افراد پر مشتمل تھی مگر جب شاہ صاحب نے پھول سنگھ کا سنا تو آپ نے بھی لڑنے کا پکا ارادہ کیا۔ البتہ یہ تجویز آئی کہ حملہ رات کے وقت شب خون مارنے کی صورت میں ہونا چاہیے۔ شاہ اسماعیل شہید ''بگوڑ منگ'' کے سامنے ڈمگلہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام شنکیاری کے قریب ٹھہر گئے۔ ادھر مجاہدین میں ہتھیار تقسیم ہو گئے اور رات کے وقت دہشت بٹھانے کے لیے بطور میزائل مجاہدین کو بارود سے بھرے ہوئے نل بھی دے دیے گئے تاکہ بوقت ضرورت ان نلوں میں آگ لگا کر سکھوں پر پھینکا جائے اور ان کے مجمع کو منتشر کیا جائے۔ سید صاحب نے جب مجاہدین کی جماعت کو ڈمگلہ کی طرف روانہ کیا تو یہ ایک سو مجاہدین تھے جو چھ ہزار سکھوں کے مقابلہ پر جا رہے تھے۔ اتنے میں مقامی لوگوں نے بھی پندرہ سو آدمیوں کو اس معرکہ خیر کی طرف بھیجا مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میدان کارزار میں اترنے کے وقت صرف تین سو یا چار سو مجاہدین تھے باقی مقامی لوگ بھاگ گئے تھے، مگر شاہ اسماعیل شہید نے حکم دے دیا کہ سکھوں پر ہلہ بول دو۔ چنانچہ چشم فلک نے دیکھا کہ سکھوں پر سب سے پہلے حملہ آور ہونے والا شخص خود مجاہدین کا سپہ سالار شاہ اسماعیل شہید تھا۔ آپ نے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا جس سے سکھوں پر ہیبت طاری ہو گئی۔ اب اگر وہ بھاگتے ہیں تو مجاہدین بندوقوں سے مارتے ہیں اور اگر کھڑے رہتے ہیں تو مجاہدین خود ساختہ میزائل یعنی بارود سے بھرے ہوئے نل ان پر پھینک دیتے ہیں جن سے آگ لگ جاتی۔ اس مجبوری کے عالم میں سکھوں کا خوب قتل عام ہوا اور مجاہدین لوہے کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے تھے اہل تاریخ میں سے ایک مؤرخ جعفر علی اس جنگ سے متعلق لکھتے ہیں:

رستم و اسفندیار کی داستانیں فراموش ہو گئیں اور وہ لوگ (مجاہدین) سکھوں کے ہجوم میں اس طرح گھستے تھے جیسے کوئی کبڈی کھیلتا ہے۔ انہوں نے تین چار حملوں میں سکھوں کو سنگر سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔

مقامی لوگ بھی پلٹ کر حملوں میں شریک ہونے لگے تاکہ مال غنیمت میں حصہ مل جائے۔ سکھوں نے چند چھپروں کو آگ لگادی تاکہ روشنی میں جنگ کا صحیح اندازہ ہوسکے۔ چنانچہ روشنی میں سکھوں نے اندازہ لگالیا کہ مجاہدین بہت کم ہیں تو انہوں نے پلٹ کر پھر مجاہدین پر حملہ کردیا۔ مجاہدین نے بڑی حکمت عملی سے سکھوں کے حملوں کو روکا اور میدان جنگ سے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ گئے۔

اس جنگ کے نتیجہ میں تین سو سکھ مارے گئے اور چند مجاہد زخمی ہوئے اور چند شہید ہوئے مگر یہ نہ ہونے کے برابر تھے۔

شنکیاری کی جنگ

ڈمگلہ کا شب خون اور معرکہ ابھی جاری تھا کہ مجاہدین کی شنکیاری میں اچانک سکھوں سے جنگ شروع ہوگئی۔ اس کی تفصیلات اس طرح ہیں کہ مجاہدین نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا اور ابھی جو کی روٹی پکا کر بعض نے چند لقمے تناول فرمائے تھے کہ اچانک سکھوں نے شنکیاری کے محلّہ سے نکل کر مجاہدین پر حملہ کے لیے پیش قدمی شروع کردی۔ ادھر شاہ اسماعیل شہید نے مجاہدین کو انہیں مارنے کا حکم دے دیا۔ حکم ملنا تھا کہ مجاہدین نے ایک زوردار حملہ کردیا۔ بندوقیں چلیں پھر تیروں کی باری آئی اور آخر میں شمشیر زنی شروع ہوگئی۔ مجاہدین کے تابڑ توڑ حملوں کا مقابلہ کرنا سکھوں کے بس کا کام نہیں تھا اس لیے سکھ شکست کھا کر میدان سے بھاگ گئے ، لیکن پھر جب سکھوں نے دیکھا کہ مجاہدین میدان میں چند افراد ہیں اس لیے وہ پلٹ کر آگئے اور بارش کی طرح تیر برسانے لگے مگر مجاہدین نے بے دریغ قربانی دی اور جانوں کی پروا کیے بغیر آگے ہی کو بڑھنے لگے۔ شاہ اسماعیل شہید کی قبا میں کئی گولیاں لگیں لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی ، نہ آپ پیچھے ہٹے نہ جنگ روکی بلکہ سینہ تان کر میدان میں ڈٹے رہے کیونکہ

مومن ہیں بہادر ہیں مجاہد ہیں نڈر ہیں
اسلام کی عظمت کے لیے سینہ سپر ہیں

جناب امجد خان نے شاہ اسماعیل شہید کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ شنکیاری کی جنگ میں سکھ ہم سے بہت قریب آ گئے تھے۔ایک سکھ تلوار لے کر میری طرف بڑھا، میں نے گولی سے اس کو ٹھنڈا کر دیا اور پھر بندوق بھرنے لگا۔اس اثناء میں دوسرا سکھ آ گیا۔میں نے اسے بھی مار دیا۔تیسری بار بندوق بھر رہا تھا تو میری انگلی پر دشمن کی گولی لگی اور ہاتھ بندوق کے پیالے سے ہٹ گیا میں نے اسی حالت میں بھی بندوق چلا دی اور ایک سکھ مارا گیا۔چوتھی بار بندوق بھرنے کا ارادہ کیا تو بارود خون سے تر ہو گیا چوتھا سکھ مجھ پر حملے کی غرض سے بڑھا مجھے یقین ہو گیا کہ اب زندہ بچنے کی کوئی صورت نہیں تو میں نے خالی بندوق کا منہ اس کی طرف پھیر دیا اور وہ گھبرا کر بھاگ گیا۔شاہ صاحب اپنی زخمی انگلی کے متعلق یہ شعر پڑھا کرتے تھے

هل انت الا اصبع دميت
و فى سبيل الله ما لقيت

(تو ایک خون آلود زخمی انگلی ہے۔ تجھے جو کچھ لاحق ہوا ہے یہ اللہ کے راستے میں ہوا ہے)

شنکیاری کی اس شدید جنگ میں سات مجاہدین شہید اور دس زخمی ہوئے تھے اور سکھوں کے ڈھائی سو آدمی ہلاک ہو چکے تھے۔

ڈمگلہ اور شنکیاری کی ان جنگوں سے سکھوں پر ایک رعب اور ہیبت طاری ہو گئی شاہ صاحب اس فتح مبین کے بعد چاہتے تھے کہ سکھوں کے بچے کھچے لوگوں سے مزید معرکے ہو جائیں، اس لیے جنگ سے واپسی کے موقع پر شنکیاری، بفہ، بیرکھنڈ اور ملک پورہ کے قریب سے جب آپ گزر رہے تھے تو مجاہدین کے ساتھ زور زور سے نعرہ تکبیر لگا رہے تھے تاکہ سکھ قوم باہر آ جائے اور پھر ایک معرکہ ہو جائے۔آپ نے نقارہ بجا بجا کر دشمنان اسلام کو مقابلہ کے لیے بلایا مگر کوئی نہیں آیا۔آپ اس کے بعد اوگی تشریف لے گئے۔ وہاں پر [illegible]ن قیام فرمایا آپ کا ارادہ تھا کہ سکھوں پر شب خون مارنے کا سلسلہ شروع کیا

جائے لیکن اسی وقت پنجتار سے سید احمد شہید کا خط پہنچا جس میں شاہ اسماعیل شہید کو حکم تھا کہ فوراً واپس آجاؤ۔ بہر حال شاہ اسماعیل واپس چلے گئے اور پھر سید احمد شہید کے ساتھ ہجرت کر کے ہزارہ آگئے اور بالاکوٹ میں اکٹھے شہید ہو گئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

جنت کی دلہارے بالاکوٹ کی طرف

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ سید احمد شہید نے جب پنجتار سے ہزارہ اور پھر کشمیر کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے دشوار گزار غیر معروف راستہ اختیار کیا کیونکہ بعض خوانین بد قسمتی سے سکھوں کے خوف سے سید صاحب کے قافلے کو راستوں سے گزرنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ چنانچہ یہ قافلہ حریت پنجتار سے منگل تھانہ اور وہاں سے کن گلی اور وہاں سے نگری اور وہاں سے بڑھیری اور وہاں سے پرندوندی اور وہاں سے کرنا پیواڑ اور وہاں سے بلگرام اور وہاں سے تھاکوٹ کی آخری حد لائی اور وہاں سے براستہ بٹگرام راجداری اور وہاں سے پچوں اور وہاں سے جیوڑی اور وہاں سے بگوڑ منگ اور پھر بالاکوٹ اور مٹی کوٹ تک انتہائی شوق و ذوق کے ساتھ جا پہنچا اور وہیں پر عظیم جنگ کے بعد تاریخ کی یہ سرخ لکیر رک گئی جو رائے بریلی سے ہندوسندھ اور ترکستان و افغانستان سے نکلتی ہوئی کئی ملکوں کا سفر کر کے بالاکوٹ کی منزل مقصود تک پہنچی تھی۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

سید احمد شہید کا راجداری اور پچوں میں قیام

راجداری جو بٹگرام کے قریب علاقہ ہے وہاں سے کچھ عرصہ قیام کے بعد سید احمد شہید صاحب بٹل کے قریب ایک علاقے میں جا کر ٹھہرے جس کا نام ''پچ'' ہے اور اردو میں ''پچوں'' کہتے ہیں۔ سید صاحب کے یہاں پر قیام کے دوران مظفر آباد اور کشمیر کے دیگر علاقہ جات اور بالاکوٹ اور گڑھی حبیب اللہ کے لوگوں نے وہاں کے خوانین کے اختلافات اور ظلم و تشدد اور سکھوں کے مظالم کی وجہ سے بہت زیادہ اصرار کیا تھا کہ حضرت سید بادشاہ ضرور بضرور یہاں کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے آجائیں چونکہ سید احمد

شہید کے ذہن میں اب تو کشمیر میں داخل ہونا تھا اور اس کے لیے محفوظ راستے درکار تھے جو مجاہدین کے زیر تسلط راستے تھے اس لیے سید صاحب نے پچوں میں قیام کے بعد کشمیر میں داخل ہونے کے لیے سب سے بہتر مقام بالاکوٹ کا انتخاب کیا۔ آپ کا خیال تھا کہ علاقہ کے مظلوموں کی مدد کرنے، ان کی حمایت کرنے اور فوجی قوت بنانے کے لیے اور پھر کشمیر کی طرف آگے بڑھنے کے لیے سب سے موزوں مقام بالاکوٹ ہے، اس لیے سید صاحب نے شاہ اسماعیل شہید اور مولوی خیر الدین کو اپنے جانے سے پہلے بالاکوٹ روانہ کر دیا۔ سید صاحب 24 رمضان 1246ھ میں پچوں میں مقیم ہوئے اور شاہ اسماعیل شہید، مولوی خیر الدین کو خط میں لکھا کہ آپ لشکر لے کر بالاکوٹ چلے جائیں، تین چار روز میں ہم آپ کے بعد آ جائیں گے۔

مولوی خیر الدین جب اپنے لشکر کے ساتھ برف پڑنے کے خوف سے جلدی جلدی بالاکوٹ پہنچ گئے تو علاقے کے بہت سارے خوانین نے مشورہ دیا کہ آپ مظفر آباد پر حملہ کر دیں اس لیے وہ اس وقت عام سکھوں سے خالی ہے کیونکہ سلطان نجف خان اس وقت سکھوں کے ہاں مشورہ کے لیے پشاور گیا ہے، نہایت مناسب وقت ہے لہٰذا مظفر آباد پر حملہ ہونا چاہیے، مگر مولوی خیر الدین نے کہا کہ میں امیر المومنین کے حکم کے بغیر کسی جگہ پر حملہ نہیں کروں گا۔

مولوی خیر الدین اور شاہ اسماعیل شہید بالاکوٹ میں

شاہ اسماعیل شہید نے موضع پچوں سے کوچ کر کے بھوگڑ منگ میں قیام فرمایا اور وہاں سے بلا تاخیر مولوی خیر الدین تک پہنچنے کے لیے بالاکوٹ روانہ ہوئے۔ برف باری کا خطرہ تھا اس لیے آپ نے جلدی کی مگر پھر بھی شدید برف باری سے راستے بند ہو گئے اور چلنا دشوار ہو گیا۔ شاہ اسماعیل شہید کے گرنے کی جب افواہ پھیل گئی تو لوگ بہت پریشان ہوئے۔ علاقے کے گوجروں نے اپنی زبان میں چیخنا شروع کر دیا کہ مجاہدین گر گئے۔ چنانچہ وہ لوگ دوڑ کر آئے اور تمام مجاہدین کو کندھوں پر اٹھا کر سنبھال لیا۔ ایک گوجر نے شاہ

صاحب کو کندھوں پر اٹھایا اور گرم گرم دودھ غازیوں کو پلایا۔ دوسرے دن جب یہ لوگ بالاکوٹ کی طرف اترائی میں چلنے لگے تو وہ اور زیادہ دشوار تھا کیونکہ برف سے سب علاقہ ہموار تھا اور اونچ نیچ کا پتا نہیں چل رہا تھا۔

ادھر رمضان کا پہلا روزہ ہو گیا مگر مجاہدین نے بوجہ سفر افطار کیا اور جاتے جاتے مشکل سے یہ غازی مٹی کوٹ پہنچ گئے اور پھر بالاکوٹ میں مولوی خیر الدین سے جا ملے۔ مجاہد کا جذبہ تھا کہ

چلی ہے لے کے وطن کے نقار خانے سے
شہادتوں کی تمنا کشاں کشاں مجھ کو

مجاہدین مظفر آباد میں

مظفر آباد کے خوانین نے اصرار کیا کہ مجاہدین مظفر آباد میں آئیں اور سکھوں پر لشکر کشی کریں ہم ساتھ ہیں شاہ صاحب نے کچھ فوج بھیجنے کا وعدہ کیا مگر مولوی خیر الدین نے انکار کیا کہ یہ لوگ غدار ہیں اس لیے میں تو نہیں جاؤں گا، یہ خود بلاتے ہیں پھر غداری کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے لشکر کے چلے جانے کے بعد سید احمد شہید نے مولوی خیر الدین کو بھی مظفر آباد جانے کا حکم دے دیا تو وہ بھی چلا گئے۔ علاقہ کے خوانین اگرچہ سکھوں سے ملے ہوئے تھے مگر مجاہدین کا زور ہو گیا اور انہوں نے مظفر آباد کا قلعہ سکھوں سے چھین لیا اور علاقہ کے خان کو بھی سخت دھمکایا اور مجاہدین کی حمایت کی۔ اسی دوران یہ اطلاع مجاہدین کو ملی کہ شیر سنگھ نجف خان کے ساتھ بالاکوٹ کے درے میں آ گیا ہے اور گڑھی حبیب اللہ خان میں اتر گیا ہے اور نجف خان ان کا پورا ساتھ دے رہا ہے۔

کشمیر پر حملے کی درخواست

شاہ اسماعیل شہید جن دنوں بالاکوٹ میں تھے تو پکھلی اور کشمیر سے بہت سارے سرآور دہ شخص آئے اور مولانا سے درخواست کی کہ آپ بالاکوٹ میں ٹھہرنے کی بجائے کشمیر کی طرف آئیں اور حملہ کر دیں۔ شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں سید احمد شہید کے نام ایک خط

لکھا جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ جناب والا اسی وقت سے جب آپ کا ''امب'' میں قیام تھا کشمیر کی تسخیر کا ارادہ رکھتے تھے۔ وہاں سے تو وہ ملک بہت دور تھا لیکن اب جبکہ ہمارا لشکر مظفر آباد تک آ گیا ہے تو وہاں سے کشمیر صرف دو روز کا راستہ ہے۔ اگر ملکی لوگ ساتھ دیں تو ایک دن چل کر دوسرے روز صبح ہم کشمیر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ وہاں کی رعایا ''کر یارام'' کے ظلم سے بہت تنگ آ چکی ہے اور وہاں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ امید ہے کہ وہاں کے اکثر لوگ لشکر اسلام میں شامل ہو جائیں گے۔''

سید احمد شہید رحمہ اللہ کو جب یہ خط پہنچا تو آپ نے اہل مشورہ سے مشورہ لیا۔ علاقے کے لوگوں نے کہا کہ اگر آپ لوگ بالاکوٹ کو چھوڑ کر کشمیر کی طرف جائیں گے تو یہ سکھ لوگ آ کر ہم کو تباہ کر دیں گے۔

شاہ صاحب کا شیر سنگھ پر شب خون مارنے کا منصوبہ

ادھر شیر سنگھ نے اپنے لشکر کے ساتھ گڑھی حبیب اللہ میں اترنے کے بعد مظفر آباد پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر نا کام واپس ہو گیا اور بالاکوٹ جانے کا خیال کرنے لگا، پھر شیر سنگھ نے بوگڑ منگ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ شاہ اسماعیل شہید نے اپنے مجاہدین کو تیار کر لیا کہ رات کو شیر سنگھ کے لشکر پر شب خون ماریں گے۔ پورا نقشہ تیار ہو گیا کہ عصر سے مجاہدین پہاڑوں پر جا کر چھپ جائیں اور رات کے وقت غافل لشکر پر شب خون مارا جائے۔ ابھی اس منصوبہ پر عمل باقی تھا کہ سید صاحب کا پچھوں سے خط آیا جس کا مضمون تھا کہ عرصہ ہو گیا کہ برگزیدۂ بارگاہ الٰہی سے ہم جدا ہیں (یعنی شاہ اسماعیل شہید سے) ہم کو ملنے کا بہت اشتیاق ہے، خط پر مہر تھی جس پر ''اللہ کافی'' لکھا ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے جب خط پڑھا تو شب خون مارنے کا منصوبہ ملتوی کر دیا اور شیخ بخت بلند کو اپنا قائم مقام بنا کر بالاکوٹ سے پچھوں کے لیے روانہ ہوئے اور ست بنی کے راستہ سے پہاڑ پر چڑھ کر بھوگڑ منگ کے درے میں آئے اور جبوڑی کے دیہات میں رات گزاری اور اگلے روز اپنے شیخ ولی کامل سید احمد شہید کے ہاں پہنچ گئے۔ شیخ نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا اور آپ کئی دن وہاں ساتھ رہے۔ اردگرد

علاقہ میں نفاذ شریعت کا اعلان ہوا اور روزانہ مشکوٰۃ شریف کا درس ظہر سے عصر تک ہونے لگا۔ درس شاہ صاحب دیتے تھے اور علمی نکتے و اسرار سید احمد شہید بیان فرماتے تھے۔

دعا مانگنے کا اہتمام

سید صاحب کے حالات پڑھنے سے یہ عجیب امر معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد شہید صاحب بیک وقت صوفی ہیں، مجاہد ہیں، عالم ہیں، صاحب اسرار بزرگ ہیں مگر سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ سید احمد شہید سب سے زیادہ دعاؤں کا اہتمام فرماتے تھے۔ منٹ منٹ گھڑی گھڑی دعا ہی دعا تھی۔ سر سے عمامہ اتار کر ننگے سر ہاتھ پھیلا کر ایسے گڑگڑا کر دعا مانگتے تھے کہ بچوں کو بھی ترس آجاتا تھا۔ سید احمد شہید نے پچھوں میں شاہ صاحب سے فرمایا کہ درس تو ہو گیا اب عصر سے مغرب تک دعا کا اس طرح اہتمام ہو کہ میں اکیلے کسی جگہ بیٹھوں گا اور آپ مجاہدین کو لے کر کسی جنگل میں دعا کرائیں۔ چنانچہ سات روز تک متواتر سید احمد صاحب ایک کوٹھڑی میں دعا مانگتے تھے اور شاہ صاحب مجاہدین کے ساتھ جنگل کے کسی حصہ میں گریہ وزاری اور عجز وانکساری سے دعا مانگتے رہے، انہی دنوں وادی کاغان کے رئیس سید ضامن شاہ مجاہدین سے آکر ملے اور بعد میں شہید ہو گئے۔ اسی دوران گجروں کے مکدم ساٹھ گجروں کو لے کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کا بڑا اکرام کیا اور فرمایا کہ یہ لوگ دیندار ہوتے ہیں پہاڑوں پر رہتے ہیں، بکریاں پالتے ہیں اور اسی کے دودھ پر گزارہ کرتے ہیں۔

سید بادشاہ پچھوں سے بالاکوٹ کی طرف

سید احمد شہید کو اپنے رفقاء کی طرف سے مسلسل خطوط پہنچے کہ شیر سنگھ مظفر آباد کے سکھوں کی مدد کے لیے آرہا ہے پھر بالاکوٹ سے حبیب اللہ خان کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ سید صاحب فوراً بالاکوٹ آجائیں کیونکہ شیر سنگھ بالاکوٹ کے قریب اپنے لشکر کے ساتھ آگیا ہے سید صاحب نے احباب سے مشورہ لیا اور پھر فرمایا کہ ہمارے کچھ مجاہدین راجہ وادی میں ہیں، کچھ بالاکوٹ میں ہیں، کچھ مظفر آباد میں ہیں اور کچھ ہمارے پاس ہیں، اس

لیے مناسب ہے کہ بالاکوٹ جایا جائے۔ پھر سید احمد صاحب نے راجہ وادی میں مقیم اپنی اہلیہ کو خط لکھا کہ ہم بالاکوٹ جارہے ہیں، سکھوں کی آمد کی خبر گرم ہے، کوئی بعید نہیں کہ ان سے جنگ ہو جائے، اس لیے آپ کو وہاں بلانا مناسب نہیں نہ معلوم جنگ کا انجام کیا ہونے والا ہے تم وہیں پر تسلی سے رہو۔

اس کے بعد 5 ذوالقعدہ 1246ھ کو سید بادشاہ کا قافلہ جہاد، قافلہ ایمان ویقین، پہاڑوں کے سینوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ ایک دشوار گزار راستے میں گوجر عورتوں نے سروں پر ہانڈیاں رکھی تھیں اور پوچھ رہی تھیں کہ سید بادشاہ کہاں ہیں؟ سید صاحب اس وقت ہاتھی سے اتر کر پیدل جارہے تھے۔ لوگوں نے اشارہ کیا کہ وہ ہیں تو سید احمد صاحب کے سامنے دودھ اور دہی کی ہانڈیاں لے آئیں۔ آپ نے ان کو مجاہدین پر تقسیم کیا اور ان عورتوں کے لیے کثرت مال واولاد اور امن کی خوب دعائیں کیں۔ اس راستے میں سید صاحب کی بہت سی کرامات بھی ظاہر ہوئیں۔ اس وقت شدید برفباری تھی اور شاہ اسماعیل شہید کچھ پہلے بالاکوٹ کو رات کے وقت پہنچے تھے۔ فجر کی نماز پڑھا کر شاہ صاحب اپنے مجاہدین کے ساتھ سید احمد شہید کے استقبال کے لیے آئے۔ سید صاحب جب پہاڑ سے اترے تو ست بنے کے نالے میں شاہ اسماعیل شہید نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا اور پھر سب اکٹھے بالاکوٹ داخل ہو گئے۔ واصل خان نے اپنی حویلی خالی کر دی جس میں سید صاحب اترے اور قیام فرمایا۔

بالاکوٹ کا محل وقوع

بالاکوٹ ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ کا مشہور قصبہ ہے اور تحصیل کے شمالی اور مشرقی گوشے میں وادی کاغان کے جنوبی دہانے پر پاسبان کی حیثیت سے کھڑا ہے۔ بالاکوٹ کے مشرق میں کالوخان کا بلند ٹیلہ واقع ہے جس کی چوٹی پر کالوخان نام کا گاؤں آباد ہے۔ مغرب کی طرف مٹی کوٹ کا ٹیلہ ہے جو بہت بلند ہے جس پر مٹی کوٹ گاؤں قائم ہے۔ مثل مشہور ہے ''جس کا مٹی کوٹ اس کا بالاکوٹ''۔ ایک پرانی پگڈنڈی جنوبی ومغربی سمت کے

پہاڑوں میں سے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچتی تھی۔ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ ایک راستہ جو قدیم سلاطین ہندوستان کا تراشا ہوا اسی چوٹی تک جاتا تھا وہ اب جنگل ہے۔ بالاکوٹ کے شمالی جانب میں تین ٹیلے ہیں جنہوں نے مل کر ایک دیوار بنادی ہے۔ ٹیلوں کی وہ دیوار بالاکوٹ کے شمالی اور مغربی گوشے سے شروع ہو کر شمالی اور مشرقی گوشے تک چلی گئی ہے۔ مغرب کی سمت میں ست بنے کا ٹیلہ ہے جس پر اسی نام کا گاؤں آباد ہے۔ جنوب کی سمت میں ''کنسار'' کی وادی ہے جس نے کاغان سے باہر نکلتے ہی بالاکوٹ کے پاس جنوبی اور مغربی رخ اختیار کیا ہے۔ حلقے کے عین بیچ میں ایک ٹیلہ یا قدرتی پشتہ ہے جس پر بالاکوٹ کا قصبہ آباد ہے۔ اب سید صاحب کے بالاکوٹ میں داخلے کے وقت صورت حال یہ تھی کہ بالاکوٹ سے ان کے خیمے نظر آرہے تھے۔ سید صاحب جونہی بالاکوٹ میں رونق افروز ہوئے تو آپ نے حفاظتی مقامات پر پہرے بٹھا دیے اور حساس مقامات پر مورچے بنوا دیے اور شہادت کے قریب پہنچے، کیونکہ

چلی ہے لے کے وطن کے نقار خانے سے
شہادتوں کی تمنا کشاں کشاں مجھ کو

بالاکوٹ سے سید صاحب کا آخری خط

آپ نے بالاکوٹ سے نواب وزیرالدولہ کی طرف جو ہندوستان میں تھے 13 ذیقعدہ 1246ھ کو یعنی شہادت سے صرف گیارہ دن پہلے اپنا آخری خط لکھا۔ اس کا ایک حصہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے خط فارسی میں ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

باقی حال یہ ہے کہ اہل ''سمہ'' چونکہ بد بخت ازلی تھے چنانچہ انہوں نے جہاد کے بارے میں مجاہدین کی رفاقت نہیں کی بلکہ کافروں کے اغواء سے بعض مجاہدین بے گناہ کو جو بعض ضرورتوں سے اپنے لشکر سے نکل کر گاؤں میں متفرق ہوئے تھے بے خبری میں شہید کر دیا۔ اگرچہ اصل لشکر ان کی گزند سے محفوظ اور خدمت دین کے لیے مستعد تھا اور خصوصاً ان منافقین کو زیروزبر کرنے اور ان سرکشوں سے انتقام لینے کا آرزومند تھا۔ چونکہ وہاں

ٹھہرنے سے اصل مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت مجاہدین کی رفاقت اختیار کر کے کفار کا مقابلہ کرے اور اس چیز کی اب ان سے بالکل توقع نہیں رہی اس لیے وہاں سے ہجرت کر کے پکھلی کے پہاڑوں میں آ گیا ہوں۔ ان پہاڑوں والے حسن اخلاق سے پیش آئے اور جہاد کے بارے میں انہوں نے پختہ وعدے کیے اور اپنے وطن میں انہوں نے رہنے کے لیے جگہ دی۔ چنانچہ فی الحال بالاکوٹ کے قصبے میں جمعیت خاطر کے ساتھ ٹھہرا ہوں اور کفار کا لشکر بھی مجاہدین کے مقابلے کے لیے تین چار کوس کے فاصلے پر ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے، لیکن مقام مذکور چونکہ نہایت محفوظ ہے، لشکر مخالف خدا کے فضل سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہاں اگر مجاہدین خود پیش قدمی کریں اور ان سے نکل کر لڑیں تو جنگ ہو سکتی ہے۔ مجاہدین کا ارادہ ہے کہ دو تین روز میں جنگ کی جائے۔ بارگاہ واہب العطیات سے یہی امید ہے کہ فتح و نصرت کے دروازے کھلیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے تائید ربانی شامل حال رہی اور یہ جنگ کامیاب رہی تو ان شاء اللہ دریائے جہلم اور ملک کشمیر تک مجاہدین کا قبضہ ہو جائے گا۔ دن رات دین کی ترقی اور لشکر مجاہدین کی کامرانی کے لیے دعا کرتے رہیں۔ فقط والسلام

دونوں فوجوں کا آمنا سامنا

ایک ملکی وفادار مخبر نے آ کر یہ خبر دی کہ آج سکھ لوگ اس پار آنے کے لیے لکڑیوں کا پل بنا رہے ہیں۔ سید صاحب نے حبیب اللہ خان سے پوچھا کہ یہاں سے سکھ فوج کے آنے کا کوئی راستہ ہے؟ خان موصوف نے کہا کہ ایک پگڈنڈی ہے، اگر علاقائی جاسوس سکھوں کی رہنمائی کرے تو یہاں سے آنے کا احتمال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے چنانچہ ادھر سے ایک لشکر اس طرف پار ہو کر آ گیا لیکن معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں چلا گیا۔ دوسرے روز ظہر اور عصر کے درمیان پہاڑ سے بندوقیں چلنے کی آوازیں آئیں تو مجاہدین ہوشیار ہو گئے۔ اسی وقت پہاڑوں پر جگہ جگہ سے گوجروں نے نعرے بلند کیے کہ سکھوں کا لشکر آ پہنچا ہے۔ سید احمد شہید صاحب نے فرمایا کہ اپنے پہرہ داروں کی کمک کے لیے چے

جاؤ مگر سکھوں کو قریب آنے دو، وہاں مقابلہ نہ کرو۔ چنانچہ ایک سو سے زائد مجاہدین اپنے جنگی جھنڈوں کے ساتھ جا کر مٹی کوٹ پر اتر گئے۔ وہاں مقامی پہرہ دار نے کہا کہ اب آگے جانے کی ضرورت نہیں، سکھوں کا لشکر آ گیا ہے اب یہیں رک جاؤ۔ چنانچہ مجاہدین مٹی کوٹ میں رہ گئے (شاہ اسماعیل شہید کی قبر کی طرف پشت کر کے سامنے نالے کی طرف اوپر بالائی حصہ میں ایک آبادی ہے، یہی مٹی کوٹ ہے اور اس کے پیچھے ایک میدانی علاقہ ہے جو قبر کے پاس سے نظر آتا ہے، اسی جگہ مجاہدین کا سکھوں سے مشہور مقابلہ ہوا ہے)۔

مجاہدین نے مٹی کوٹ سے سکھ لشکروں کو بالکل صاف دیکھا جو کہ اپنے کپڑے سکھا رہے تھے۔ اس طرف مجاہدین بھی کھڑے تھے اور رائے بریلی سے دنیا کے ایک اچھے خاصے خطے کو طے کر کے شہادت کی تمنا میں آنے والے بھی حال سے یوں کہہ رہے تھے

چلی ہے لے کے وطن کے نقار خانے سے
شہادتوں کی تمنا کشاں کشاں ہم کو

نجف خان کا سید صاحب کے نام خط

اسی دن سلطان نجف خان کا ایک خط سید صاحب کے نام آ گیا جس میں لکھا تھا کہ میں سکھوں کو آپ کے مقابلے کے لیے نہیں بلکہ مظفر آباد کے لیے لایا ہوں۔ میں آپ کا خیر خواہ خادم ہوں اس واسطے عرض کرتا ہوں کہ بالا کوٹ میں آپ کی موجودگی کی وجہ سے شیر سنگھ آپ سے لڑنے کا پکا ارادہ کر چکا ہے اور اس کے ساتھ بارہ ہزار بندوقیں ہیں اگر آپ ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو بالا کوٹ میں ٹھہریں ورنہ بالا کوٹ کو چھوڑ کر پیچھے پہاڑ پر بیٹھ جائیں، یہ لوگ اپنا سر پہاڑ سے مار کر چلے جائیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شیر سنگھ آپ کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ آیا ہے، سب اسباب، توپ خانہ، گھوڑے، تمبو، قنات وغیرہ چند لوگوں کے ساتھ یہاں میرے پاس چھوڑ کر گیا ہے۔ آپ بالا کوٹ سے رات کے وقت اپنے ساتھیوں سمیت یہاں ہم پر حملہ کر دیں یہاں مقابلہ کے لیے کوئی نہیں چند لوگ ہیں یہ بھاگ جائیں گے اور سارا ساز و سامان اور توپ خانہ آپ کے ہاتھ لگ جائے

گا۔ ورنہ اگر کل جنگ بالاکوٹ میں لگ جائے تو آگے سے سکھ فوج ہوگی جس کی کمان شیر سنگھ کرے گا اور ادھر سے یہ لوگ گولی چلائیں گے تو آپ لوگ بیچ میں پھنس جائیں گے۔ جو بھی تدبیر کرنی ہو آج ہی رات کرلیں، میری خیر خواہی یہی ہے۔

خط کا جواب اور مشورہ

سید احمد شہید نے اس وقت حاضرین سے مشورہ مانگا کہ یہ خط ہے اور یہ صورت حال، آپ لوگوں کا کیا مشورہ اور خیال ہے؟ حاضرین میں ناصر خان، حبیب اللہ خان اور کاغان کے سید ضامن شاہ وغیرہ موجود تھے۔

ناصر خان نے کہا کہ یہ خط ایک فریب اور دھوکا ہے۔ اگر سلطان نجف خان آپ کا اتنا وفادار تھا تو وہ یہ خط سانگلی یا مانسہرہ سے بطور اطلاع لکھ دیتا۔ اب جب سکھوں کا لشکر سامنے پہاڑ پر چڑھ آیا ہے اس وقت نجف خان دوستی کا مظاہرہ کررہا ہے۔ یہ خط محض دغا اور فریب معلوم ہوتا ہے۔

ناصر خان کی رائے کے بعد حبیب اللہ خان نے کہا کہ یہ تو معلوم نہیں کہ سلطان نجف خان نے یہ خط کس نیت سے لکھا ہے مگر جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل سچ اور درست لکھا ہے۔ آپ بالاکوٹ سے پیچھے پہاڑ کی طرف ہٹ جائیں تو شیر سنگھ ایک دن کے بعد مظفر آباد چلا جائے گا اور اگر آپ شیر سنگھ کے توپ خانہ پر رات کے وقت حملہ کردیں تو یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ سارا سامان اور توپ خانہ ہاتھ میں آجائے اور شیر سنگھ کا لشکر ذلت کے ساتھ پہاڑ سے واپس چلا جائے۔

اسی میدان میں لاہور ہے اسی میں جنت ہے

حبیب اللہ خان کی اس تقریر کو سن کر سید صاحب نے فرمایا کہ بھائی صاحب! تم سچ کہتے ہو، مگر اب کفار کے ساتھ چوری سے لڑنا ہمیں پسند نہیں۔ اسی بالاکوٹ کے نیچے میدان میں ان سے لڑیں گے۔ ''اسی میدان میں لاہور ہے (اگر غالب آئے) اور اسی میں جنت ہے''۔ اور جنت تو جنت ہے، دنیا کی ساری ریاست اس کے سامنے بے حقیقت

ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تمام جہاں سے جو عمدہ چیز ہو اس کو اپنے پروردگار کے نذر کر کے اس کی رضامندی حاصل کروں اور اپنی جان کو اس کی راہ میں قربان کرنے کو تو میں اتنا آسان سمجھتا ہوں جیسے ایک تنکا توڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

کفار سے کل مقابلہ ہوگا

عشاء کی نماز کے بعد سید صاحب نے ملا لعل محمد قندھاری سے کہا کہ تم ''ست بنے'' کے اس نالے کے اوپر جا کر پہاڑ پر چڑھ کر سکھوں پر چھاپہ مار سکتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں مگر آپ کو اکیلے نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ سے جہاد سیکھا، اتنی طویل رفاقت کی، آپ کو اپنی جان کے ساتھ رکھیں گے ورنہ یہ ملکی لوگ تو ایسے منافق ہیں کہ ان کا نفاق ختم ہی نہیں ہوتا۔ اگر یہ لوگ سکھوں کے ساتھ نہ ہوتے تو سکھوں کی کیا مجال تھی کہ یہاں آ کر چڑھتے۔

سید احمد شہید نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ حقیقت یہی ہے کہ اتنے برس ہم نے اس کار خیر کے لیے طرح طرح کی جانفشانی کی، اپنی دانست میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ ہندوستان، خراسان، افغانستان اور ترکستان میں اپنے خلفاء روانہ کیے تو انہوں نے بھی حتی الامکان دعوت فی سبیل اللہ (جہاد) میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور ہم بھی جہاں جہاں گئے وہاں کے لوگوں کو ہر طریقے پر وعظ و نصیحت سے سمجھاتے رہے مگر سوائے تم غرباء کے کسی نے ہمارا ساتھ نہیں دیا بلکہ ہم پر طرح طرح کا افتراء کیا۔ اب ہمارے کاتب خط نویس بھی خط لکھتے لکھتے تھک گئے اور ہم بھی بھیجتے بھیجتے تھک گئے، اب یہی بہتر ہے کہ اپنے سب غازی بھائیوں کو پہروں سے بلوالیں اور کل اسی میدان بالاکوٹ کے پاس ہمارا اور کفار کا میدان جنگ ہوگا۔ اگر اللہ نے ہم عاجز بندوں کو ان پر فتح یاب کیا تو پھر چل کر لاہور دیکھیں گے اور جو شہید ہو گئے تو ان شاء اللہ جنت الفردوس میں جا کر عیش کریں گے۔ یہ کہہ کر آپ نے مٹی کوٹ کے تمام پہرہ داروں کو اپنے پاس بلوا کر اکٹھا کرالیا۔

شہادت کی تیاری، آخری انتظامات

سید احمد شہید نے مجاہدین ساتھیوں سے فرمایا کہ بھائیو! رات کو خوب اپنے رب کو راضی

کرو، توبہ کرو، استغفار کرو، کل صبح کفار سے مقابلہ ہے، نہ معلوم کون شہید ہوتا ہے اور کون زندہ بچ جاتا ہے۔

جب یہ طے ہو گیا کہ اب مقابلہ ہی ہو گا تو مجاہدین نے وہاں کی فصلوں میں پانی چھوڑ دیا تاکہ دشمن آسانی سے نقل و حرکت نہ کر سکے۔ اہم مورچوں پر اہم اہم ساتھیوں کا تقرر ہو گیا۔ زیادہ تر مورچے بستی کے نالے پر تھے جو بالاکوٹ سے شمال مغرب کے گوشے پر واقع ہے اور مٹی کوٹ سے آگے بڑھ کر آنے والا لشکر اسی طرف سے بالاکوٹ پر حملہ کر سکتا ہے۔

ملا لعل محمد قندھاری کا مورچہ سب سے پہلے تھا پھر شاہ اسماعیل شہید اور پھر شیخ ولی محمد کے مورچے تھے پھر ناصر خان اور حبیب اللہ خان کے مورچے تھے۔ قصبے کی تینوں مسجدوں میں مورچے بنے تھے۔ بالاکوٹ میں تین مسجدیں تھیں۔ بستی کے بیچ میں ایک بڑی مسجد تھی جس میں حضرت سید احمد شہید نماز پڑھتے تھے۔ دوسری مسجد اس کے کچھ فاصلے پر تھی اور تیسری مسجد بالاکوٹ کے نیچے اتار پر تھی۔ سید صاحب نے رات کو نمازیوں سے فرمایا کہ لکڑیاں جمع کر دو، پتھر رکھ دو اور مورچے بنا لو۔ اس کے بعد سید صاحب گھر پر گئے، کھانا کھایا اور اپنے کپڑے اور ہتھیار منگوا لیے۔ آپ نے کچھ کپڑے اپنے خاص رفقاء کو بھیجے اور فرمایا کہ کل فجر کو یہی کپڑے پہن کر مقابلہ کے لیے میدان میں آنا۔ خود آپ نے دستار لگائی، ایک سفید کشمیری شال کا پٹکا باندھا اور سفید پائجامہ پہن کر ہتھیار زیب تن کیے۔ آپ کے ہتھیاروں میں ایک تفنگچہ تھا، ایک ولایتی چھری تھی، ایک ہندوستانی تلوار اور ایک کٹار تھی۔ یہ سب انتظام فرما کر لوگوں سے فرمایا کہ اب جاؤ اور سو جاؤ، ہم بھی سوتے ہیں۔ کل جنگ ہوگی کیونکہ

چلی ہے لے کے وطن کے نقار خانے سے
شہادتوں کی تمنا کشاں کشاں ہم کو

تذکرہ شہید میں محترم خالد سیف صاحب نے سید احمد شہید کی بالاکوٹ آمد اور پھر جنگی [illegible] کے متعلق اس طرح لکھا ہے "سید احمد صاحب جب بالاکوٹ تشریف لائے تو

سکھ لشکر دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر بالاکوٹ سے جنوب کی جانب دوڈھائی کوس کے فاصلے پر تھا۔ آپ نے بالاکوٹ پہنچ کر مختلف گزرگاہوں کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ سکھوں کے لیے بالاکوٹ پر حملے کی دو ہی صورتیں تھیں، اول یہ کہ وہ پچھلی کی طرف سے پہاڑ پر چڑھ کر مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچ کر نیچے اتر جاتے اور دوم یہ کہ کنہار کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ بالاکوٹ کے سامنے پہنچتے۔ انہوں نے دوسری صورت اختیار کی کیونکہ پہلی شکل اختیار کرنے سے وہ لوگ توپیں اور بھاری سامان اس راستے سے نہیں لے جا سکتے تھے۔ سید صاحب نے بھی دفاعی انتظامات کے لیے جگہ جگہ مورچے بنوا کر مجاہدین کو متعین کر دیا۔ لڑائی کی اسکیم یہ تھی کہ سکھ مٹی کوٹ کے ٹیلے اور قصبے کے درمیان نشیبی علاقہ میں جس وقت پہنچ جائیں گے ان پر حملہ کر دیا جائے گا۔ شاہ اسماعیل شہید کی جماعت کو قصبے کی جانب بٹھانے کا فیصلہ کیا گیا مگر شاہ صاحب نے خود ایک دستہ کے ساتھ مسجد بالا کے پاس شمالی طرف قیام فرمایا تھا۔ آپ کی جماعت کے بائیں طرف شیخ ولی اور آپ کے سامنے مغربی جانب احمد اللہ ناگپوری کی جماعت کا مورچہ تھا اور دیگر مجاہدین بھی مناسب مقام پر مورچہ زن تھے۔

صبح بہاراں صبح شہادت

(1) 24 ذیقعدہ 1246ھ کو صبح صادق کی اذان ہوئی تو لوگ مسلح ہو کر حاضر ہوئے۔ سید صاحب نے فجر کی نماز مسجدِ بالا میں ادا کی اور مجاہدین کو اپنی اپنی جگہوں پر جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ بیدار و ہوشیار رہو۔ طلوع آفتاب پر کنگھی کی اور لباس و ہتھیار پہن کر مسجد کی طرف چلے آئے۔ سکھ لشکر ایک دن پہلے ہی پہاڑ پر پہنچ گیا تھا لیکن رات کی وجہ سے پیش قدمی نہ کر سکا۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی مٹی کوٹ کی شمالی جانب سے سکھ فوج نمودار ہوئی اور گولیاں چلانے لگی۔ سید صاحب نے تمام جماعتوں کے امیروں کو حکم دیا تھا کہ اس وقت تک اپنے مورچوں سے باہر نہ نکلیں جب تک کہ ہمارا جنگی جھنڈا باہر نہیں آتا۔ سکھوں کی طرف سے موسلا دھار بارش کی طرح گولیاں برسنے لگیں بعض غازی زخمی

بھی ہوئے۔ آہستہ آہستہ پوری سکھ فوج مٹی کوٹ کے ٹیلے سے بالاکوٹ کی طرف نیچے اترنے لگی۔ یہ دیکھ کر سید صاحب مسجد بالا سے مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ شاہ اسماعیل شہید نے جب آپ کو جاتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے مورچے سے نکل کر سید صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ مسجد زیریں میں چند لمحہ قیام کے بعد سید صاحب اچانک دلدل میں داخل ہوئے۔ شاہ صاحب نے دور مار بندوقوں کے ساتھیوں کو سید صاحب کے اردگرد جمع ہو جانے کا حکم دے دیا۔ آخرکار گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ سکھ فوج اگرچہ مجاہدین کی نسبت بارہ گنا زیادہ تھی لیکن غازیوں نے بڑی جرأت دکھائی اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ غازی بپھرے ہوئے شیروں کی طرح تھے، جس طرف رخ کرتے دشمن کی صفیں الٹ دیتے حتیٰ کہ سکھ پسپا ہو گئے۔ آخر شیر سنگھ نے خود ہاتھ میں تلوار لی اور فوج کو منظم کر کے آگے بڑھنا شروع کیا۔ دونوں فوجیں بڑی بہادری سے لڑتی رہیں اور فریقین کی طرف سے اسلحہ سے آتشبازی ہوتی رہی کہ ایک سکھ مؤرخ نے لکھا ہے کہ خلیفہ سید احمد شاہ اور مولوی اسماعیل بھی فوج کے سب سے بڑے سردار تھے۔ یہ بذات خود حملے میں شریک ہو گئے اور نعرہ تکبیر اللہ اکبر کہتے ہوئے میدان جنگ میں داخل ہو گئے اور زور زور سے کہہ رہے تھے کہ دیکھو کافر شکست کھا کر جا رہے ہیں۔

(2) بالاکوٹ کے میدان جنگ سے میاں عبدالقیوم کی رپورٹ اس طرح تھی، فرمایا کہ جب سید صاحب نیچے کی مسجد میں تشریف لائے تو وہاں سکھوں کی گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں۔ کوئی آدھ گھنٹہ مسجد میں ٹھہر کر آپ نے ابوالحسن سے کہا کہ جنگی نشان لے کر آگے چلو اور پھر بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے آپ حملہ آور ہوئے۔ ارباب بہرام خان گویا سید صاحب کے لیے سپر بن کر آگے چل رہے تھے۔ تیس قدم کے فاصلے پر کھیت میں ایک بڑا پتھر تھا، سید صاحب اس نیت سے اس پتھر کی آڑ میں بیٹھ گئے تاکہ سکھ فوج زیادہ قریب آجائے تو پہلے ان پر قرابینوں سے ایک باڑھ مار کر پھر تلواروں سے لڑائی لڑیں گے۔ یونہی ہوا، جب سکھوں کا ریلا اوپر سے اترتے اترتے بیس قدم کے فاصلے پر رہ گیا تب اللہ اکبر

کا نعرہ مستانہ بلند کر کے بندوقوں سے مجاہدین نے ان پر ایک باڑھ ماردی، اس کے بعد دوسری باڑھ قرابین والوں نے ماری۔ ان دونوں باڑھوں میں بے شمار سکھ مقتول ہوئے۔

(3) میدان جنگ سے حافظ عبدالقیوم کا بیان ہے کہ میں بندوق چلاتے چلاتے ایک نالے پر پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ سید صاحب چند ساتھیوں کے ساتھ قبلہ رخ بیٹھے ہوئے بندوقیں چلا رہے تھے اور آپ کے قریب شہیدوں کی کئی لاشیں پڑی تھیں اس وقت حضرت سید صاحب نے میرے سامنے اپنی دائیں چھاتی پر بندوق رکھ کر دشمن پر فائر کیا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر تازہ خون بہہ رہا ہے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ کے کندھے میں گولی لگی ہے اس لیے بندوق چھاتی پر رکھنے سے خون انگلی پر بہنے لگا ہے۔

(4) میاں حفیظ اللہ دیوبندی میدان جنگ سے اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں چونکہ بیمار تھا اور مجھے بخار تھا اس لیے میں مجاہدین کے پیچھے پیچھے آتا تھا۔ میں جب کچھ آگے آیا تو میں نے دیکھا کہ مولانا شاہ اسماعیل شہید کھڑے ہوئے بندوق لگا رہے ہیں۔ میں نے دور سے پکار کر پوچھا کہ مولانا صاحب! امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ شور نہ کرو سکھ سنتے ہیں۔ حضرت آگے نالے میں ہیں۔ وہیں چلے جاؤ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ حضرت ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسری میں بندوق پکڑے ہوئے قبلہ رخ نالے میں بیٹھے ہیں اور ارد گرد مجاہدین بندوقیں چلا رہے ہیں۔ میں بھی ان میں جا کر بندوق مارنے لگا۔ اس دوران حضرت نے فرمایا کہ بھائیو! ان موذی کافروں کو تاک تاک کو گولیاں ماردو۔

مجاہدین غالب آرہے ہیں سکھ شکست کھا رہے ہیں

(5) میدان کارزار سے محمد امیر خان قصوری بیان دیتے ہیں کہ اس وقت آسمان صاف تھا۔ دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ نہ ابر تھا نہ غبار تھا مگر بارود کے دھوئیں کے سبب اس طرح کارتوس کے کاغذیوں معلوم ہوتے تھے جیسا فضاء میں ٹڈیاں اڑتی ہیں۔ وہ وقت نہایت اداس اور خوفناک بنا ہوا تھا۔ سب مجاہدین نے قرابین اور بندوقیں گلے میں ڈال کر تلواریں پکڑیں اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر ایک ساتھ سکھوں پر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت لڑائی کا یہ

رنگ تھا کہ تمام سکھ منخرم ہوکر پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور مجاہدین پہاڑ کی جڑ تک پہنچ کر ان کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر کھینچتے تھے اور تلواریں مار مار کر مردار کرتے تھے۔ جانبین سے پتھروں کی بارش بھی ہو رہی تھی۔

سکھایا ہے ہمیں اے دوست طیبہ کے والیؐ نے
کہ بوجھلوں سے ٹکرا کر ابھرنا عین ایماں ہے
جہاں باطل مقابل ہو وہاں نوک سناں سے بھی
برائے دین اسلام رقص کرنا عین ایماں ہے

مجاہدین پریشان ہیں کہ سید بادشاہ کہاں ہیں

اسی گھمسان کی لڑائی میں جب لوگوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو نہ سید احمد شہید کا جنگی نشان ہے اور نہ آپ خود موجود ہیں۔ اس پر مجاہدین کو تردد ہوا اور گھبرا گئے اور ان کے ہاتھ لڑنے سے سست ہو گئے، پھر بھی کچھ غازی لڑتے رہے مگر اکثر سید صاحب کو ہی تلاش کرتے رہے۔

(6) لعل محمد جگدلیس پورے میدان جنگ سے یہ اطلاع دیتے ہیں کہ مولانا محمد اسماعیل رائفل کندھے میں ڈالے ہوئے، ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے، پیشانی سے بہتے ہوئے تازہ سرخ خون کے ساتھ میرے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس ہجوم میں ہیں۔ یہ سن کر وہ اس طرف جھپٹتے ہوئے چلے گئے۔ اس کے بعد مولوی سید نور احمد صاحب ننگی تلوار لہراتے ہوئے ننگے سر آئے اور پوچھنے لگے کہ امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ ان سے بھی میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اس ہجوم میں ہیں۔ یہ سن کر وہ بھی اس طرف دوڑتے ہوئے چلے گئے۔

(7) محمد امیر خان قصوری میدان جنگ کا نقشہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ سکھ پسپا ہوکر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تو میرے پیچھے سے شاہ اسماعیل شہید انگریزی رائفل کندھے سے لگائے ہوئے آئے اور پوچھنے لگے کہ سید صاحب کہاں ہیں؟ مولانا صاحب کے سر پر گولی لگی تھی اور کنپٹی سے خون جاری تھا۔ لوگوں نے کہا کہ سید صاحب آگے ہیں۔ شاہ

صاحب یہ سن کر دیوانہ وار اس ہجوم کی طرف جھپٹ کر چلے گئے جہاں تلواریں چل رہی تھیں، کچھ دیر بعد ابراہیم خان اس طرف سے روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ شاہ صاحب شہید ہو گئے۔

مولوی جعفر علی کا چشم دید بیان

(8) مشہد اولیا میدان بالا کوٹ سے مولوی جعفر علی صاحب جنگ سے آگے پیچھے اپنا چشم دید بیان اس طرح دیتے ہیں، خلاصہ ملاحظہ ہو: فجر کے بعد اعلان ہوا کہ ہر شخص اپنے ہاں مورچہ بنالے اور جلدی کھانے سے فراغت حاصل کرے۔ امیر المؤمنین ہمارے قریب ٹھہرے ہوئے تھے۔ سکھوں کا لشکر آہستہ آہستہ پہاڑ سے ہماری طرف اترتا ہوا نظر آرہا تھا۔ امیر المومنین نے صاف کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ جمعہ کا دن تھا، سید صاحب کی قبا سیاہ رنگ کی تھی)۔ آپ ہتھیار پہن کر بالائی مسجد کے سائبان میں بیٹھ گئے۔ ایک تفنچہ اور ایک قدیم ولایتی چھری آپ کے زیب تن تھی۔ آپ کی مہر والی انگوٹھی آپ کو پہنادی گئی۔ شاہ اسماعیل شہید کی خاص انگوٹھی بھی اس کو پہنادی گئی تا کہ امانت، صاحب امانت تک پہنچ جائے۔ ایک قسم کا ہتھیار جو گنڈاسے کے نام سے مشہور تھا مجاہدین پر تقسیم کیا گئے جو بندوق نہیں چلا سکتا تھا اس کو گنڈاسہ دیا گیا۔

اس وقت سکھوں کا لشکر اتنا قریب آچکا تھا کہ ان کی معمولی بندوق کی گولی بالا کوٹ کے مکانات تک آرہی تھی۔ مجاہدین میں سے شاہین مینوں نے اپنی شاہین نام کی بندوقوں سے باڑھ مارنا شروع کردی۔ ملا لعل محمد قندھاری کو حکم ہوا کہ دھان کی فصلوں کو عبور کر کے پہاڑ کے دائیں جانب اپنی کمین گاہ بنائیں تا کہ جب سکھ بالا کوٹ کی طرف بڑھنے لگیں تو بغل سے ان پر زوردار حملہ ہو جائے۔ شاہ اسماعیل شہید صاحب نے مجاہدین کو حکم دیا کہ جب سکھ دلدل کو عبور کر کے بالا کوٹ پر چڑھنے کا ارادہ کریں تو اس وقت تلوار سے جنگ لڑی جائے۔ آپ نے خود اپنی جماعت بڑی مسجد کے نیچے شمالی جانب میں بٹھا رکھی تھی اور خود بھی وہیں بیٹھے تھے۔ اس وقت مجاہدین نے ایک دوسرے سے غلطیاں معاف کرادیں اور ضروری وصیتیں کیں۔

شیخ محمد اسحاق نے مجھ سے فرمایا کہ ابھی تک وطن اور اہل وعیال کی محبت میرے دل میں تھی مگر آج میرے دل میں شہادت اور اللہ تعالیٰ سے ملنے کے سوا کوئی تمنا نہیں ہے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دونوں طرف سے شاہینیں چلنے لگیں۔ سید احمد شہید اچانک مسجد کے اوپر حصے سے نیچے آ گئے۔ یہ دیکھ کر تمام غازی مورچوں سے نکل کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔ جب آپ کی جماعت شاہراہ پر پہنچی تو شاہ اسماعیل صاحب اور میری جماعت بھی ان سے مل گئی۔ سید صاحب نیچے آئے اور مسجد زیریں میں توقف کیا۔ تنہائی میں دعا مانگی اور پھر اچانک مسجد کی کھڑکی کھول کر فرمایا کہ مجھے کون بلا رہا ہے؟ تین دفعہ آپ نے ایسا کہا کہ مجھے کون بلا رہا ہے؟ آپ نے اس سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ آپ کے لیے ایک تخت لایا گیا ہے لیکن اس کے پائے سرخ ہیں۔ بہرحال سکھوں کے ہراول دستے نے دو توپیں بالاکوٹ کے قریب نصب کی تھیں جس کے گولے مسلسل آ رہے تھے مگر نقصان نہیں ہو رہا تھا۔ البتہ بندوقوں کی گولیاں بارش کی طرح برس رہی تھیں اور سکھ فوج ہماری گولیوں کی زد میں آ چکی تھی، کچھ وقفہ کے بعد سید احمد شہید اچانک مسجد سے باہر آئے اور اس دلدل کی طرف رخ کیا جہاں سے شدید گولیاں اولوں کی طرح پڑ رہی تھیں۔ اس دلدل میں ایک پتھر تھا، پھر سید صاحب نے اس سے ٹیک لگا کر مورچہ بنالیا۔ ایک شخص نے آ کر آپ سے عرض کیا کہ قندھاریوں پر جنگ کا دباؤ بڑھ رہا ہے اور وہ تھوڑے ہیں، کہیں سکھ اس جانب سے چڑھ نہ آئیں۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ کافی ہیں۔ اس وقت سکھوں کی فوج دھان کی کھیتوں میں پہنچ چکی تھی۔ سید احمد شہید نے ارباب بہرام خان سے فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ نیچے اتر کر سکھوں کے اس گروہ پر حملہ کر دوں۔ ارباب صاحب نے کہا کہ یہ لوگ تو مارے جائیں گے مگر اوپر پہاڑ پر سکھ جمع ہیں ان پر حملہ مشکل ہے کیونکہ وہ بلندی پر ہیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ٹھیک ہے ان کو آنے دو۔

کچھ دیر کے بعد سید احمد صاحب کسی کو اطلاع دیے بغیر بنفس نفیس بسم اللہ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اس دلدل میں گھس کر سکھوں کی فوج پر جھپٹ پڑے اور اگرچہ دلدل میں

پاؤں گھٹنوں تک دھنس جاتے تھے مگر سید صاحب روحانی اور جسمانی طاقت کے ساتھ شیر کی طرح چستی اور تیزی سے حملہ کرتے ہوئے بڑھتے جاتے تھے۔ آپ کے پیچھے آپ کے ساتھی بھی اس مشکل دلدل میں اتر آئے اور بجلی کی طرح دشمنوں کے سروں پر آ کر گرے۔ بعض سکھوں نے نیزے اور تلوار سے مقابلہ کیا لیکن پھر سب کے سب بھاگ گئے۔ اب ان کے لیے بھاگنے کا راستہ بھی نہیں تھا کیونکہ وہ پہاڑ سے اتر چکے تھے۔ اس طرح وہ سب کے سب یہیں پر مجاہدین کے نرغے میں آ کر مردار ہو گئے اور اوپر سے سکھوں نے بے تحاشا گولیاں چلا دیں۔ اپنوں کو بھی مارا اور دوسروں کو بھی نشانہ بنایا۔ اس وقت غازیوں نے نیچے کے تمام سکھوں کا صفایا کر دیا تھا اور وہ دھان کی فصلوں سے آگے پہاڑ کے دامن تک جا پہنچے تھے۔ نیچے کے سکھوں کے ہلاک ہونے کے بعد پہاڑ کے اوپر سے سکھوں نے بندوقوں اور پتھروں سے مجاہدین کو مارنا شروع کر دیا۔ اس دوران امیر المومنین سید احمد شہید ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ سید صاحب کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے پیچھے ہیں میں نے کہا، شکر ہے کہ خیریت سے ہیں۔ ہم تو یہ کہہ رہے تھے مگر اس کے بعد کسی نے سید صاحب کو نہیں دیکھا کہ وہ کہاں ہیں۔ اس سے مجاہدین میں تردد پیدا ہوا اور وہ سب بالاکوٹ کے قصبے میں آ کر جمع ہو گئے۔

سید صاحب کے بارے میں جب تحقیق شروع ہوئی تو کسی نے کہا کہ آپ کی ران پر گولی لگی تھی۔ کسی نے کہا کہ سر میں بھاری پتھر کا زخم آیا تھا اور ایک جراح خدمت کے لیے حاضر ہوا تھا کسی نے کہا کہ ہم نے آپ کو قبلہ رو بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ کسی نے کہا کہ شاہ اسماعیل شہید کندھے پر رائفل لیے ہوئے پیشانی سے خون بہتا ہوا دیوانہ وار گھوم رہے تھے اور پوچھ رہے تھے امیر المومنین کہاں ہیں؟

منشی مہتاب سنگھ کا بیان

سکھ جرنیلوں کا سب سے قریبی ساتھی منشی مہتاب سنگھ جنگ بالاکوٹ کے متعلق اپنی غیر مطبوعہ کتاب قلمی نسخہ کے حوالے سے لکھتا ہے: چنانچہ دونوں طرف سے بندوقیں چلنے

لگیں اور خلیفہ سید احمد شہید سمیت ایک سو اسی آدمی چاولوں کی اس دلدل زمین پر یوں شہید ہو گئے کہ ان کی لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں۔ اسی طرح چار سو ہندوستانی مجاہدوں نے جو دل و جان سے خلیفہ صاحب پر فدا تھے، اس مقام پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ خلیفہ صاحب کے جسم پر گولیوں کے دو زخم آئے۔ ایک گولی ان کے دائیں بازو پر لگی اور دوسری ان کے سینے کے بائیں جانب پستان کے مقام پر لگی۔ (تاریخ منشی مہتاب سنگھ ص 98)

آخری معرکہ

جنگ بالاکوٹ میں سید احمد شہید کی شہادت سے جو افراتفری پھیلی تھی اس کو سنبھالا دینے کے لیے شاہ اسماعیل شہید نے مجاہدین کی قیادت سنبھال لی۔ آپ خود بھی زخمی تھے، داڑھی خون سے تربتر رنگین تھی مگر بچے کھچے مجاہدین کو لے کر آپ نے مٹی کوٹ کے نسبتاً زیادہ مناسب مقام پر دوبارہ سکھوں کا مقابلہ کیا مگر مجاہدین کی بندوقیں دلدل میں بھیگ گئی تھیں جو بے کار ہو چکی تھیں، اس لیے شاہ اسماعیل شہید نے مٹی کوٹ سے لڑتے ہوئے اپنے مجاہدین کو پیچھے کی طرف نکالا اور ست بنے کے نالہ کو عبور کر کے سپاہیوں کو پھر اکٹھا کیا۔ سکھوں نے یہاں بھی مجاہدین پر آ کر حملہ کر دیا۔ شدید جنگ ہوئی اور کئی مجاہدین کے ساتھ شاہ اسماعیل شہید یہیں پر شہید ہو گئے۔ اب مجاہدین کا کوئی امیر نہ تھا اس لیے انہوں نے پسپائی اختیار کی اور جا کر ''پتلنگ'' مقام میں اپنی قوت جمع کی مگر سکھوں کا لشکر تعاقب کرتا ہوا یہاں بھی آ گیا، مگر یہاں تھوڑے سے مجاہدین رہ گئے تھے ان کی بندوقیں خراب ہو چکی تھیں اس لیے یہاں دو بدو لڑائی تلواروں سے لڑی گئی۔ یہ جنگ بالاکوٹ کا آخری معرکہ تھا۔ یہاں تقریباً اکثر مجاہدین شہید ہو گئے اور چند ایک ادھر ادھر منتشر ہو کر چلے گئے۔ اس میدان کو نوری میدان کہتے ہیں۔ یہاں ایک قبرستان ہے جس میں بہت سارے مجاہدین کی قبریں ہیں۔ جن لوگوں نے مجاہدین کو اصرار کے ساتھ مدد کے لیے بلایا تھا علاقے کے وہ لوگ شہر چھوڑ چکے تھے۔ خوانین بالاکوٹ نے دو دن پہلے مجاہدین کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور سید صاحب نے بھی اپنا ترتیب دیا ہوا نقشہ بدل کر شوق شہادت میں

45 سال کی جواں سالی میں اپنے ہاتھوں سے دشمن کے لیے تیار کی ہوئی دلدلی زمین میں اکیلے خود ہی چھلانگ لگادی اور عارضی حیات کو جاودانی حیات کی طرف منتقل کردیا اور جس چراغ کو آپ نے جلایا تھا اس میں خون شہادت کا روغن ڈال کر محفل یاراں کو روشن کر کے چلے گئے، کسی نے سچ کہا تھا:

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
اور اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

سید احمد شہید کی لاش کا قصہ

ایک صحابی نے کفار کی پھانسی پر لٹکتے ہوئے یہ نعرہ مستانہ لگایا تھا:

و ما بی حذا رالموت انی لمیت
وان الی رب ایابی و مرجعی
و لست ابالی حین اقتل مسلما
علی ای شق کان للہ مصرعی
و ذلک فی ذات اللہ وان یشاء
یبارک علی اوصال شلو ممزع

یعنی میں موت سے نہیں ڈرتا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس تو جانا ہے۔ مجھے اس کی بھی کوئی پروا نہیں کہ اسلام کی حالت میں کس کروٹ پر گر مرتا ہوں۔ یہ سب قربانی اللہ کے لیے ہے، اگر وہ چاہے تو میرے کٹے ہوئے جوڑ جوڑ کو مبارک بنادے گا۔

سید احمد شہید نے بھی اسی سنت کو زندہ کیا اور بالاکوٹ کے لالہ زاروں میں اپنا سر کٹا کر امت کو یہ پیغام دیا:

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسرمیدان مگر جھکی تو نہیں

سید احمد شہید نے ایک کراماتی انداز سے جان کی قربانی دی ہے۔ آخر وقت میں اپنی تمام جنگی تدابیر اور اصولوں کو بالائے طاق رکھا اور اگر کسی نے آپ سے کسی ترتیب کا پوچھا تو آپ نے خود اس کی نفی کر دی بلکہ بعض جگہوں سے مورچے بھی اٹھوا دیے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپ نے کچھ واضح خواب بھی دیکھے تھے اور پھر مسجد زیریں کے اندر سے تین بار ساتھیوں سے کھڑکی کھول کو پوچھا کہ ''مجھے کون بلا رہا ہے؟'' اس لیے آپ پر یہ بات منکشف ہوگئی تھی کہ بالاکوٹ ہی اب آغوش شہداء ہے۔ لہٰذا ان دوراز کار باتوں میں پڑنا ہی مناسب نہیں کہ سید صاحب زندہ روپوش ہو گئے۔

مولوی جعفر علی صاحب منظورہ میں لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے: دوسرے روز گولہ انداز وزیر علی کا لڑکا آیا اور کہا کہ لڑائی ختم ہو جانے کے بعد مجھے سکھوں نے پکڑ لیا اور لاشوں پر لے آئے اور کہا کہ لاشوں کو پہچان کر بتاؤ کہ خلیفہ صاحب کی لاش کون سی ہے؟ میں نے پہچان کر ان کو بتا دیا کہ یہ ان کی لاش ہے۔ جعفر علی مزید لکھتے ہیں کہ اس کے بعد خضر خان وغیرہ آئے اور ہم کو بتایا کہ ہم بالاکوٹ گئے اور علاقے کے ان لوگوں کے پاس رات گزاری جو سکھوں کے ساتھ فوج میں تھے۔ ہم نے ان سے حضرت امیر المومنین کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جب غازی بالاکوٹ سے باہر چلے گئے تو سکھوں اور مسلمانوں کی لاشیں اکٹھی پڑی ہوئی تھیں۔ شیر سنگھ نے گرفتار غازیوں کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ سچ سچ بتاؤ کہ ان لاشوں میں سے خلیفہ صاحب کا جسم مبارک کون سا ہے؟ وہ لوگ میدان میں گئے اور انہوں نے ایک لاش کو دیکھا جس کا سر نہیں تھا۔ اس کو انہوں نے آپ کا جسم قرار دیا۔ شیر سنگھ نے اس پر اپنا قیمتی دوشالہ بطور اعزاز ڈالا اور عمدہ کپڑے کے دو تھان اور 25 روپے خیرات کے لیے دیے اور مسلمانوں سے کہا کہ اپنے مذہب کے مطابق تجہیز و تکفین کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے تاریخ دعوت و عزیمت میں جس انداز کو اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ سید احمد شہید بالاکوٹ ہی میں شہید ہو گئے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی

لاش بھی مل گئی تھی اور شناخت بھی ہوگئی تھی مگر سر کے بغیر تھی، پھر سر بھی مل گیا اور دریائے کنہار کے کنارے میں دفنایا گیا تھا جو مشہور ہے، مگر پھر وہ لاش قبر سے نکالی گئی اور دریا میں ڈال دی گئی، سر تو جا کر گڑھی حبیب اللہ میں مل گیا، چنانچہ اس کی قبر وہاں پر بنی اور جسم جا کر تلٹہ کے مقام میں مل گیا اور وہاں اس کی تدفین ہوئی۔ اس بیان سے بالاکوٹ کے کچھ تاریخ دان اور اہل علم قاضی اسرائیل وغیرہ اس حد تک اتفاق کرتے ہیں کہ سید احمد شہید کی قبر دریائے کنہار پر بنی مگر اس سے قطعاً اتفاق نہیں کرتے کہ حضرت شہید کا سر تن سے جدا کیا گیا اور پھر دفنانے کے بعد لاش دریا میں پھینک دی گئی اور گڑھی حبیب اللہ میں سر کی قبر ہے اور تلٹہ میں لاش ہے۔ پیام شاہجہان پوری نے شہادت گاہ بالاکوٹ نامی کتاب میں اہل بالاکوٹ اور بڑے علماء کرام کے مستند و معتمد بیانات کو ان کے اپنے قلم و دستخطوں سے شائع کیا ہے۔ میرے خیال میں ان بیانات وشواہد کے بعد اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ جو مزار سید احمد شہید کی طرف منسوب ہے وہی ان کی قبر ہے۔ ہاں اہل کشف القبور اور روحانی رجال جب اس قبر پر جاتے ہیں تو وہ تصدیق کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ اب کشف اور روحانی عمل کے توڑ کے لیے ایسا ہی عمل درکار ہے۔ مجھے تو افسوس اس بات پر ہے کہ جن اہل بدعت اور مزارات کے پجاریوں نے ہندوستان سے اس مرد قلندر اور مرد درویش کی روانگی کے ساتھ ہی ان کے خلاف کفر کے فتوے بھی روانہ کیے پھر انھی فتاویٰ کے ساتھ صوبہ سرحد کے اہل بدعت کے فتوے بھی شامل ہو گئے، سرحد کے عوام کو انھی فتاویٰ کی آڑ میں ورغلا کر بغاوت پر اکسایا گیا، پھر جب سید صاحب نے ہزارہ بالاکوٹ کی طرف ہجرت فرمائی تو اہل بدعت کے یہ فتوے ساتھ ساتھ جا رہے تھے، سکھوں نے ان فتاویٰ کو اپنے زرخرید خوانین کے ذریعہ سے عوام میں پھیلایا، مقامی اہل بدعت نے بھی سید صاحب کی تحریک کو اپنے پیٹ کے لیے خطرناک محسوس کیا تو ان پر کفر کے فتوے لگائے مگر وہ لوگ شہادت کے بعد ان کے نام پر تین مزارات بنا کر پیٹ کی دوزخ کو نذرانوں سے بھر رہے ہیں۔ خوانین نے زکوٰۃ وعشر کے خوف سے اس عظیم اسلامی انقلاب کو نقصان پہنچانے کے

لیے مجاہدین اور اولیاء وعلماء کے مقابلے میں سکھوں کا ساتھ دیا اور وقتی طور پر یہ تحریک بالاکوٹ میں جا کر رک گئی مگر مقدس خون سے جو سرخ لکیر کھینچی گئی تھی، الحمدللہ وہ لکیر آج بھی برقرار ہے اور آج مجاہدین اسلام اسی کو لے کر بالاکوٹ اور مظفر آباد سے سرینگر اور دہلی تک کھینچ کر لے جا رہے ہیں۔ سید صاحب نے چند پیشنگوئیاں فرمائی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ''لوگ کہیں گے کہ سید احمد شہید کا انتقال ہو گیا یا شہادت ہو گئی (اس کو ہونے دو) لیکن جب تک ہندوستان کا شرک، ایران کا رفض اور سرحد کا غدر نہ جائے میرا کام ختم نہیں ہوگا۔'' یعنی میرے بعد جہاد کا عمل اور جہاد کا تسلسل ان فتنوں کو ختم کرنے کے لیے جاری رہے گا۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق الحمدللہ سید احمد صاحب کی تحریک اب زوروں پر ہے اور مجاہدین کی قربانیاں ان شاءاللہ رنگ لائیں گی۔

شکست کے بعد کفار کا دوبارہ حملہ اور بالاکوٹ پر قبضہ

میاں عبدالقیوم جو میدان بالاکوٹ میں موجود تھے کا بیان ہے کہ جب سکھ شکست کھا کر بھاگنے لگے تو ادھر سے غازیوں نے اپنے اپنے ہتھیار لے کر ان کا تعاقب کیا۔ کوئی تلوار سے، کوئی گنڈاسے کے ساتھ، کوئی بندوق سے اور کوئی پتھروں سے ان کو مارنے لگا۔ دشمن کے بے شمار آدمی ہلاک ہو گئے اور باقی بھاگتے بھاگتے پہاڑ کی جڑ تک جا پہنچے۔ اوپر پہاڑ پر شیر سنگھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جب یہ حال دیکھا تو کہنے لگا ''ارے سکھو! کہاں بھاگ آئے ہو؟ لاہور دور ہے۔'' اس وقت بالاکوٹ کے عوام اپنا سامان اٹھا اٹھا کر بھاگے جا رہے تھے۔ اسی حالت میں سکھوں کے ترم نواز نے ترم بجایا اور اس کی آواز میں کچھ کہا۔ یہ آواز سنتے ہی سب سکھ فوج ایک جگہ پلٹ کر اکٹھی ہو گئی اور غازیوں پر سخت حملہ کر دیا۔ کچھ غازی تو مقابلے پر کھڑے ہو گئے اور کچھ پریشانی کے عالم میں سید احمد شہید کو تلاش کر رہے تھے اور بہت سارے غازی یہیں شہید ہو گئے۔ جو سکھ پہاڑ پر چڑھے تھے انہوں نے دائیں بائیں سے غازیوں کا محاصرہ کر لیا۔ اسی دوران ایک آواز آئی جسے سب لوگوں نے سن لیا کہ اے غازیو!! تم یہاں کیا کرتے ہو؟ حضرت امیر المومنین کو گوجر لوگ ست بنے کے نالے

کے پاس لے جا رہے ہیں۔ اس آواز سے کھیتوں میں چھپے مورچہ زن غازی باہر آ گئے اور سب شہید ہو گئے اور جو کھیتوں سے فاصلے پر تھے وہ بچ کر نکل گئے اور غازیوں کو مکمل شکست ہو گئی۔

میاں عبدالقیوم مزید بیان میں کہتے ہیں کہ مجاہدین کی شکست کے بعد سکھوں نے آ کر بالاکوٹ کو گھیر لیا اور تمام گھروں کو آگ لگا دی اور جو بیمار یا زخمی مجاہدین تھے، سکھوں نے ان کو بیماری کی حالت میں بستروں پر شہید کر دیا۔ بالاکوٹ کے معتبر لوگوں کا بیان ہے کہ جب سکھوں کے چلے جانے کے بعد بھاگے ہوئے لوگ واپس آئے تو انہوں نے دھانوں کی فصلوں میں لاشوں کو دیکھا۔ ان میں شاہ اسماعیل شہید اور ارباب بہرام خان کی لاش کو ان لوگوں نے الگ الگ مقام پر دفن کیا اور باقی شہداء کی لاشوں کو مٹی کوٹ کے نالے میں لا کر ایک جگہ جمع کیا اور سب کو اجتماعی قبر میں دفن کر کے مٹی ڈال دی اور گنجینۂ شہداء بنا دیا۔ ارباب بہرام خان تنکال پشاور کے تھے، ان کے ورثاء نے چھ ماہ بعد ان کی لاش کو جب قبر سے نکالا تو وہ تر و تازہ تھی۔ وہ اسے اٹھا کر لے گئے اور وہاں دفن کیا۔

مجاہدین کی جاں نثاری

(1) محمد امیر خان قصوری کارزار بالاکوٹ سے رقم طراز ہیں کہ میں ایک پتھر کی آڑ میں ہو کر گولی چلا رہا تھا۔ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر مولوی نور احمد صاحب نگرامی کھڑے تھے، ایک گولی ان کے بازو میں آ کر لگی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے تو گولی لگی اب تمہیں جو چیز درکار ہے وہ آ کر مجھ سے لے لو۔ میں نے ان سے چالیس پچاس گولیاں لے لیں، پھر وہ میرے پاس سے پیچھے کو جانے لگے کہ اچانک ان کو دوسری گولی لگی۔ وہ اسی جگہ پر بیٹھ گئے اور شہید ہو گئے۔

مومن ہیں بہادر ہیں مجاہد ہیں نڈر ہیں
اسلام کی عظمت کے لیے سینہ سپر ہیں

(2) سید احمد شہید پہلی مسجد میں تشریف فرما تھے، معمور خان لکھوی آپ کے پاس آئے

اور کہا کہ حضرت میرا دل چاہتا ہے کہ آپ اپنا دست مبارک میرے چہرے پر پھیر دیں۔ یہ سن کر حضرت سید احمد شہید نے اپنا داہنا ہاتھ ان کے چہرے پر پھیرا، وہ خوش خوش وہاں سے مورچے میں گئے۔ مجاہد لعل محمد کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ معمور خان دانتوں میں ننگی تلوار پکڑے ہوئے ایک سکھ کے پاؤں پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور ایک فوجی سکھ کے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتا ہے۔ معمور خان کا زور زیادہ ہوگیا تو اس سکھ کے ہاتھ سے یہ سکھ چھوٹ کر معمور خان پر آ گرا، جگہ سخت تھی دونوں اوپر سے گرتے گرتے نیچے جا گرے، مسلمان شہید ہوگیا اور کافر مردار ہوگیا۔

(3) نجم الدین شکارپوری معرکہ رزم و بزم سے یوں اطلاع دیتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پانی پت کا ایک نوجوان ننگی تلوار لیے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کے سامنے سکھوں کا ایک طویل القامت بڑا افسر بھی ننگی تلوار لیے آ گیا۔ غازی نے لپک کر اپنا ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیا۔ اس سکھ افسر نے بھی اپنا ہاتھ غازی کی گردن میں ڈال دیا، یہ دونوں ایک ایک ہاتھ سے ایک دوسرے پر تلوار چلا رہے تھے مگر زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے تلوار نہیں چل سکتی تھی۔ ادھر میں کھڑا تھا، ادھر سکھوں کا ہجوم تھا، نہ میں اپنے غازی کی مدد کے لیے آگے بڑھ سکا اور نہ سکھ اپنے افسر کی مدد کے لیے آ سکے؟ جب وہ دونوں لڑتے لڑتے بہت زیادہ زخمی ہو گئے اور بہت سارا خون بدن سے نکل گیا تو دونوں سست ہو کر گر پڑے، ایک سکھ نے اژدحام سے آ کر غازی کو تلوار مار کر شہید کر دیا اور اپنے زخمی کو لے گیا، پیچھے سے میں نے دونوں پر بندوق سے فائر کیا مگر معلوم نہ ہو سکا کہ گولیاں ان کو ہی لگیں یا کسی اور کو۔

قافلہ جہاد کے سرخیل شاہ اسماعیل شہید کی شہادت

بالاکوٹ کے میدان جنگ کے غازیوں کے مختلف چشم دید بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ شاہ اسماعیل شہید کے سر میں گولی لگی تھی۔ یہ زخم اگرچہ معمولی تھا مگر اس سے شاہ صاحب کی داڑھی سرخ رنگ سے رنگ گئی اور آپ ننگے سر دیوانہ وار میدان کارزار میں بندوق کندھے پر لیے گھوم رہے تھے۔ بندوق بھری ہوئی تھی اور لبلبی چڑھی ہوئی تھی اور آپ پوچھ رہے تھے

کہ امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ امان اللہ خان اور دیگر احباب نے آگے ایک نالے کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اس طرف ہیں۔ ادھر سے بے تحاشا گولیاں آ رہی تھیں لیکن شاہ صاحب یہ کہتے ہیں ہوئے آگے چلے گئے ''بھائی ہم تو جاتے ہیں۔'' پھر معلوم نہ ہوسکا کہ شہادت کیسے واقع ہوئی۔ ایک دوسرے مجاہد کا بیان ہے کہ وہ بپھرے ہوئے زخمی شیر کی طرح دھاڑتے چنگھاڑتے گولیوں کی بوچھاڑ میں لپک کر اس نالے کی طرف چلے گئے اور جاتے ہوئے فرمایا ''بھائی ہم تو چلے گئے۔'' پھر معلوم نہ ہوسکا کہ آپ کی شہادت کس طرح واقع ہوئی، سچ ہے:

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
اور اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

شہادت کہاں واقع ہوئی؟

شہادت کی آخری گھڑی اور آخری کیفیت و حالت کسی عینی شاہد کی زبانی معلوم نہیں ہوسکی۔ صرف اتنا بیان ہے کہ شاہ صاحب کفار کے ہجوم اور جمگھٹے میں گھس گئے اور پھر شہید ہوگئے۔ یہ ہجوم بالاکوٹ کی غربی جانب مٹی کوٹ کے دامن میں تھا اور شاہ صاحب کی قبر اس جگہ سے قریباً ایک میل کے فاصلے پرست بنے کے پاس بنی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ معرکہ کارزار سے یہ قبر اتنی دور کیوں ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علاقے کے لوگ مولانا کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے تاکہ لاش کی بے حرمتی نہ ہو جائے اور بعض کا خیال ہے کہ شاہ صاحب نے ہجوم میں گھسنے کے بعد بڑی جنگ لڑی ہے اور آپ نے چاہا کہ کفار کو لڑنے کے لیے اس میدان تک لایا جائے جو ست بنے کے پاس تھا اور جہاں شاہ صاحب کی قبر ہے۔ یہ جگہ لڑنے کے لیے نسبتاً زیادہ موزوں تھی۔ یہیں لڑتے لڑتے شاہ صاحب نے جام شہادت نوش کیا۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے شہادت کس آلہ سے واقع ہوئی؟ بندوق سے یا تلوار سے؟ تو یہ سوال دوراز کار ہے۔ اس کی حقیقت خود بلبل جنت و صاحب شہادت ہی سے پوچھو اور کون بتا سکتا ہے؟ اور کس کی کیا مجال ہے؟ کسی نے سچ کہا

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت وگل چہ شنید و صبا چہ کرد

کفار نے آپ کی لاش کو ہزار کوششوں سے تلاش کیا مگر ان کی لاش نہیں ملی، کسی نے لکھا:

حق نے اسماعیل کی عزت یہ کی
لاش کو کفار سے ذلت نہ دی
پردۂ رحمت میں اپنی ڈھانک لی
کی تلاش اعداء نے لیکن نہ ملی

الغرض ہزاروں میل دور قربانی کی سرخ لکیر کھینچ کر ایک مجاہد عظیم، ولی کامل اور جید عالم دین بے سروسانی کے عالم میں لڑے، مشقتیں اٹھائیں، طعنے سنے، اپنوں کا بھی نشانہ بنے اور اعداء اسلام کا بھی نشانہ بنے مگر اس مردِ حق نے اپنے فرشتہ صفت قافلۂ حریت کے ساتھ جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشت و بیابان میں نعرۂ حق اور نعرۂ تکبیر کی صدائیں بلند کیں اور اس وقت تک یہ قافلۂ جرأت رواں دواں تھا جب تک کہ اس نے اپنے مقدس خون سے بالاکوٹ کی گل پوش وادیوں کو لالہ زار نہ بنا ڈالا۔ آج بالاکوٹ کے دشت وجبل اور میادین وقلل سے ان کے نعرۂ مستانہ کی گونجتی ہوئی آواز صاف سنائی دے رہی ہے کہ

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

بے سروسامانی اور وطن مالوف سے اتنا دور، پھر اہل وعیال کی جدائی، نہ وطن اپنا، نہ مٹی اپنی، نہ خاندان اپنا، نہ قبر اپنی، نہ گاؤں اپنا، نہ بستی اپنی، نہ کھانا اپنا نہ چارپائی اپنی، پھر ایک جان تھی وہ بھی فدا کر دی، گویا:

جو پاس تھا وہ سب لٹا ہی دیا
حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہی کیا

پھر اس ایک جان دینے پر افسوس کہ دوسری جان کیوں نہیں کہ اس کو بھی حب الٰہی کے

میدان جہاد میں قربان کرتے، گویا:

جانے کہ داشت کرد فدائے تو اے خدا
شرمندہ از تو گشت کہ جان دگر نداشت

زبان حال سے شہداء بالاکوٹ نے بلند آواز سے فدائیت کا یہ نعرہ لگایا کہ ہمارے جسموں کے ٹکڑے کاش اس سے زیادہ ہوتے اور ہماری جانیں صد افسوس کئی ہزار ہوتیں گویا کہہ رہے تھے:

غم نیست گرز مہر تو دل پارہ پارہ شد
اے کاش ذرہ ذرہ شوم در ہوائے تو
من کیستم کہ بہر شما جاں فدا کنم؟
اے صد ہزار جان مقدس برائے تو
میخواہم از خدا بدعا صد ہزار جاں
تا صد ہزار بار بمیرم برائے تو

☆☆

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تاامروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی
زندگی کیفی اسی حسن عمل کا نام ہے
کفر کو نابود حق کو جاوداں کرتے چلو

شاہ صاحب کا مدفن

شاہ صاحب کا مدفن ست بنے کے نالے کے کنارے پر بہت بلندی پر ایک درخت کے نیچے واقع ہے۔ بندۂ عاجز راقم الحروف جب اس مدفن پر حاضر ہوا تو ایک غریب الوطن مسافر کی قبر وہی نظارہ پیش کر رہی تھی کہ نہ قبرستان ہے، نہ کوئی محلّہ ہے، نہ تیل ہے، نہ چراغ ہے۔ جنگلی پودینہ کی خوشبو اوپر سے مہک رہی تھی اور اندر کی خوشبو تو صاحب خوشبو ہی

جانے۔ایک سن رسیدہ بابا وہاں ملے، کہنے لگے کہ ہر جمعہ کی شب کو اس قبر پر آسمان سے نور کے شعلے آتے ہیں اور پھر جاتے ہیں۔اس کرامت کے باوجود نہ وہاں جھنڈے ہیں، نہ بدعات وخرافات ہیں، نہ چراغاں ہے، نہ گل پاشی ہے، نہ عرس ہے اور نہ رسم ورواج کا نام ہے۔پرانے پتھروں پر جگہ جگہ عبارات ہیں جو سادہ اور ٹیڑھے حروف سے لکھی ہوئی ہیں۔ ایک عبارت اس طرح ہے: مدفن حضرت مولوی شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم، ولادت شنبہ 28 شوال سن 1196ھ، شہادت جمعہ 24 ذیقعدہ سن 1246ھ، عمر 50 سال۔

یہ اشعار بھی کندہ ہیں:

اے ذبیح اللہ اسماعیل
شد بذات صور اسرافیل
خون خود را در کوہ وکہسار ریخت
لیک بیخ حریت درہند بیخت

ایک پرانے پتھر پر ایک اور عبارت بھی موجود ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

''مزار شریف غازی مولوی شاہ اسماعیل شہید صاحب دہلوی شہید مرحوم''

اپنوں کا ظلم

شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کی یہ قربانیاں کہ جہاں بھی مسلمانوں پر کسی کافر نے ظلم کیا اور مظلوم نے آہ وفریاد کی تو یہ شیخین وسیدین ان کی مدد کے لیے مسلح ہو کر آئے۔ جہاں بھی سکھوں نے مسلمانوں پر ظلم ڈھائے یہ حضرات وہاں پہنچے اور منافقین کے نفاق کا مقابلہ کیا، مشرکین کے شرک کا مقابلہ کیا، رسم ورواج کا مقابلہ کیا اور دین حق کا جھنڈا میدانوں اور کوہساروں میں جہاد مقدس کے میدان کارزار میں اتر کر بلند کیا۔ برصغیر کے اکثر پہاڑوں، سنگلاخوں اور دور دراز وادیوں میں بھوک وپیاس اور فرقت وغربت کی زندگی گزار کر اسلام کی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ایک طرف یہ جان نثاری وقربانی کی

شہادت بھی مسلم ہے، شہید کی مغفرت بھی مسلم ہے، ان کا احترام اور عزت وعظمت بھی مسلم ہے لیکن دوسری طرف ناترس اور خوف خدا سے عاری معاندین نے اس وقت سے لے کر آج تک ان برگزیدہ ہستیوں کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ جمعہ 24 ذیقعدہ 1246ھ کے یوم شہادت سے لے کر آج 1422ھ تک اس طویل عرصے میں شاید ہی کوئی دن ایسا آیا ہو جس کی صبح اس شہید الاسلام کی تکفیر وتضلیل کا کوئی فتویٰ نہ لگا ہو۔ سب وشتم اور لعن طعن کا کوئی جملہ استعمال نہ کیا گیا ہو، کہتے ہیں:

وہ ابوجہل وابولہب سے زیادہ دشمن اسلام، خوارج ومرتدین سے زیادہ خارج الاسلام، فرعون وہامان سے زیادہ مستحق نار، کفر کا بانی اور ضلالت اور گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا پیروکار اور شاگرد تھا۔ (العیاذ باللہ)

یہ ان لوگوں نے کہا جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کے لیے ایک پھانس بھی نہیں چبھی۔ جن کے پیروں میں آج تک اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے کبھی کوئی کانٹا نہیں چبھا، جن کو خون تو درکنار، اللہ کے صحیح دین کی خدمت میں آج تک پسینے کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی۔ یہ ان لوگوں نے کہا جن کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت وعصمت بچانے کے لیے اس نے سر کٹایا۔ کیا اس کا یہی گناہ تھا اور کیا اس کا یہی جرم تھا کہ اس نے کفار کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر جہاد مقدس کو زندہ کیا؟ کیا کسی کے احسان کا بدلہ یہ ہوتا ہے؟ کسی نے سچ کہا ہے:

سودا قمار عشق میں خسرو سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روئے سیاہ تم سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

تعجب تو اس پر ہے کہ ان حضرات کی شہادت کے 170 سال پورے ہو چکے ہیں مگر اب تک ان پر لعن طعن جاری ہے۔ کیا یہ بڑا ظلم نہیں اور کیا احسان فراموشی کی اس سے بدتر

مثال مل سکتی ہے؟ ظلم کی انتہا کو دیکھو کہ اس کو مارنے والے سکھ کو انسانوں میں بہترین انسان قرار دیا جاتا ہے۔ ان کی شہادت کو عشق بازی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ کیا ان لوگوں کو خدا کا خوف بالکل نہیں جو یہ شعر تک ان نابغۂ روزگار ہستی کے متعلق کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان خدائقِ بخشش ج2 صفحہ 50 پر کہتے ہیں:

وہ جسے دیا وہابیہ نے لقب شہید وذبیح کا

وہ شہید لیلیٰ نجد تھا، وہ ذبیح تیغ خیار تھا

یعنی وہ نجدی معشوقہ کا شہید تھا اور جن لوگوں نے ان کو ذبح کیا وہ سب سے اچھے لوگ تھے، یعنی سکھ بہت اچھے لوگ تھے جن کی تلوار سے شاہ اسماعیل شہید ذبح ہوئے۔

میں کہتا ہوں کہ شاہ اسماعیل شہید کی جرأت تم میں کہاں سے آئے گی؟ تیجہ، ساتواں، دسواں، گیارہواں اور مردوں کے کھانے وحلوے مانڈے کھا کر دل تمھارے مردہ ہو چکے ہیں۔ بدن سست پڑ گئے ہیں۔ بس صرف زبان ہے جو بے شرم عورتوں کی طرح ہر شرافت کو کاٹ کر بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی شہادت پر خوش ہونے والے اور جشن منانے والے اس زمانے کے سکھ اور کفار تھے۔ ملاحظہ ہو:

بالاکوٹ کے واقعہ پر دربار لاہور میں جشن

کیپٹن سی ایم ویڈ نے جب گورنر جنرل کے سیکریٹری کو واقعۂ بالاکوٹ کی اطلاع 17 مئی سن 1831ء کو گیارہ دن بعد دی تو سیکریٹری نے رپورٹ میں لکھا: رنجیت سنگھ اس فتح بالاکوٹ کی اطلاع کی خوشی سے باغ باغ ہو گیا جس نے اس کو اس سردردی سے نجات دے دی جس میں اس کی حکومت مسلسل کئی سال سے مبتلا تھی۔ اس نے حکم دیا کہ سرکاری طور پر سلامی کی توپیں سر ہوں اور امرتسر میں اس واقعہ کی خوشی میں چراغاں کیا جائے۔

ایک اور خط میں مسٹر سی ایم ویڈ لکھتا ہے کہ مہاراجہ نے بالاکوٹ کی فتح کی اطلاع سے مسرور ہو کر قاصد کو سونے کے کنگن کی ایک جوڑی انعام میں دے دی۔ اس کے علاوہ ایک شال و پگڑی بھی دے دی، پھر حکم دیا کہ اس واقعہ کی خوشی میں فلاں قلعہ کی ہر ہر بندوق سے

گیارہ گیارہ فائر کیے جائیں۔ مہاراجہ نے شیر سنگھ کو لکھا کہ جب تم واپس آ ؤ گے تو باقی اعزاز کے علاوہ آپ کو جاگیر دی جائے گی۔ (تلخیص واضافہ بحوالہ دعوت عزیمت)۔

شہدائے بالاکوٹ کی تعداد

واقعہ نگاروں نے جو تعداد لکھی ہے اور جن کی قبریں وہاں بنی ہوئی ہیں اور جن کے نام بعض تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں تو وہ کل 144 نفوس مبارکہ ہیں مگر کل تعداد شہداء کی چار سو کے قریب قریب تھی اور سکھ لشکر کے سات سو آدمی ہلاک ہوئے تھے۔ جنگ ختم ہونے پر جب مجاہدین ایک جگہ اکٹھے ہوئے تو بچنے والوں، بیماروں اور معذوروں کی تعداد سات سو تھی۔ دوران جنگ ضلع بٹگرام کے ایک مخلص مجاہد ناصر خان بٹگرامی کے ہاتھ میں گولی لگی تو انہوں نے تلوار سے لڑنا شروع کیا پھر ان کے دوسرے ہاتھ میں گولی لگی تب وہ میدان جنگ سے باہر آ گئے اور جب جنگ ختم ہوگئی تو تمام مجاہدین کو آپ بٹگرام لے آئے اور پھر شملئی اور بنسیلر میں مجاہدین نے نئے نظم ونسق کے لیے مرکز بنایا۔ سید احمد شہید کی زوجہ محترمہ بھی راجداری سے آئی تھیں۔ اب مجاہدین بے سروسامان بھی تھے اور فراق سیدین میں مدہوش بھی تھے، پھر سب نے مل کر ہمت کی اور شیخ ولی محمد صاحب پھلتی کو اپنا امیر بنایا اور یہ تحریک کامیابی سے آگے بڑھتی رہی۔

یہ تھی وہ مختصر روداد جو میں نے سید احمد شہید کے ایک طویل جہادی سفر سے دل پر پتھر رکھ کر چن چن کر چند معروضات کی صورت میں قارئین کے سامنے رکھ دی۔ ورنہ عہد وفا کے اس پیکر عظیم اور عزم وجزم کے اس مجاہد اعظم کے اس جہادی سفر کا کون سا جملہ اس قابل ہے کہ اسے چھوڑا جائے۔ تاہم اس اختصار میں پھر بھی طوالت آ گئی لیکن چونکہ یہ مضمون اور تاریخ اہل پاکستان وہندوستان اور افغانستان کے مسلمانوں اور بالخصوص مجاہدین سے وابستہ تھی اس لیے میں نے اس کے اکثر اہم حصے مجاہدین ساتھیوں کے لیے اور مجاہدین کے معاونین کے لیے بطور درس عبرت جمع کر دیے۔

پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کیلئے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے، آمین۔

منزل تو خوش نصیبوں میں تقسیم ہوگئی
کچھ خوش خیال لوگ ابھی تک سفر میں ہیں

ہم نے ان کے سامنے اول تو جذبہ رکھ دیا
پھر کلیجہ رکھ دیا، دل رکھ دیا، سر رکھ دیا

مٹا سکتی ہے کیا اس کو زمانہ کی کوئی طاقت
نہ کرتا ہو کبھی جو بھول کر بھی موت کی پروا

خلق اللہ للحروب رجالا
ورجالا لقصعة وثرید

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

یہ بلبلوں کا ''صبا'' مشہد مقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو! یہ تیرا باغ نہیں

گلہائے عقیدت برائے سیدین شہیدین

کٹا کے تیغ ستمگار سے گلو تو نے
بچا کے ملت بیضا کی آبرو تو نے

خزاں زدہ تھا چمن ہر طرف تھی ویرانی
پھر اس چمن کو دیا آب و رنگ و بو تو نے

ترس رہے تھے بہت دن سے تشنہ لب مے خوار
شراب عشق سے پر کر دیے سبو تو نے

دریدہ دیکھ کر دامان امت مظلوم

لہو سے اپنے بنایا وہ عشق کا شاہکار
زمین پہ کھینچ دی تصویر ہوبہو تو نے
چلا کہاں سے خیمہ زن ہوا کہاں آکر
دیا جنوں کو عجب جوشِ آرزو تو نے
جواں ہو شوق تو ہیں گرد صحرا و کہسار
سکھائے عشق کو آداب جستجو تو نے
چلو کہ خون مسلماں دہائی دیتا ہے
یہ ندا قریہ بہ قریہ دی، کو بہ کو تو نے
جھپٹ پڑے صف اعداء پہ ترے دیوانے
کچھ اس ادا سے لگائی صدائے ''ہو'' تو نے
رہے گی یاد ہمیشہ عدو کی نسلوں کو
زبان تیغ سے کی تھی جو گفتگو تو نے
میری نظر میں مقدس ہے ارض بالاکوٹ
کہ اپنے خون سے کیا ہے سرخرو تو نے

یا شہیدالاسلام سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار

اللھم اجعل قبورھم روضات من ریاض الجنۃ آمین

لیے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہید ناز کی تربت کہاں ہے

سیدین شہیدین کے بعد نیا انتظام

بالاکوٹ سے بچے کھچے مجاہدین انگرائی پہنچے جہاں ناصرالدین خان بگرامی کی زمین تھی۔ وہاں سے مجاہدین ''میاں کلی'' چلے گئے۔ یہ سیدوں کی مشہور بستی ہے۔ وہاں سے مجاہدین ''بنسیر'' چلے گئے تو معلوم ہوا کہ سید احمد شہید کی زوجہ محترمہ شملئی سے بنسیر آ چکی

ہیں۔اس کے بعد مجاہدین نے اصرار کے ساتھ شیخ ولی محمد پھلتی کو مجاہدین کا امیر بنایا اور جہاد کی بیعت عام پھر شروع ہوگئی۔اہل نندھاڑ نے اس بیعت جہاد میں خوب شرکت کی اور پھر نندھیاڑ بنسیر سے یہ قافلہ ''پچ بیار'' جانے کے لیے بٹگرام میں دو دن قیام کے بعد چل پڑا اور سید احمد شہید کی زوجہ محترمہ بھی پچ بیار چلی آئیں۔مجاہدین کی ایک بڑی جماعت ''کوہانہ'' چلی گئی۔جہادی مہم چلانے کی کوشش کی اور عشیر لینے کا اہتمام کیا۔کوہانہ سے مجاہدین بٹگرام آئے اور پھر ''اجمیرہ'' تشریف لے گئے۔پھر ''جبوڑی'' چلے گئے اور ''سائی خان'' سے ہوتے ہوئے مجاہدین چھپرگرام چلے گئے۔وہاں سے یہ قافلہ ''جیدل'' گیا اور پھر پیال سے واپس کوہانہ میں دس ماہ قیام کے بعد مجاہدین نے سکھوں کے خلاف پھر جنگ کا آغاز کیا۔''کونش'' کے علاقے میں سکھوں پر حملے کیے۔جب مجاہدین گئے تو سکھوں نے خوف کے مارے علاقہ خالی کر دیا، پھر مجاہدین نے بفہ کے سکھوں پر شب خون مارا اور کامیابی حاصل کی پھر مجاہدین نے نندھیاڑ سے واپس اپنے قدیمی مرکز ''پنجتار'' جانے کا فیصلہ کیا۔دو روز دیشان میں رہے پھر مجاہدین نے بتکول میں قیام کیا اور دریا عبور کر کے ''سنڈا کئے'' چلے گئے اور پھر وہاں کا بگرام چلے گئے اور وہاں سے بونیر، سوات و بونیر اور دیگر علاقوں میں جہادی مہم کا آغاز از سر نو کیا گیا اور کچھ منافقین سے اور کچھ سکھوں کے ساتھ جنگیں ہوئیں۔جبوڑی میں مجاہدین نے سکھوں پر زبردست حملہ کر دیا اور کامیاب ہوگئے۔پھر بیر کھنڈ میں جنگ ہوئی۔ملک پور میں لڑائی ہوئی، پھر دیشان کے لوگ مجاہدین کے مقابلے پر آگئے، ان کو شکست ہوگئی۔پھر گج بوری پر شب خون مارا گیا۔پھر الائی کے خوانین نے بھی مجاہدین کے مقابلہ پر لشکر تیار کیا مگر مجاہدین نے ان کو شکست دے دی۔پھر مجاہدین نے سکھوں کے مضبوط مرکز بٹل اور ''بچوں'' پر کامیاب کارروائی کی۔بالیمنگ اور اچی منگ کے علاقے کارروائی کی زد میں آگئے اور پکھلی کے بیشتر علاقوں میں سکھوں اور سکھ نواز خوانین سے مقابلے ہوئے۔الغرض ضلع ہزارہ کے اکثر مقامات میں مجاہدین نے سکھوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔الائی کے لوگ اگرچہ مجاہدین کے فرمانبردار ہو چکے تھے

مگر سکھوں نے خوانین کو برانگیختہ کیا تو مقیم خان نے جو اس وقت مجاہدین کے امیر تھے بیاری الائی پر چھاپے کا ارادہ کرلیا۔ بیاری کے قریب باغیوں کو شکست ہوگئی مگر انہوں نے راستہ روک کر حملہ کردیا اور مجاہد مقیم خان شہید ہوگئے جو مجاہدین کا بڑا نقصان تھا۔ پھر ''امب'' سے ہوتے ہوئے مجاہدین نے ستھانہ کو مرکز بنایا۔ ''بیچ پیار'' سے بی بی صاحبہ یعنی زوجہ سید شہید صاحب ستھانہ پہنچائی گئیں، پھر مجاہدین نے ٹوپی پر حملہ کردیا۔ یہی تحریک کم وبیش جاری تھی اور اس کے نئے نئے امیر بنتے رہے یہاں تک کہ مولانا عنایت علی خان نے مجاہدانہ کارنامے شروع کیے، اب سکھوں اور انگریزوں دونوں سے مقابلہ شروع ہوگیا۔ سکھ ضلع ہزارہ اور پکھلی میں آنے جانے کے قابل نہ رہے۔ بالاکوٹ پر مجاہدین نے قبضہ تشکیل دیا، پھر مولانا ولایت علی نے عطر شیشہ میں دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر اسلام گڑھ چلے گئے۔ بڑا استقبال ہوا، پھر مظفر آباد اور گڑھی حبیب اللہ کے درمیان ''درہ دب'' میں مجاہدین اور سکھوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی جس میں مجاہدین کو شکست ہوگئی اور ایک کامیاب حکومت اسلامیہ پھر خطرہ میں پڑگئی۔ پھر کوہ سیاہ یعنی کالا ڈھاکہ کے پاس جنگ ہوئی اور جب تک مجاہدین کا مرکز ستھانہ تھا ضلع ہزارہ پر مسلسل حملے ہوتے رہے۔ پھر 1857ء کی جنگ آزادی شروع ہوگئی اور اس مسلسل تحریک نے اپنا رخ اس طرف موڑ دیا اور اب مجاہدین اور انگریز آمنے سامنے آئے سکھ صرف فوجیوں کا کام کررہے تھے۔ جنگ امبیلہ کی ایک طویل تاریخ ہے۔ وہ مجاہدین نے انگریزوں کے خلاف کئی مرحلوں پر لڑی تھی جس میں ''اخوند درویزہ'' بابا سوات نے حصہ لیا تھا۔ سنڈاکیے بابا جی نے بھی سرحد کی انگریز جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حاجی ترنگ زئی اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم الحاج محمد امین صاحب نے بھی اپنے اپنے وقت میں ان جنگوں میں حصہ لیا جس کی تفصیل آجائے گی۔

الغرض سیدین شہیدین مکرمین نے جہاد مقدس کی جو تحریک شروع فرمائی تھی اس کا تسلسل کسی نہ کسی صورت میں برقرار رہا اور اب الحمدللہ مجاہدین کی تربیت گاہیں انہی بزرگوں کی راہوں میں بنی ہیں

بنا کردند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ہندوستان پر انگریز کا قبضہ اور علماء کا کردار

اس سے قبل کئی بار لکھا جا چکا ہے کہ برصغیر میں انگریز ایک تاجر کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔ ملکہ الزبتھ کے عہد میں لندن کے چند تاجروں نے مل کر 1600ء میں ایسٹ انڈیا مسلم کمپنی قائم کی۔ مغل بادشاہ جہانگیر سے انگریزوں نے بہت سارے تجارتی حقوق حاصل کر لیے اور پھر اپنی تجارت کی حفاظت کے بہانے سے رفتہ رفتہ بڑا اسلحہ اکٹھا کیا اور 1763ء تک انگریزوں نے ہندوستان پر ہر قسم کی برتری حاصل کر لی۔

(آج کل انگریزوں نے یہی چال خلیجی ممالک اور خصوصاً سعودی عربیہ اور پھر پاکستان میں چلائی ہے، ان ممالک اسلامیہ میں بہت سے حساس علاقے ایسے بھی ہیں جن میں ان ممالک کے بڑے آفیسروں کا داخلہ بھی ممنوع ہے۔ یہ مسلمان آفیسر امریکا کی افواج کی حفاظت میں چوکیداری کر سکتے ہیں)

الغرض 1757ء میں بنگال میں انگریزوں سے سراج الدولہ کی لڑائی جنگ پلاسی کے نام سے ہوئی جس میں میر جعفر اور میر صادق منافقین نے انگریزوں سے مل کر مسلمانوں کو شکست سے دوچار کیا اور پھر جنگ بکسر میں مزید شکست کا سامنا ہوا۔ یہاں تک کہ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد پورا ہندوستان انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا اور 1947ء تک انگریزوں نے اس ملک پر حکومت کی۔ کمپنی کی حکومت کے دور اول سے لے کر برطانیہ کے آخری تاجدار اور 1947ء کی آزادی تک تقریباً دوسو سال تک انگریز نے برصغیر پر ظالمانہ وغاصبانہ حکومت کی ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کے نامور سپوت حیدر علی سلطان ٹیپو شہید اور سراج الدولہ جیسے مجاہدین نے انگیزوں کا خوب مقابلہ کیا مگر میر جعفر و میر صادق جیسے منافقین اور مغل شہزادوں جیسے عیاش حکمرانوں نے مسلمانوں کو شکست کے سوا کچھ نہ دیا۔ برطانیہ کی گورنمنٹ انگلیشیہ نے ہندوستان میں ایسی حرکتیں شروع کر دیں جنھوں نے

مسلمانوں کی غیرت کو جھنجھوڑا اور وہ کسی بھی انقلابی تحریک کے لیے ذہنی طور پر بالکل تیار ہو گئے۔ عیسائی پادریوں نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے ہندوؤں کو بھی مذہب کے لحاظ سے چھیڑ دیا اور پادریوں نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ اب ہندوستان پر صرف عیسائیت کا جھنڈا لہرائے گا اور تیس سال کے بعد بنگال وغیرہ میں عیسائی افراد کے سوا کوئی نظر نہیں آئے گا۔ چنانچہ لندن کے پارلیمنٹ ہاؤس میں ایسٹ انڈیا کے چیئر مین منگلس نے 1857ء میں یہ پالیسی ساز تقریر کی تھی:

''خدا نے ہندوستان کی یہ عظیم الشان سلطنت انگلستان کو اس لیے سونپی ہے کہ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فتح کا علم لہرانے لگے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی پوری قوت اس کام میں لگا دینی چاہیے کہ ہندوستان کو عیسائی بنانے کے اعلیٰ وارفع مقصد کو پورا کرنے میں ذرا بھی ڈھیل نہ آنے پائے۔ (بحوالہ انوار قاسمی ص 247) اسی طرح لارڈ میکالے نے خط میں لکھا کہ اگر میرے تعلیمی منصوبے پر پوری طرح عمل کیا گیا تو مجھے پختہ یقین ہے کہ زیادہ سے زیادہ تیس سال بعد بنگال میں ایک بھی بت پرست (غیر عیسائی) نہ رہے گا۔ (حوالہ بالا)

ہندوستان میں انگریز کے مظالم

اب آیئے اور مذہب وتمدن اور تہذیب وثقافت اور انسانی حقوق کے دعویداروں کے وہ مظالم دیکھیں جو صرف ہندوستان میں ڈھائے گئے تھے۔

قیصر التواریخ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ صرف دہلی میں ستائیس ہزار ہندوستانی باشندوں کو تختہ دار پر لٹکایا گیا، مجاہدین کی جائیدادیں ضبط کر دی گئیں۔ ان کے مکانات نیلام کر دیے گئے یا انہیں جلا دیا گیا۔ لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا گیا۔ آبادی کا جو حصہ قتل وغارت سے بچ جاتا وہ زبرستی شہر بدر کیا جاتا۔ بڑے قلق کی بات ہے کہ زروجواہر کے خزانوں کے ساتھ دہلی کی علمی، ادبی اور ثقافتی زندگی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ دینی مدرسے، کتب خانے، خانقاہیں، مسجدیں اور دوسرے رفاہی ادارے جذبہ انتقام کا شکار ہو گئے۔ دہلی کے

مقتدر اور صاحب ثروت لوگ یا تو جنگ میں مارے گئے یا پھانسی پر چڑھا دیے گئے۔ حد یہ ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے شہزادوں کو گولی مار کر ان کے سر تن سے جدا کر کے ان کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

سید طفیل احمد صاحب منگلوری ایم اے علی گڑھ، انگریز کے مظالم کی داستان اس طرح بیان کرتے ہیں "جب انگریزوں کو کامیابی ہوئی تو انہوں نے جس قسم کے مظالم ڈھائے وہ نا قابل بیان ہیں۔ ان مظالم کی شدت کو خود انگریز مؤرخوں نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ہومز نے لکھا ہے کہ بوڑھے آدمیوں نے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچایا تھا۔ ان سے اور بے کس عورتوں سے جن کی گود میں دودھ پیتے بچے تھے ہم نے اسی طرح بدلہ لیا جس طرح بڑے بڑے باغیوں سے۔ مؤرخ کیٹی تسلیم کرتا ہے کہ ایک مقام پر چھ ہزار ہندوستانیوں کا قتل عام کیا گیا۔ تنہا آلہ آباد کے علاقے میں "نیل" نے اتنے ہندوستانیوں کو مروا ڈالا جتنے مرد و عورت اور بچے بوڑھے ہندوستان بھر میں 1857-58ء کے سارے ہنگامے میں نہیں مرے۔

ایک انگریز افسر نے لکھا ہے کہ انبالہ سے دلی تک ہزاروں بے قصور دیہاتیوں کو انگریزوں (یہود و نصاریٰ) نے مار ڈالا۔ ان کے بدنوں کو سنگینوں سے چھیدا جاتا تھا۔ ایک انگریز مورخ تھامسن نے لکھا ہے کہ دہلی کے مسلمانوں کو ننگا کر کے اور زمین سے باندھ کر سر سے پاؤں تک جلتے ہوئے تانبے کے ٹکڑوں سے اچھی طرح داغ دیا گیا اور مسلمانوں کو سور کی کھالوں میں سی دیا گیا۔ خواجہ حسن نظام نے لکھا کہ ہزاروں عورتیں فوج کے خوف سے کنوؤں میں کود پڑیں یہاں تک کہ پانی ان سے اوپر ہو گیا۔ جب ان زندہ عورتوں کو کنوئیں سے نکالنا چاہا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں گولی مار دو نکالو نہیں۔ ہم شریفوں کی بہو بیٹیاں ہیں ہماری عزت خراب نہ کرو۔ بعض لوگوں نے اپنی عورتوں کو قتل کر کے خودکشی کر لی۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص92)

اے امت مسلمہ کے غیور نوجوانو! یہ تو انگریز کے ان مظالم کی ایک معمولی سی جھلک ہے

جو انہوں نے اندرون ہندوستان کیے تھے۔ اب ذرا بیرون ہندوستان اسلامی ممالک اور مسلمانوں کے ساتھ اس مکار قوم (یہود و نصاریٰ) کا برتاؤ اور سلوک بھی ملاحظہ کیجیے: اس سلسلے میں ''مکتوبات شیخ الاسلام'' مولانا نجم الدین اصلاحی کی فکر انگیز تحریر ہدیہ ناظرین ہے، فرماتے ہیں کہ ان سفید بھیڑیوں کی داستان ظلم واستبداد سے نہ صرف ارض ہند بلکہ دنیائے اسلام کا ذرہ ذرہ ماتم کناں اور ارض حرم کے مرغان حرم قیامت تک کے لیے سوگوار ہیں تفصیل تو تاریخ بتائے گی تاہم کچھ داغ ہائے سینہ اس دفتر پارینہ سے دہرالینا عقائد وایمانیات کی تجدید کے مترادف ہے اور قرآنی صداقت **ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم** کا اعتراف ہوگا۔

''مانا کہ عیسائیت ابتدائے اسلام سے ملت اسلام کی دشمن رہی ہے مگر اس نے قرون وسطیٰ میں جو وحشیانہ مظالم اسلام پر کیے ہیں ان کو دیکھ کر آسمان کانپ اٹھا اور زمین کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اندلس کے کھنڈر، غرناطہ کی ٹوٹی ہوئی دیواریں، قرطبہ کے اجڑے ہوئے مکانات اسپین اور سسلی کے مستحکم قلعے، مالٹا کے اسلامی کھوپڑیوں سے بنے ہوئے قلعے، جدہ میں گولہ باری، بیت المقدس پر قبضہ، نجف اشرف، کاظمین، کربلا و بغداد پر تسلط، حرمین شریفین کی توہین، طائف وجدہ میں کئی سو عورتوں کی گرفتاری، سمرناطولیہ، استنبول ترکیہ، شرقیہ، تھریس وغیرہ کے مظالم، بحر ابیض کے غیر ترکی جزائر کے رہنے والے اور یونانی سرویہ، مانٹی نیگرو، ہرسک، مجارستان، بلغاریہ، رومانیہ وغیرہ اور بحر اسود کے مکان، اہل اسلام سے پوچھیے کہ ان سفید بھیڑیوں نے کیا ظلم ڈھائے، عیسائی حسب شہادت تاریخ خونخوار بھیڑیے ہیں جن کے شواہد سے یروشلم، فلسطین، سواحل سوریا، اناطول میں خون سے بہنے والی گلیاں، اسپین، جبل الطارق، پرتگال، سسلی، مالٹا، کریٹ، مقدونیہ کے کھنڈرات دھاڑیں مار مار کر اب تک رو رہے ہیں۔ غرض اسلامی دنیا پر وہ مظالم کیے گئے کہ خود عیسوی دنیا چیخ چیخ اٹھی۔ چنانچہ 1807ء میں گیلی پولی کا بیڑہ غرق کیا۔ 1821ء میں یورپ نے یونان کو ترکوں سے بغاوت پر ابھارا۔ اسی طرح 1821ء میں یونانیوں نے شہر نادریں پر

قبضہ کیا۔ بچوں کو ماؤں کی گودوں سے چھین کر بوٹی بوٹی کر ڈالا اور قتل عام سے وبا پھیل گئی۔ 1827ء میں ابراہیم پاشا مصری پر اچانک حملہ کر کے عثمانی و مصری بیڑہ کو غرق کر کے ایک انگریز کے قتل کے افتراء میں سب جائز سمجھا گیا۔ ماسکو میں ترکی سپاہیوں کی ہڈیاں ڈھیر کی گئیں، جن کو بلغاری پتھروں سے کچلتے تھے۔ جن کے متعلق روس کا سپہ سالار لکھتا ہے کہ ایسے وحشیانہ مظالم کی مثال عالم بہیمیت میں بھی نہیں ملتی، ہندوستان کے لاکھوں بچوں کا خون، فرانس کے میدانوں، اطالیہ کے پہاڑوں، سالونیکا کے مرغزاروں، درہ دانیال کی چٹانوں، صحرائے سینا اور سوئز، سوریا کے ریگستانوں، عدن و یمن، عراق و ایران کی خندقوں اور سبزہ زاروں، مشرقی اور مغربی افریقہ کی جرمنی آبادیوں، ایشیائے کوچک وغیرہ کے برف خانوں، بحر اسود اور ابیض حتیٰ کہ بحر احمر کے سواحل میں یہ خون پانی کی طرح بہایا گیا۔ اسی طرح رولٹ کا پاس ہونا، کورٹ مارشل کا جاری ہونا، پنجاب میں رنگین مظالم کا منتشر ہونا، جلیانوالہ باغ میں مشینگنوں کا مینہ (بارش) برسانا، مساجد کا منہدم کرنا، نماز سے روک دینا، اور گزشتہ 35-36 بیرون ہند جنگوں میں کروڑوں ہندوستانیوں کا برفانی سبزہ زاروں میں میٹھی نیند سلا دینا تاریخ کی اہم روداد ہے"۔ (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام ص185)

میرٹھ چھاؤنی سے تحریک جہاد کی ابتداء

ان وجوہات کی بناء پر ہندوستان میں انگریز کے خلاف علم بغاوت بلند ہوا۔ سب سے پہلے مسلمان فوجیوں نے اس وقت میرٹھ میں بغاوت کا اعلان کیا جبکہ ان کو انگریز نے استعمال کے لیے ایسے کارتوس دیے جس پر خنزیر کی چربی چڑھی ہوئی تھی اور اس کو دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا اور ہندوؤں کو ایسے کارتوس دیے گئے کہ جن پر گائے کی چربی لگی ہوئی تھی۔ ہندو اور مسلمان فوجیوں کی بغاوت پر انگریزوں نے ان کو جیلوں میں ٹھونس دیا مگر یہ تحریک اس طرح بڑھ اٹھی کہ میرٹھ کو فتح کرنے کے بعد دہلی کو بھی مسلمانوں نے چند گھنٹوں میں فتح کر لیا اور بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو بادشاہ ہند کی حیثیت سے لا کر چھ دن کی خون ریز جنگ کے بعد دہلی میں بٹھا دیا۔ 19 مئی 1857ء کا زمانہ تھا۔ دہلی کے بعد علماء، مجاہدین اور حریت

پسندوں نے بہت جلد علی گڑھ، اٹاوہ، نصیر آباد، شاہجہاں پور، بریلی، مراد آباد، اعظم گڑھ اور الہ آباد وغیرہ علاقوں پر بہادر شاہ ظفر کا جھنڈا لہرا دیا۔ ادھر لکھنؤ میں آزادی کا جو ہنگامہ برپا ہوا وہ تو دہلی اور میرٹھ سے بھی پہلے تھا کیونکہ میرٹھ اور دہلی پر قبضہ 19 مئی 1857ء میں ہوا تھا۔ مجاہدین اسلام کے سپہ سالار مولانا احمد اللہ خان تھے گیارہ دن کی لڑائی کے بعد لکھنؤ مکمل طور پر انگریزوں سے خالی ہوگیا اور مجاہدین نے خود نظم ونسق سنبھال لیا۔ پھر تیسرا معرکہ کانپور میں ہوا اور وہاں بیس دن تک لڑائی ہوئی۔ انگریزی افواج کو شکست ہوئی مگر کچھ عرصہ بعد پھر انگریزوں نے وہاں کے لوگوں کو شکست دے دی۔

جنگ آزادی کا چوتھا مرکز جھانسی تھا۔ یہاں بھی حریت پسندوں اور مجاہدین نے زبردست جنگ لڑی اور بہت سارے فرنگیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تاہم وہاں کا سرکردہ لیڈر مارا گیا اور انگریز پھر قابض ہوگئے۔ اب ہندوستان میں آزادی وحریت کے شعلے ہر جگہ بھڑک اٹھے تھے۔ اس زمانہ کے اخبارات سے جو خبریں ترتیب وار اہل تاریخ نے جمع کی ہیں ان کی روشنی میں یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انگریز کے خلاف شاہ ولی اللہ کی تحریک 1703ء سے چل رہی تھی۔ پھر ان کے صاحب زادے شاہ عبدالعزیز کا انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ، پھر سید احمد شہید کا صوبہ سرحد پر قبضہ اور سکھوں کے خلاف جہاد اور اس کے بعد سید صاحب کے خلفاء کے کارنامے، یہ سب انگریز کے خلاف مسلسل جنگ کے واقعات ہیں جو اسی ایک تحریک کا حصہ ہیں۔ بہرحال جھانسی کے بعد مجاہدین نے بجنور پر قبضہ کرلیا اور ملا اخوان یوسف کو علاقے کا رہنما بنادیا گیا پھر شیر کوٹ بجنور اور ماڑے خان پر مجاہدین نے قبضہ کرلیا۔ شیر کوٹ پر 28 جولائی 1857ء میں پہلی جنگ ہوئی ہے اور پھر دوسری جنگ پانچ اگست کو ہوئی ہے۔ الغرض 1857ء کی جنگ آزادی کے شعلے پورے ملک میں بھڑک اٹھے تھے جس کی ابتداء میرٹھ سے ہوئی پھر دہلی فتح ہوا اور پھر مولانا عظیم اللہ خان نے اپنے رفقاء کے ساتھ کانپور میں تحریک چلائی۔ مولانا فضل حق خیر آبادی نے دہلی میں کام کیا اور جھانسی کی رانی نے قلعہ گوالیار میں تحریک چلائی۔ محمود خان نے بجنور میں

اور نواب خان بہادر خان نے بریلی میں کام کیا اور مولانا لیاقت علی خان نے الہ آباد میں اسی طرح لدھیانہ، جالندھر، لاہور اور پھلور وغیرہ علاقہ جات میں زبردست مسلح جنگ انگریز کے خلاف شروع ہوگئی۔ مولانا جعفر تھانیسری نے اس تحریک میں سردھڑ کی بازی لگائی، گرفتار ہوئے اور کالا پانی پہنچ گئے۔

پھر جنرل بخت خان دہلی میں آئے اور شہر کے نظم ونسق کو سنبھال لیا اور مجاہدین کو از سرنو منظم کیا۔ وہ فوج کے جرنیل رہ چکے تھے اور وہاں سے ملازمت چھوڑ کر جہاد میں شریک ہوئے اور پھر جہاد کا ایک فتویٰ مرتب کیا جس نے انگریزی ایوان میں آگ لگا دی

للضرب والحرب اقوام لها خلقوا
وللدواوين احساب وكتاب

لڑائی اور مار کٹائی کے لیے الگ لوگ ہیں اور دفتر اور حساب کے لیے اور لوگ ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں انگریز کے خلاف جہاد کے فتوے کا متن

شاہ عبدالعزیز کے فتوے کی روشنی میں جنرل بخت خان کی توجہ پر دہلی کے علماء جامع مسجد دہلی میں جمع ہو گئے اور انگریز کے خلاف جہاد کا ایک نیا فتویٰ مرتب کیا۔ اس فتوے پر حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے استاذ مولانا مفتی صدرالدین صاحب کے دستخط بھی ہیں۔ استفتاء کا متن اور جواب ملاحظہ ہو:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دلی پر چڑھ آئے ہیں اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں اس صورت میں اب شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں اور لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں ان کو بھی جہاد چاہیے یا نہیں۔ بیان کرو، اللہ تم کو جزائے خیر دے۔

جواب

در صورت مرقومہ فرض عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے اس فرضیت کے واسطے۔ چنانچہ اس شہر والوں کو طاقت مقابلہ اور لڑائی کی ہے بسبب کثرت

اجتماع افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے آلات حرب کے تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا؟ اور اطراف وحوالی کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خیر کے فرض کفایہ ہے۔ ہاں اگر اس شہر (دہلی) کے لوگ باہر ہو جائیں مقابلے سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں ان پر بھی فرض ہو جائے گا اور اس طرح اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرقاً غرباً فرض عین ہوگا اور جو دشمن ان بستیوں پر ہجوم اور قتل وغارت کا ارادہ کرے تو اس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائے گا بشرط ان کی طاقت کے۔

فقط (العبد المجیب احقر نور جمال عفی عنہ)

انگریز کے خلاف جہاد فرض ہونے کے اس فتوے پر علماء کے دستخط موجود ہیں اور اس وقت کے اخبارات نے اس کو شائع بھی کیا تھا جس سے جگہ جگہ انگریز کے خلاف مسلح جنگ کا آغاز ہوا، جس کو 1857ء کی جنگ آزادی کا نام دیا گیا اور جس میں ہر طبقہ کے لوگوں نے حصہ لیا۔ البتہ بنیادی کردار علماء حق، علماء دیوبند نے ادا کیا تھا جس سے مجبور ہو کر انگریز نے برصغیر سے اپنا بوریا بستر باندھ کر واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت مسٹر محمد علی جناح صاحب پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کیونکہ جنگ آزادی 1857ء میں لڑی گئی اور محمد علی جناح صاحب 1876ء میں انیس سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ انگریز گورنمنٹ کے خلاف شاہ عبدالعزیز نے ایک عربی قصیدہ بھی پڑھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے

وانی اری الافرنج اصحاب ثروۃ

لقد افسدوا مابین دھلی و کابل

میں آج مالدار فرنگیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ انہوں نے دہلی سے لے کر کابل تک فساد ڈال رکھا ہے۔

گاہ گاہ بازخواں این دفتر پارینہ را

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اگر سینہ کے زخم کو تازہ رکھنا چاہتے ہو تو کبھی کبھی یہ پرانے واقعات پڑھا کرو۔

علماء دیو بند جہاد کے میدان میں

جس طرح پورے ہندوستان میں آزادی کے شعلے بھڑک رہے تھے اور مسلح جنگ شروع ہو چکی تھی اور انگریز کو اس ملک میں پناہ کی جگہ تلاش کرنے میں دقت پیش آرہی تھی اس وقت ضلع سہارنپور اور ضلع مظفر اور تھانہ بھون اس تحریک میں پیش پیش تھے۔ تھانہ بھون کا سارا انتظام مسلمانوں نے حضرت حاجی امداد اللہ کے سپرد کیا تھا۔ آپ نے تھانہ بون کے تمام علاقوں میں شرعی قوانین کے نفاذ کا اعلان کیا اور خود شرعی قاضی کی حیثیت سے معاملات نمٹانے لگے اور تھانہ بھون پر ایک اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ اس کو سنبھالنے کے لیے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے تعاون کے لیے حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ اپنے حلقۂ ارادت کے ساتھ تھانہ بھون ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے باطل قوتوں کے مقابلے کے لیے پیدا فرمایا تھا اور ان کو شجاعت و بہادری کے زیور سے آراستہ فرمایا تھا۔ تذکرۃ الرشید میں ان حضرات کے بارے میں لکھا ہے:

ان ایام (ہنگامہ و جنگ) میں آپ کو ان مفسدوں سے مقابلہ بھی کرنا پڑا جو غول کے غول پھرتے تھے۔ حفاظت جان کے لیے تلوار البتہ پاس رکھتے تھے اور گولیوں کی بوچھاڑ میں بہادر شیر کی طرح نکلے چلے آتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید ص 74)

علامہ پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی صاحب انوار قاسمی میں لکھتے ہیں:

صاف ظاہر ہے کہ جہاد حریت کا مرکز حضرت حاجی صاحب کی وجہ سے تھانہ بھون بنادیا گیا تھا اور آس پاس کے قصبات مثلاً نانوتہ، گنگوہ، شاملی، ضلع مظفر نگر، کاندھلہ اور کیرانہ کے لوگوں سے رابطہ تھا اور جہاد کی تیاری ہو رہی تھی۔ صاف اور یقینی طور پر معلوم ہوا کہ مولانا محمد قاسم صاحب، مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب، حافظ ضامن صاحب، مولانا محمد مظہر صاحب اور مولانا محمد منیر صاحب کی مختصر جماعت لوگوں کو جہاد کے لیے تیار کرنے کے لیے اطراف و جوانب کے قصبات میں پھر رہی تھی۔ خلاصہ یہ کہ اس قافلہ جہاد کے سرخیل

اور روح رواں حضرت نانوتوی تھے۔ آپ کی تدبیروں اور عالمی جرأت کا نتیجہ تھا کہ دنیا نے ایسی تاریخ بھی پڑھی کہ مٹھی بھر علماء اور مشائخِ حدیث نے انگریز ظالم کی باقاعدہ فوج کو کئی میدانوں میں شکست سے دوچار کیا۔ آپ کی جرأت وشجاعت، اسلحہ کی تربیت اور نشانہ بازی مشہور تھی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی فرماتے ہیں کہ سب لوگ گھبراتے تھے لیکن ہم نے کبھی مولانا محمد قاسم صاحب کو گھبراتے نہ دیکھا۔ چند بار مفسدوں سے نوبت مقابلے کی آگئی، اللہ رے مولوی صاحب ایسے ثابت قدم کہ تلوار ہاتھ میں اور بندوقچیوں کا مقابلہ فرمارہے تھے۔ (سوانح قاسمی ص 17)

جہاد کی ابتداء اور تھانہ بھون سے باغ شیر علی کی سڑک پر حملہ

انگریز کے خلاف ہندوستان کے عمومی حالات دھماکہ خیز ہو چکے تھے اور مختلف اضلاع اور قصبات اور شہروں میں انگریز پر حملوں کی ابتداء ہو چکی تھی۔ ابھی تیاریاں عروج پر تھیں اور جہاد کا میدان گرم ہونے والا تھا کہ سہارنپور میں قاضی عنایت علی خان کے چھوٹے بھائی قاضی عبدالرحیم کو جو کسی کام سے سہارنپور گئے تھے انگریزوں نے پکڑ لیا اور پھر پھانسی پر لٹکا دیا۔ اس واقعہ سے ہندوستان اور بالخصوص تھانہ بھون اور شاملی میں انتہائی اشتعال پھیل گیا۔ اب دعوت جہاد اور طریق کار کے لیے مشورے ہونے لگے۔ پروفیسر شیر کوٹی لکھتے ہیں، قاضی عبدالرحیم کی شہادت کی خبر رات ہی کو تھانہ بھون پہنچی تھی۔ قاضی عنایت علی خان بھائی کی اس ناگہانی وفات کے صدمے سے حواس باختہ ہو گئے۔ تمام احباب واعزہ کے دلوں پر رنج وغم کی گھٹائیں چھا گئیں۔ قصبہ بھر میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ تمام مجاہدین حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فوراً حملے کی اجازت طلب کی (انوار قاسمی ص 279)

اس اشتعال کے پیش نظر علماء حق نے ایک مجلس مشاورت بلائی جس میں حضرت امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد ضامن شہید، مولانا شیخ محمد محدث اور قاضی عنایت علی شریک ہوئے اور قافلے کے سرخیل مولانا محمد قاسم نانوتوی جنگ کے اہم

محاذ کو سنبھالنے کے لیے میدان میں اتر آئے۔

ادھر مولانا محمد تھانوی صاحب کو اس جہاد میں ایک اشکال یہ تھا کہ طاقت کا توازن برابر نہیں یعنی اسلحہ نہیں۔ ان کو حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے یہ جواب دیا کہ اہل بدر کے پاس جو اسلحہ تھا۔ اتنا بھی ہمارے پاس نہیں ہے؟ وہ خاموش رہے۔ ان کا دوسرا اشکال یہ تھا کہ امیر نہیں بغیر امیر کے جہاد کیسے ہوگا؟ حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ امیر بنانے میں کیا دیر لگتی ہے حضرت مرشد حاجی صاحب موجود ہیں، انہی کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی جائے۔ یہ سن کر شیخ محمد نے فرمایا بس مولانا! بات سمجھ میں آ گئی۔ یہاں اس مشاورت میں یہ فیصلہ ہو گیا کہ انگریز پر حملہ کرنا چاہیے۔ بعض حضرات نے انگریز کے عام مقامات پر حملے کی تجویز دی مگر حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ اسلحہ ڈپو پر حملہ کریں گے، اگر ہاتھ آ گیا تو سارا اسلحہ مل جائے گا۔

والدین سے اجازت اور حملہ

جب حملے کی تجویز پاس ہوگئی تو حضرت قاسم نانوتوی نے اپنی والدہ سے فرمایا کہ امی جان! جہاد فرض ہو چکا ہے۔ اگر آپ مجھے خوشی سے جانے کی اجازت دو گی تو ثواب میں آپ کا حصہ بھی ہو جائے گا۔ والدہ نے کہا، بیٹے! تم اللہ کا مال ہو۔ میں خوشی سے تم کو اللہ کے سپرد کرتی ہوں، اگر تم زندہ آ گئے تو میں تم سے مل لوں گی نہیں تو آخرت میں ان شاء اللہ جلد ملنا ہوگا۔ اس کے بعد حضرت نے والد صاحب سے اجازت حاصل کی اور شیر علی کے باغ کی سڑک پر حملے کے لیے سب تیار ہو گئے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں:

"خبر آئی کہ توپ خانہ سہارنپور سے شاملی کو بھیجا گیا ہے۔ ایک پلٹن اسے لا رہی ہے اور رات کو یہاں سے گزرے گی۔ اس خبر سے لوگوں میں تشویش ہوئی کیونکہ جو ہتھیار ان مجاہدین کے پاس تھے وہ تلوار، بندوق اور برچھے وغیرہ تھے، مگر توپ کسی کے پاس نہ تھی، توپ خانے کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا؟

حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ فکر مت کرو۔ یہ سڑک ایک باغ کے کنارے سے گزرتی

تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی صاحب نے افسر مقرر فرمایا تھا۔ آپ اپنے تمام ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے اور سب کو حکم کیا کہ پہلے سے پوزیشن سنبھال کر تیار رہو۔ جب میں حکم کروں تو سب کے سب ایک دم فائر کھول دینا۔ چنانچہ جب انگریز پلٹن مع توپ خانے کے سامنے سے گزری تو سب نے ایک دم فائر کیا۔ انگریز پلٹن گھبرا گئی کہ خدا جانے کس قدر آدمی ہوں گے جو یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ انگریز توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہی نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ اس سے لوگوں میں ان حضرات کی فراست و ذکاوت، فنون حربیہ کی مہارت، معاملہ فہمی اور ہر قسم کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔

(نقش حیات جلد دوم ص 44)

اس فتح پر اس زمانہ میں اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں کوہستان اخبار نے اس توپ کی تصویر بھی چھاپ دی جو اس معرکہ میں علماء دیوبند کے ہاتھ لگا تھا۔ سرخی اس طرح لگی تھی: ''شاملی کے مجاہدین انگریزی لشکر کے توپ خانہ پر فتح یاب ہوئے۔ غازیان دین کی مختصر جمعیت نے الحاج مولانا رشید احمد گنگوہی کے حسن تدبیر سے دشمنوں کی توپیں چھین لیں۔ اخبار کوہستان 1964ء۔

باغ شیر علی کی سڑک پر کامیاب حملہ میں اکابر علماء دیوبند کی شرکت کے ساتھ ساتھ قاضی عنایت علی خان نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ چنانچہ ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''جہاد کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ قاضی عنایت علی خان نے اپنے چند آدمیوں کی ہمراہی میں انگریزوں کا وہ اسلحہ اور کارتوس جو بیگوں میں سہارنپور سے کیرانہ لے جارہے تھے چھین لیے۔ انگریز افسر جو ساتھ تھے مقابلے میں آکر مارے گئے۔ سہارنپور اور مظفرنگر کے حکام کو اس سانحہ کی اطلاع ملی تو وہ بدلہ لینے کے لیے موقع کے منتظر رہے۔ (مقدمہ ص 15)

اکابر دیوبند شاملی کے میدان میں

شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تھانہ بھون کے علماء کی مجلس مشاورت اور پھر

شاملی کے میدان میں معرکہ حق و باطل کے لیے تشکیل کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے نہایت ادب سے مولانا شیخ محمد صاحب سے پوچھا کہ حضرت! کیا وجہ ہے کہ آپ دشمنان دین ووطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں اور ہم بالکل بے سروسامان ہیں۔ مولانا قاسم نانوتوی نے عرض کیا کہ کیا اتنا بھی سامان نہیں جتنا کہ غزوہ بدر میں تھا۔ اس پر مولانا شیخ محمد صاحب نے سکوت فرمایا۔ اس پر حافظ ضامن صاحب نے فرمایا کہ مولانا بس میں سمجھ گیا اور پھر جہاد کی تیار شروع کردی اور اعلان کر دیا گیا۔ حضرت حاجی امداداللہ صاحب کو امام مقرر کیا گیا اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا اور حافظ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کو قاضی بنا دیا گیا اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی اور حضرت محمد ضامن صاحب کو میمنہ اور میسرہ کا افسر قرار دیا گیا۔ (نقش حیات ج2 ص42)

شاملی کے میدان کارزار کے متعلق عشرت رحمانی صاحب اپنے مضمون میں اس طرح رقم طراز ہیں: اسی دن (باغ شیر علی کی سڑک پر حملہ کرنے اور فتح کے بعد) مجاہدین کو معلوم ہوا کہ کلکڑ اسپنکی معائنہ کی غرض سے شاملی آیا ہوا ہے۔ مجاہدین کی نظر میں یہ ظالم صرف قاضی عبدالرحیم کا قاتل ہی نہیں تھا بلکہ تحریک آزادی کا دشمن بھی تھا اس لیے وہ اس تاک میں تھے کہ کسی طرح اس سے انتقام لینے اور مزا چکھانے کا موقع ملے۔ چنانچہ شاملی میں اس کے قیام کا پتا چلتے ہی مجاہدین کا لشکر دیوانہ وار کوچ کرتا ہوا شاملی پہنچ گیا۔ اس لشکر کے سربراہ حضرت حافظ ضامن علی صاحب تھے اور ان کے ساتھ دوسرے اکابر علماء بھی موجود تھے۔ خود قاضی عنایت علی خان بھی ایک دستے کی قیادت کر رہے تھے۔ جس وقت لشکر کے شاملی پہنچنے کی اطلاع حکام (انگریز) کو ملی تو فوراً مسلح دستے اور انگریزی فوج مقابلے کے لیے بلائی گئی اور طرفین میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔

مجاہدین کا جوش وخروش ناقابل بیان تھا۔ بھاری جنگ کے بعد انگریزی فوج کو راہ فرار

اختیار کرنی پڑی اور وہ تحصیل کی عمارت میں محصور ہو کر رہ گئی۔ یہ عمارت اس قدر مضبوط تھی کہ ایک مستحکم قلعہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ دروازہ بند کر کے فوج اور پولیس دیواروں کے اوپر سے مجاہدین پر گولیاں برساتے رہے جو کھلے میدان میں صف آراء تھے اور گولیوں سے حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا۔ انگریزی دستے عمارت کے اندر دیواروں کی پناہ میں چھپے ہوئے گولیاں چلا رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجاہدین کا شدید جانی نقصان ہوا مگر عزم و ہمت سے میدان میں گولیوں کی بارش کھلے سروں پر برداشت کر رہے تھے اور استقامت کا یہ عالم تھا کہ دو دن تک اس جنگ کو برابر اسی طرح جاری رکھا۔ تیسرے روز قائد لشکر حافظ ضامن علی صاحب نے آگے بڑھ کر تن تنہا تحصیل کے مضبوط اور مستحکم پھاٹک پر ایسا حملہ کیا کہ دروازہ ٹوٹ گیا۔ مجاہدین اور لشکر کفار نے گولیوں کی بوچھاڑ کرنا شروع کر دی۔ طرفین کے سینکڑوں آدمی زخمی اور ہلاک ہوئے اور انگریزی فوج کی گولیوں کی پروانہ کر کے حافظ محمد ضامن شہید نے سینہ سپر ہو کر فاتحانہ پیش قدمی میں جام شہادت نوش فرمایا۔ مجاہدین میں اس سے اور بھی جوش عمل بڑھا اور دشمن کے ٹڈی دل لشکر کو کچلتے ہوئے تحصیل کے اندر گھس گئے اور فتح پائی۔ (بحوالہ اخبار کوہستان لاہور 8 ستمبر 1968ء)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا کارنامہ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اپنے جہادی مقالے میں واقعہ کا نقشہ کچھ اس طرح پیش فرماتے ہیں:

تحصیل کے دروازے کے قریب چھپر کی ایک کٹیا تھی جو غالباً نگران سپاہیوں کے سایہ کے لیے بنائی گئی تھی۔ حضرت نانوتوی نے پھرتی سے بڑھ کر اس چھپر یا کو اپنی جگہ سے جلد جلد اکھاڑ کر اسے تحصیل کے دروازے سے ملا دیا اور اس میں آگ لگا دی۔ آگ کا لگنا تھا کہ تحصیل کے پھاٹک کے کواڑ بھی جل اٹھے اور بند دروازہ مجاہدین کے لیے خود بخود کھل گیا۔ مجاہدین یلغار کرتے ہوئے تحصیل کے اندر گھس گئے اور قلعہ بند فوج سے دست بدست جنگ ہونے لگی۔ جنگ کا پانسہ مجاہدین کے حق میں پلٹ آیا اور انگریزی فوج کو

شکست ہوگئی اور تحصیل شاملی پر مجاہدین کا قبضہ ہوگیا۔ حافظ ضامن صاحب کو تحصیل کے باہر اور اندر مجاہدین کی نگرانی اور کمانڈ کے باعث آنے جانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اسی اثناء میں جبکہ وہ باہر تحصیل کی طرف منہ کیے ہوئے کھڑے جائزہ لے رہے تھے اچانک دشمن کی طرف سے گولی آئی اور آپ کے ناف پر لگی۔ شاملی کا یہ معرکہ 12 ستمبر سے 14 ستمبر 1857ء تک مسلسل تین دن جاری رہا اور پھر انگریز نے شکست کھالی۔

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر
ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ مغرب سے درگزر؟؟

حضرت حافظ محمد ضامن شہید

حضرت حافظ محمد ضامن صاحب جنگ شاملی میں افواج اسلامی کے سپہ سالار تھے۔ آپ کو میدان میں جانے سے پہلے ہی شہادت کا کشف غالباً ہو چکا تھا۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ دیکھو حوریں پیالے لیے ہوئے مکانوں کی منڈیروں پر کھڑی ہیں۔ جس کا جی چاہے لے لے۔

اسی طرح شہادت سے آٹھ دن پہلے آپ نے ایک خط بنام حکیم ضیاء الدین لکھا۔ اس خط میں شہادت کی طرف اشارہ موجود ہے فرمایا بعد سلام واضح ہو کہ تمہاری تحریر کے موافق دل میرا متمنی ملاقات ہے۔ ایسا نہ ہو کہ توقف میں حسرت ملاقات کی دل میں رہ جائے، عاقل کو اشارہ کافی ہے۔ چونکہ آپ کو شہادت کا کشف ہوگیا تھا اس لیے آپ نے عیدین کی

طرح ہر قسم کی تیاری کر لی تھی۔

شہادت کی تیاری

حکیم صاحب لکھتے ہیں کہ جس وقت ارادہ معرکے کا کیا تو غسل فرمایا۔ سب سے نیا لباس زیب تن کیا اور یہ لباس قریباً ایک سال سے رکھا ہوا تھا جو آج کام آیا، نعلین شریفین کچھ بوسیدہ نہ تھیں مگر وہ نئی منگوا کر زیب تن کیں۔ سامان لباس میں اتنا اہتمام کیا کہ خوشبو مل لی۔ عمدہ سرمہ لگالیا، دستار پیچدار منگوا کر پگڑی باندھ لی اور سپاہیانہ وضع بنا کر دولہا بن کر شمشیر بے نیام ہاتھ میں لے کر جنگی جھنڈا لہراتے ہوئے شاملی کے میدان میں اپنے رب کے لیے سر کٹانے کی غرض سے دوڑ دوڑ کر آئے اور سر کٹا کر جلدی جلدی فارغ ہو گئے اور حق زندگی ادا کیا، کسی نے سچ کہا ہے

جو پاس تھا وہ سب لٹا ہی دیا
حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہی کیا

وصیت

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ تذکرۃ الرشید ص 75 میں لکھتے ہیں کہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو اسی گھمسان کی جنگ کے دوران اپنے پاس بلا لیا اور فرمایا میاں رشید! جب میرا دم نکلے تو تم میرے پاس ضرور ہونا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ حافظ صاحب ایک دم سے زمین پر گر گئے۔ معلوم ہوا کہ گولی کاری لگی اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہو گیا۔ حافظ صاحب کا زمین پر گرنا تھا کہ حضرت گنگوہی نے لپک کر تڑپتی لاش کو کندھوں پر اٹھا لیا اور قریب کی مسجد میں لے آئے اور حضرت کا سر اپنے زانو پر رکھ کر تلاوت کلام اللہ شروع کی یہاں تک کہ حافظ صاحب کا حضرت گنگوہی کی گود ہی میں انتقال ہو گیا اور پھر تھانہ بھون لائے گئے اور وہیں دفنائے گئے۔ جب حضرت حافظ صاحب شہید ہو گئے تو اسی دن انگریزوں کا دوبارہ دہلی پر قبضہ ہو گیا اور حافظ صاحب کے شہید ہونے سے شاملی کا جیتا ہوا میدان پھر ہاتھ سے نکل گیا اور علماء حق کی یہ تحریک یہیں پر

آ کر موقوف ہوگئی۔ یہ نا کامی یا شکست نہیں بلکہ غازیان اسلام اپنے ایک مقصود تک پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی منزل ان حضرات کا آخری ہدف تھی جس کے حصول کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنا مطلب حاصل کرلیا۔ یہی صورت جنگ بالاکوٹ میں سیدین شہیدین کے ساتھ پیش آئی اور یہی صورت میدان شاملی میں سامنے آئی۔

جب دہلی پر دوبارہ انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو ان کو بڑا حوصلہ ملا۔ ادھر انگریزوں نے ضلع مظفرنگر کے قلعے پر بھی قبضہ کرلیا، اس اس کے بعد انگریز فوج کئی اطراف سے اکٹھی ہوگئی اور انہوں نے تھانہ بھون پر کئی حملے کیے 16 ستمبر 1857ء کے بعد کا واقعہ ہے کہ لیفٹیننٹ جنرل کوئیلر کی ماتحتی میں سکھوں اور گھورکوں کی ایک بڑی جمعیت نے تھانہ بھون پر حملہ کیا۔ انگریز فوج جونہی تھانہ بھون کے اندر داخل ہوگئی تو مجاہدین نے ان پر ہلہ بول دیا اور ان کو بری طرح مار بھگایا۔ سترہ فرنگی مردار ہوگئے اور بہت سارے زخمی بھاگ گئے جس سے ان کو بڑی پریشانی ہوئی، مگر انگریز ظالم نے ستمبر کے آخر میں دوبارہ تھانہ بھون پر حملہ کردیا اور مکمل طور پر اس پر قابض ہوگیا۔ تھانہ بھون پر کل چار حملے ہوئے تھے جن کی تفصیل اس طرح ہے:

(1) پہلے حملے میں انگریز کے ایک ہزار سپاہی اور چھ توپیں تھیں۔ تھانہ بھون کے راستے میں مجاہدین نے اس لشکر کو بری طرح شکست دے دی۔

(2) دوسرے حملے میں انگریز کی دو ہزار فوج تھی اور چھ توپیں تھیں۔ مجاہدین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور تمام توپوں کو ناکارہ بنا کر فوج کو دوبارہ شکست فاش دے دی۔

(3) تیسرا حملہ زیادہ سخت تھا۔ اس میں انگریز کا چھ ہزار کا لشکر تھا اور پورا توپ خانہ ساتھ تھا۔ گولہ بارود کا ذخیرہ لایا گیا تھا۔ یہ لشکر آگے بڑھتا ہوا حوض ولی مسجد تک پہنچ گیا لیکن قاضی عنایت علی خان نے نہایت جرأت اور بہادری سے مقابلہ کیا اور اس دفعہ بھی انگریز فوج کو شکست ہوگئی اور دور تک مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا۔

(4) چوتھا حملہ انگریز نے نہایت غضب ناک انداز سے اس وقت کیا جبکہ ان کو

تیسرے حملے میں شکست ہوگئی تھی۔اس مرتبہ ان نامرادوں نے مٹھی بھر مجاہدین کے مقابلے کے لیے 12 ہزار اور ایک روایت کے مطابق 24 ہزار لشکر بدتمیزی کو اکٹھا کیا اور تھانہ بھون پر ڈال دیا۔ اسلحہ اور توپ خانہ سے لیس یہ لشکر جب آگے بڑھا تو مجاہدین اس کو نہ روک سکے اور مجبور ہوکر ان کو میدان چھوڑنا پڑا اور جس کو جہاں موقع ملا وہاں چلا گیا۔ حضرت مولانا امداد اللہ رحمہ اللہ نے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہیں انتقال کر گئے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تین دن تک روپوش رہے۔ الغرض میدان رزم و بزم یہیں پر موقوف ہوگیا اور چونکہ مجاہدین کی پشت پر کوئی ایسی مرکزی اسلامی حکومت نہیں تھی جو شکست کے بعد نئی کمک میدان میں بھیج دے۔ اس لیے عموماً ایسی تحریکیں ایک مقام تک پہنچ کر موقوف ہو جاتی ہیں مگر ان کے تسلسل میں انقطاع نہیں آتا بلکہ کچھ وقت کے بعد یہ قافلہ اپنی اگلی منزل کی طرف چل پڑتا ہے۔ چنانچہ تحریک خلافت اور تحریک شیخ الہند اور تحریک ریشمی رومال اسی تسلسل اور اسی زنجیر کی آخری کڑیاں ہیں۔

تحریک شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

تحریک شیخ الہند، تحریک خلافت اور تحریک ریشمی رومال برصغیر پر انگریز کے قبضے کے خلاف ان اہم اور مشہور انقلابی تحریکوں میں سے تھی جو بیک وقت سیاسی بھی تھی اور مسلح انقلابی بھی تھی۔ اس کو سمجھنے کے لیے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے مگر میں مختصر اشارے کروں گا۔ امید ہے قارئین اصل مقاصد کو سمجھ جائیں گے۔ شیخ الہند کی تحریک سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ترکی خلیفہ کے نمائندے اور گورنر غالب پاشا کی اس تحریر اور پیغام کو سمجھنا چاہیے جو پیغام آپ نے مسلمانوں کے نام حجاز مقدس سے جاری کیا تھا اور دنیا کے مسلمانوں کو تحریک شیخ الہند کی طرف متوجہ کیا تھا۔

غالب پاشا کا پیغام

فرمایا: یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ (فرنگیوں کی) جنگ گزشتہ ایک سال سے ترکی کی اسلامی حکومت کا رخ کیے ہوئے ہے۔ روس، فرانس اور انگریز دشمنان اسلام خلافت عثمانیہ

پر بری و بحری حملے کر رہے ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین نے محض اللہ تعالیٰ کی نصرت اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوت کے بھروسہ پر جہاد مقدس کا اعلان کر دیا ہے۔ جس کے جواب میں ایشیا، یورپ اور افریقہ کے مسلمانوں نے لبیک کہا اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان جنگ میں کود پڑے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ترکی کی فوج اور مجاہدین کی تعداد دشمنان اسلام کے تعداد سے بڑھ گئی ہے اور انہوں نے دشمنوں کی قوت کو مادی اور اخلاقی طور پر کمزور کر دیا ہے۔ چنانچہ روسی افواج کا ایک بڑا حصہ قفقاز میں تباہ کر دیا گیا ہے اور ایک لاکھ برطانوی اور فرانسیسی فوج اور ان کے جنگی جہاز درۂ دانیال اور دوسرے مقامات پر برباد کر دیے گئے ہے۔ ترکوں، جرمنوں اور آسٹریلیوں نے مشرق میں روسیوں کو اور مغرب میں فرانسیسیوں وغیرہ کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ ایک تہائی علاقے اور لاکھوں رائفلوں، بندوقوں اور دوسرے سامان جنگ پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور ہزاروں فوجیوں کو قیدی بنا لیا گیا ہے۔ اب بلغاریہ بھی مرکزی (ترکی) قوتوں کے ساتھ شریک ہو کر جنگ میں شامل ہو گیا اور اس نے سربیا کے علاقہ کے اندر تک گھس کر لوگوں کو شکست فاش دے دی ہے۔ اس لیے میرا یہ پیغام میرے سلام کے ساتھ ان مسلمانوں کو پہنچایا جائے جو ان حکومتوں کی غلامی میں ہیں کہ وہ (حکومتیں) اب مکمل شکست کھا چکی ہیں اور اب بالکل لاچار و بے یار و مددگار ہیں اور اب مسلمانوں کے سامنے جس قوت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے وہ محض خیالی ہے۔

اے مسلمانو! آج تمہاری نجات کا دن ہے۔ اس لیے اب اپنی ذلت و خواری اور اپنی غلامی پر راضی و قانع نہ رہو۔ بلاشبہ آزادی، کامیابی اور فتح و نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور متحد ہو کر اپنے اندر تنظیم و اتحاد پیدا کرو۔ اپنی صفوں کو درست کرو اور اپنے آپ کو ان چیزوں سے لیس کرو جو تمہارے لیے ضروری اور کافی ہوں اور پھر اس ظالم و جابر عیسائی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہو، جس کی غلامی کا کمزور طوق تمہاری گردنوں میں پڑا ہوا ہے۔ اس زنجیر غلامی کو اپنے مذہب کی طاقت اور دین کی تیز

دھار سے کاٹ ڈالو۔ اس طرح اپنے وجود اور انسانی آزادی کے حقوق کو حاصل کرلو۔ ہم ان شاء اللہ عنقریب مکمل فتح اور کامیابی کے بعد معاہدے کریں گے تو تمہارے حقوق کی پوری طرح حفاظت اور مدافعت کریں گے۔ اس لیے اب جلدی کرو اور پختہ عزم وارادہ کے ساتھ دشمن کا گلا گھونٹ کر اسے موت کے منہ میں پہنچا دو اس سے نفرت ودشمنی کا مظاہرہ کرو۔ ہم تمہاری طرف بھروسہ اور اعتماد کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے یہ اچھا موقع ہاتھ سے نہ جانے دو، بددل وبزدل نہ بنو اور خداوند بزرگ وبرتر سے دلی مراد پوری ہونے کی امید رکھو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا محمود حسن صاحب جو پہلے دیوبند کے مدرسہ ہندوستان میں تھے ہمارے پاس آئے اور ہم سے مشورہ طلب کیا۔ ہم اس بارے میں ان سے متفق ہیں اور ہم نے ان کو ضروری ہدایات دے دی ہیں، ان پر اعتماد کرو۔ اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو روپیہ سے، آدمیوں سے اور جس چیز کی انہیں ضرورت ہو اس چیز سے ان کی مدد کرو۔ فقط والسلام...... غالب پاشا والئی حجاز

تحریک شیخ الہند سے متعلق سید حسین احمد مدنی کی ایک تحریر

شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنی کی ایک طویل تحریر ہے جو نقش حیات کا ایک حصہ ہے۔ اس کو سمجھنے سے آدمی بہت آسانی سے تحریک شیخ الہند کے ابتدائی حالات اور اغراض ومقاصد سمجھ لیتا ہے۔ وہ تحریر ملاحظہ کرتے ہیں:

اس تحریک کی ابتداء میں ضروری سمجھا گیا کہ چونکہ بغیر تشدد کے ہندوستان سے انگریزوں کا نکالنا اور وطن عزیز کو آزاد کرانا ممکن نہیں ہے اور اس طرح کے انقلاب کے لیے محفوظ مرکز اور مرکز کے علاوہ اسلحہ اور سپاہی (مجاہدین) وغیرہ ضروری ہیں۔ بنابریں مرکز یاغستان (آزاد قبائل) قرار دیا گیا کہ وہاں اسلحہ اور جانباز سپاہیوں کا انتظام ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ چونکہ آزاد قبائل کے نوجوان ہمیشہ جہاد کرتے رہتے ہیں اور قوی ہیکل اور جانباز ہوتے ہیں اس لیے ان کو متفق اور متحد کرنا اور ان میں جہاد کی روح پھونکنا بھی ضروری تصور کیا گیا اور انہی سے کامیابی کی امید قائم کی گئی۔ اس بناء پر ضروری سمجھا گیا کہ مندرجہ

ذیل امور عمل میں لائے جائیں:

(1) ان علاقوں کے باشندوں سے آپس کے تنازعات قدیمہ اور قبائلی دشمنیوں کو مٹایا جائے اور ان میں اتحاد پیدا کیا جائے۔

(2) ان میں جوش جہاد اور آزادی کی تڑپ پیدا کی جائے۔

(3) حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت مجاہدین کو جو ''ستھانہ'' اور ''چمرقند'' میں ہیں دوبارہ منظّم ومتحد کیا جائے۔

چنانچہ اس مہم پر مولانا سیف الرحمٰن صاحب کو دہلی سے اور مولانا فضل ربی اور مولانا فضل محمود کو پشاور سے معہ مولانا محمد اکبر صاحب بھیجا گیا۔ ادھر ان علاقوں میں شیخ الہند رحمہ اللہ کے بہت سارے شاگرد بھی تھے۔ ان حضرات نے گاؤں گاؤں اور قبیلہ قبیلہ پھر کر تحریک کے لیے زمین ہموار کی اور کچھ عرصہ میں الحمدللہ بڑی حد تک کامیابی نظر آنے لگی۔ انہی مقاصد کے لیے بار بار حاجی ترنگ زئی صاحب سے استدعا کی گئی کہ وہ اپنے وطن کو چھوڑیں اور انگریزی حدود سے باہر جا کر ان مقاصد کے لیے کوشش کریں۔ حاجی صاحب کو خود چند مجبوریاں درپیش تھیں جن کو حل کرنے کے خیال سے وہ تاخیر فرما رہے تھے کہ (اچانک) عمومی جنگ چھڑ گئی اور ترک بھی مجبور کر دیے گئے کہ وہ بھی جنگ کا اعلان کریں۔ ان کے دو جنگی جہاز جنہیں کروڑوں اشرفیاں خرچ کر کے انگلستان میں بنوایا گیا تھا انگریزوں نے ضبط کر لیے اور اسی طرح دیگر غیر منصفانہ معاملات ان سے کیے گئے جن کے پیش نظر مجبوراً وہ جنگ میں گھسیٹے گئے۔ بہر حال ترکی حکومت نے مجبور ہو کر اعلان جنگ کر دیا۔ اعلان ہوتے ہی ان پر تقریباً آٹھ محاذوں سے حملہ کیا گیا۔ انگریزوں نے عراق، بصرہ، عدن، سویز اور چناق قلعہ پر حملہ کر دیا اور اسی طرح روس نے تین چار محاذوں سے حملہ کر دیا۔ اس ہمہ گیر یورش سے مسلمانوں میں جس قدر بے چینی پھیل جاتی کم ہوتی۔ اس لیے حضرت شیخ الہند نے حاجی ترنگ زئی صاحب کو مطلع کیا اور ضروری تاکید کی وہ یاغستان چلے جائیں اور ضروری کارروائی عمل میں لائیں۔ شیخ الہند نے اسی طرح مرکز یاغستان چلے

جائیں اور اس کے کارکنوں کو ایک خط بھی لکھا۔

چنانچہ جب حاجی ترنگ زئی وہاں پہنچے تو مجاہدین کا جمگھٹا شمار سے زیادہ اکٹھا ہو گیا اور سید احمد شہید کے مجاہدین بھی ساتھ شامل ہو گئے۔ بالآخر کچھ عرصہ کے بعد جنگ ان علاقوں میں چھڑ گئی اور بفضلہٖ تعالیٰ مجاہدین کو غیر متوقع کامیابیاں ہونے لگیں۔ انگریزوں کو بے حد جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا اور وہ اپنے پرانے مقامات تک واپس پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ سرحد کے ان قبائلی حملوں اور مقابلوں کی توڑ کے لیے اب انگریزوں نے نئی پالیسی وضع کی، جس کے چند دفعات یہ ہیں:

☆ نوجوانوں کو اطراف ہندوستان سے جمع کر کے بڑی مقدار میں صوبہ سرحد بھیجنا۔

☆ عوام میں یہ پروپیگنڈا کرنا کہ یہ جہاد نہیں ہے اور جہاد بغیر بادشاہ کے نہیں ہوتا۔ بادشاہ کے بغیر جہاد حرام ہے۔

☆ پانی کی طرح پیسہ خرچ کرنا اور اپنے لوگوں کو قبائل کے سرداروں کے پاس بھیجنا اور بے شمار مال اور زر دے کر ان کو جماعت مجاہدین اور حاجی صاحب ترنگ زئی سے توڑنا۔

☆ عوام میں یہ تبلیغ کرنا کہ مسلمانان سرحد اور افغانوں کے بادشاہ امیر حبیب اللہ خان والئی افغانستان ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے بیعت جہاد کرنا چاہیے اور اس وقت تک انتظار کرنا ضروری ہے جب تک کہ وہ جہاد کا علم بلند نہ کریں۔

☆ اس وقت مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ کاغذوں پر بیعت جہاد کر کے دستخط کریں اور امیر کابل کے نائب السلطنت سردار نصر اللہ خان کے دفتر میں یہ کاغذات بھیجیں۔

☆ امیر حبیب اللہ خان کو مختلف وعدوں کے سبز باغ دکھا کر اور بے شمار اموال زر و نقد روپیہ دے کر اپنی طرف مائل کرنا اور جہاد کے لیے کھڑے ہونے سے روکنا اور یہ وعدہ کرنا کہ اس جنگ سے فارغ ہو کر تمہارے لیے فلاں فلاں وعدے پورے کر دیے جائیں گے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی لکھتے ہیں کہ ان سفارتی کوششوں اور روپیہ پیسہ کا اثر ہونا طبعی

امر تھا۔ چنانچہ اس کا اثر ہوا اور بہت برا اثر ہوا لیکن اگر مجاہدین کے پاس اسلحہ اور کارتوس اور سامان رسد کی تنگی نہ ہوتی تو اس کا اثر برا نہ ہوتا۔ ادھر قبائل میں تو انگریز نے یہ چالاکی کی اور ادھر ہندوستان میں اور طرز کا پروپیگنڈہ کیا تاکہ وہاں کے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا کیا جائے۔ ملاحظہ کریں:

(1) ترکوں کو جنگ کے لیے ہم نے مجبور نہیں کیا بلکہ ترک خود جنگ میں داخل ہوئے ہیں اور ہم ان کے اعلان کی وجہ سے جنگ کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ (یہ ایک جھوٹ کہہ دیا)

(2) یہ جنگ سیاسی ہے مذہبی نہیں۔ (یہ دوسرا جھوٹ بولا)

(3) ہم مسلمانوں کے مقدس مقامات جدہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بغداد وغیرہ پر نہ بمباری کریں گے اور نہ کوئی اثر جنگ ان مقامات مقدسہ پر پڑنے دیں گے۔ (یہ تیسرا جھوٹ بولا)

(4) ترک مسلمانوں کے امراء اور خلیفہ نہیں ہیں۔ (چوتھا جھوٹ چھوڑا)

حالانکہ مسلمانوں کی جہادی مہم کو انگریزوں نے اس طرح ٹھنڈا کیا کہ 1857ء میں سلطان عبدالمجید مرحوم کا ایک دستاویزی فرمان معہ دستخط حاصل کیا جس میں مسلمانوں کے لیے انگریزوں سے نہ لڑنے اور ترکی خلیفہ کی اطاعت کے فرض ہونے کا واضح اعلان تھا۔ امیر عبدالرحمٰن والی کابل اپنی تزک میں لکھتے ہیں کہ اسی فرمان خلیفہ کی بناء پر سرحدی قبائل ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ (تو ادھر حصول فرمان میں وہ خلیفہ ہے، اطاعت فرض ہے اور ادھر کہتے ہیں کہ ترک مسلمانوں کے خلیفہ نہیں؟)

گاہ گاہ باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گرد داغہائے سینہ را

اگر دل کے زخموں کی تازہ رکھنا چاہتے ہو تو کبھی کبھی غم کی یہ پرانی داستانیں پڑھ لیا کرو

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

شیخ الہندؒ حجاز مقدس میں

یاغستان اور صوبہ سرحد میں چونکہ انگریزوں سے مجاہدین کی جنگ چھڑ گئی تھی اور جگہ جگہ سے جنگ اور مجاہدین کی کامیابی کی خبریں مسلسل شیخ الہند کو پہنچ رہی تھیں لیکن مجاہدین کے پاس سامان رسد نہ ہونے کے برابر تھا۔ کھانے تک کے لیے روٹی نہیں ملتی تھی۔ اس لیے مجاہدین نے شیخ الہند کو بذریعہ پیغام بتادیا کہ ہمارے پاس بہادر اور جنگی آدمیوں کی کمی نہیں ہے البتہ ہمارے پاس سامان جنگ میں سے ایک کارتوس تک نہیں ہے۔ آپ مسلمانوں کی کسی حکومت سے رابطہ کر کے انہیں اس پر آمادہ کریں کہ وہ صرف جنگی سامان سے ہماری مدد کریں۔ حضرت شیخ الہند کو کچھ احباب نے یہ بھی کہا تھا کہ حالات ایسے ہوئے ہیں کہ آپ کی کڑی نگرانی کی جارہی ہے لہٰذا آپ انگریزی عملداری سے باہر جا کر کسی اسلامی ملک میں قیام کریں۔ ان دونوں مقاصد کے پیش نظر شیخ الہند نے خود حجاز مقدس جانے کا فیصلہ کیا جہاں پر عثمانی ترکوں کی حکومت تھی اور مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان روانہ فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تحریک ریشمی رومال کے تانے بانے بُنے جا چکے تھے اور ہمہ گیر انقلاب کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ حضرت شیخ الہند نے بعض بااثر افراد کے ذریعہ سے خلافت عثمانیہ کے حجاز میں مقرر نمائندے غالب پاشا سے کامیاب ملاقاتیں کیں اور پھر استنبول میں انور پاشا سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ غالب پاشا نے ہندوستان کی آزادی کے سارے منصوبے شیخ الہند سے سنے اور ان کو ایک قابل تعظیم اور مدبر شخصیت کے حوالے سے جاننے لگے اور پھر کہا کہ اس مقصد آزادی میں ترکی اسلامی خلافت سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہے مگر ایسا نہ ہو کہ ہم سامنے آ جائیں اور پھر ہندوستانی لیڈر سست پڑ جائیں۔ لہٰذا آپ کے تمام متعلقین کو چاہیے کہ وہ تمام مجالس میں آزادی ہی کی باتیں اور زوردار مطالبہ کریں اور حصول مقصد تک مسلسل تحریک قائم کریں۔ شیخ الہند نے فرمایا کہ اس وقت میں خود شمالی علاقہ جات میں تو جا سکتا ہوں کیونکہ وہاں ہمارے ساتھی عملی میدان میں اتر چکے ہیں، میں انہی کے ساتھ کام میں لگ جاؤں گا مگر ہندوستان جانا میرے لیے اس وقت خطرناک ہے

کیونکہ انگریز پیچھے لگا ہوا ہے، البتہ میں اپنے ساتھیوں کو ہندوستان بھیج دوں گا۔ مکہ مکرمہ میں غالب پاشا سے ان ملاقاتوں کے بعد شیخ الہند مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور غالب پاشا طائف چلے گئے۔ شیخ الہند کا ارادہ تھا کہ مدینہ سے جدہ اور جدہ سے استنبول چلے جائیں گے۔ غالب پاشا نے شیخ الہند کو انور پاشا کے نام ایک خط بھی دیا کہ یہ شخص تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے نمائندے قابل بھروسا اور کام کے آدمی ہیں ان کی ہر طرح کی مدد کریں۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ میں شیخ الہند کی تحریک سے واقف نہیں تھا۔ میں ایک خالص علمی آدمی تھا۔ مدینہ منورہ میں ایک دفعہ ایک خصوصی مجلس میں شیخ الہند نے مجھے اور مولانا خلیل احمد صاحب کو بلایا اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی ترغیب تو دیتا رہتا تھا لیکن شیخ الہند کے خیالات نے ہمارا رخ مکمل طور پر اس طرف موڑ دیا۔

شیخ الہند ابھی مدینہ منورہ ہی میں تھے کہ خبر آئی کہ ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا اور جمال پاشا خود بذریعہ ٹرین مدینہ آ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ استقبال کے ساتھ آ گئے اور شیخ الہند اور حضرت حسین احمد مدنی وغیرہ کی ان سے ملاقات ہوئی۔ غالب پاشا کا خط بھی ان کو دیا گیا۔ وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور اہل ہند کی آزادی میں ان سے بھرپور مدد کا وعدہ کیا اور وصیت کی کہ آپ لوگ آزادی کے مطالبے کو تیز کرائیں۔ شیخ الہند نے فرمایا کہ میرے ساتھی میدان جنگ میں ہیں۔ وہ یاغستان میں انگریز سے برسرپیکار ہیں اس لیے آپ کسی طرح ہمیں افغانستان پہنچا دیں تاکہ وہاں سے ہم صوبہ سرحد جا کر ساتھیوں سے مل سکیں۔ انور پاشا نے کہا کہ یہ اب ممکن نہیں ہے کیونکہ روس نے افغانستان کا راستہ کاٹ دیا ہے۔ اب آپ ہندوستان چلے جائیں یا ترکی حکومت کے کسی محفوظ مقام میں سکونت اختیار کریں۔

شیخ الہند کی گرفتاری

شیخ الہند مدینہ سے پھر مکہ مکرمہ آئے اور وہاں سے طائف چلے گئے۔ اتنے میں معلوم

ہوا کہ شریف مکہ نے بغاوت کر دی اور اب وہ ترکوں کے خلاف انگریزوں کی حمایت کر رہا ہے۔اس وجہ سے شیخ الہند طائف میں محصور ہو کر رہ گئے۔20 رجب کو آپ طائف گئے تھے اور 10 شوال کو آپ طائف سے مکہ آئے اور پھر جدہ پہنچ کر اپنے رفقاء کو ہندوستان کے لیے ریشمی خفیہ خطوط اور اہم دستاویز کے ساتھ رخصت کیا اور خود مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔ ذوالحجہ 1334ھ کو آپ نے حج ادا فرمایا مگر آپ بار بار ساتھیوں سے فرماتے رہے کہ ہمارا یہاں مکہ میں قیام نہایت خطرناک ہے، لہٰذا براستہ ایران، افغانستان جانا چاہیے یا مکران تک کسی بادبانی کشتی کے ذریعہ جایا جائے اور پھر بھیس بدل کر یاغستان پہنچ جائیں۔ جب حضرت شیخ الہند کا تقاضا شدید ہوا تو اب نکل جانے کا انتظام شروع ہو گیا مگر تدبیر کے راستے میں تقدیر حائل ہوگئی اور محرم الحرام 1335ھ کی آخری تاریخوں میں حرم شریف کے علماء کی طرف سے ایک دستاویز شیخ الہند کے سامنے پیش کی گئی اور مطالبہ کیا گیا کہ شیخ الہند اس پر دستخط کریں۔اس دستاویز میں ترکوں کو کافر کہا گیا تھا۔شریف مکہ کی بغاوت کو جائز قرار دیا گیا تھا اور ترکوں کی خلافت کا اس میں انکار تھا۔شیخ الہند نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کیا جس پر مکہ مکرمہ کے علماء اور مدرسین برہم ہو گئے۔اس واقعہ کے دو چار روز بعد شریف مکہ خود جدہ چلا گیا اور وہاں سے حکم جاری کر دیا کہ محمود حسن اور ان کے رفقاء کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔اس وارنٹ گرفتاری کی منسوخی کی بڑی کوشش کی گئی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔شیخ الہند نے گرفتاری کے بعد فرمایا:

الحمدللہ کہ بہ مصیبتے گرفتاریم نہ بہ معصیتے

ریشمی خطوط میں کیا پلان تھا؟ یہ خطوط کیسے پکڑے گئے؟ پھر گرفتاریاں کیسے ہوئیں؟ یہ بعد کی باتیں ہیں۔اب آپ اس بات کو ملاحظہ کریں کہ ترکوں نے ایک دم کامیابی کے بعد شکست کیسے کھائی اور اس کے اسباب کیا تھے؟ شیخ الاسلام حسین احمد مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قدرت نے پانسہ ہی پلٹ دیا۔جرمنی اور ترکی کی فتح مندی اور کامیابی کے بعد جب امریکا انگریزوں کا حلیف بن گیا اور مسٹر ولسن کے پرفریب نکات سامنے آئے تو یکا یک

حالت بدل گئی اور کل کی فتح آج کی شکست بن گئی۔ امریکا کی بے شمار فوجی اور لاتعداد ہتھیار جب اتحادیوں یعنی انگریزوں اور فرانس کی مدد پر آ گئے اور ادھر شریف مکہ نے غدر اور خیانت کر کے انگریزوں کی حمایت میں ترکوں اور ان کی قوت کو ہر قسم کا نقصان پہنچایا اور عربوں اور ترکوں میں انتہائی نفرت پھیلا دی تو طبعی طور پر ہر جگہ ناکامی ہی ناکامی سامنے آئی اور جو کچھ نہ ہونا چاہیے تھا وہ واقع ہو گیا۔ (تحریک شیخ الہند ص133)

تحریک ریشمی رومال اغراض و مقاصد سیاق و سباق کی روشنی میں

محترم قارئین! اب آیئے اور ایک طویل تحریر کی روشنی میں تحریک ریشمی رومال کو پڑھیے اور اندازہ لگالیجیے کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو اس دنیا پر اسلام قرون اولیٰ کی طرح کس آب و تاب کے ساتھ نمودار ہو جاتا اور باطل و اہل باطل کس طرح زمین بوس ہو جاتے، مگر ایسا نہ ہو سکا۔ یہ شکست نہیں تھی البتہ ہدف تک گولی پہنچ نہ پائی۔ لہٰذا جو رخ اس وقت متعین تھا اس پر کام کرنے کا آج بھی موقع ہے، جو واقعات کل تھے وہ آج بھی ہیں۔ جس ہدف تک تیر پہنچ کر رک گیا تھا وہ آج آگے بڑھنے کا انتظار کر رہا ہے۔ جس نسخۂ جہاد کو اس وقت متعین کیا گیا تھا وہ آج بھی متعین ہو سکتا ہے ورنہ

افسوس صد افسوس کہ شاہین نہ بنا تو
دیکھے نہ تیری آنکھ نے قدرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات
فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ مغرب سے درگزر؟

اگر ریشمی رومال افغانستان پہنچ جاتا

یہ بیسویں صدی کا حیدرآباد سندھ ہے۔ قدیم طرز کے مکان میں ایک شخص پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس سوئی دھاگا لیے ایک زرد رنگ کا رومال جس کی لمبائی ایک گز ہے اور عرض بھی، گدڑی میں سی رہا تھا۔ وضع قطع اور صورت شکل سے درویش نظر آتا تھا۔ اچانک ایک دھماکہ سا ہوتا ہے، وہ سر اٹھا کر دیکھتا ہے تو چند گورے اور سکھ فوجی صحن کی دیواریں پھاند کر اس کی طرف لپکے آرہے ہیں۔ وہ گدڑی اٹھا کر کمرے کے پچھلے دروازے کی طرف بھاگنے لگتا ہے لیکن فوجی سر پر پہنچ جاتے ہیں اور اس سے گدڑی چھین لیتے ہیں۔ وہ شخص ان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور صحن میں پہنچ کر دیوار پھاند لیتا ہے، چند فوجی اس کے پیچھے جاتے ہیں لیکن تھوڑی دیر بعد ہاتھ ملتے لوٹ آتے ہیں۔

یہ درویش آزادیٔ ہند کی انقلابی پارٹی سرگرم اور سرفروش رکن اور پارٹی کے قائد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کے قابل اعتماد پیروکار شیخ عبدالرحیم تھے۔ اچاریہ کرپلانی کے حقیقی بھائی جو مولانا عبیداللہ سندھی کے ہاتھ پر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

پارٹی کا مرکزی دفتر پہلے دیوبند میں تھا بعد میں دہلی منتقل ہوگیا۔ تحریک کا نام جس کی بنا پر پارٹی تشکیل دی گئی تھی پہلے ثمرۃ التربیہ اور پھر جمعیۃ الانصار رکھا گیا تھا۔ اس کا پروگرام یہ تھا کہ ہندوستان پر قابض حکومت انگریز کے خلاف ملک بھر میں عام بغاوت کرائی جائے اور ساتھ ہی شمال مغربی سرحد کی طرف سے قبائل اور ترکی کی فوج سے حملہ کرایا جائے۔ اس طرح ملک کو فرنگی استبداد سے آزاد کرانا تھا۔ منصوبے کے مطابق ترکی کی فوج کو افغانستان کے راستے سے حملہ آور ہونا تھا جس لیے افغانستان کی حکومت کو بھی جس کا سربراہ حبیب

اللہ خان تھا ہموار کرنا تھا۔ ترکی سے یہ طے کیا جارہا تھا کہ اس کی فوج ہندوستان کو آزاد کرا کے لوٹ جائے گی اور اس مدد کے عوض آزاد ہندوستان اس کی اخلاقی اور مالی امداد کرتا رہے گا۔ ترکی کے حکمران غازی انور پاشا تھے۔

اس طریقہ کار پر عمل کرنے کے لیے دس جامع منصوبے 1905ء میں بنائے گئے تھے۔ ان کی تکمیل 1914ء میں ہوئی۔ منصوبے یہ تھے: (1) ہندو مسلم مکمل اتحاد (2) علماء فکر قدیم اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں اشتراک فکر وعمل (3) اقوام عالم سے اخلاقی مدد کا حصول (4) جنگی نقشوں کی تیاری (5) انقلاب کے بعد عبوری حکومت کے خاکے کی ترتیب (6) بغاوت کے خفیہ مراکز کا قیام (7) بیرون ملک امدادی مراکز کا تعین (8) ترکی کی حمایت کے لیے دوسرے ملکوں سے رابطہ (9) باہر سے حملے کے راستوں کی نشاندہی (10) بیک وقت بغاوت اور حملے کے لیے تاریخ کا تعین۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے معرکۂ بالاکوٹ 1831ء اور انقلاب 1857ء کے خونچکاں اقدامات کے بعد یہ تیسری سرفروشانہ تحریک تھی جو تحریک ریشمی رومال کے نام سے تاریخ اوراق پر انمٹ نقوش چھوڑ گئی۔ پہلی تحریک مسلمانوں کے جاہلانہ تغافل سے ناکام ہوئی، لیکن دوسری اور تیسری تحریکیں ان کے مجرمانہ عدم تعاون اور کھلے بندوں غداری سے ملیا میٹ ہوئیں۔ یہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ تینوں تحریکوں میں بنیادی اور مرکزی کردار علمائے حق نے ادا کیا۔ اگرچہ انقلاب 1857ء میں عام مسلمانوں کا زیادہ حصہ ہے لیکن دوسری دونوں تحریکوں کا سہرا تمام تر علماء حق کے سر ہے۔ تحریک ریشمی رومال کی کامیابی اپنوں کی غداری اور انگریزوں کے طے شدہ حفظ ماتقدم کے باوجود یقینی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ بیرونی امداد کے امکانات دسترس میں تھے۔ 1858ء میں سامراجیت کی ایسٹ انڈیا کمپنی سے براہ راست حکومت برطانیہ کے ہاتھ میں منتقلی کے بعد انگریز دشمنی کے دور کا آغاز ہو چلا تھا۔ بعید نہ تھا کہ یہ خارجی نیک فال داخلی جدوجہد کے لیے ممد ومعاون ثابت ہوتا۔ برطانیہ کی توسیع پسندی کے پیش نظر 1850ء میں دوار آف بھوٹان پر قبضہ کیا گیا اور

برما کے شمالی حصہ کو فتح کر کے سلطنت میں شامل کیا گیا۔ 1868ء میں تبت اور چین پر حملہ کیا گیا اور سرحد کے مجاہدین پر فوج کشی ہوئی 1885ء میں کابل پر حملہ کیا گیا۔ 1897ء میں دوبارہ سرحدی مجاہدین کے خلاف چھ مہمیں بھیجیں گئیں۔ بیرونی امداد کے سلسلے میں حکومت ترکی سے توقع کسی خوش فہمی اور جذباتیت کی بنا پر نہیں تھی اس کے پس منظر میں ٹھوس حقائق اور دلائل تھے۔ ترکی برطانیہ کا زخم خوردہ تھا، اگر مذہب اور حریت پسندی ہندوستان اور ترکی میں قدر مشترک نہ ہوتی تب بھی سیاسی طور پر ترکی کی طرف سے مدد لازمی تھی۔ 1839ء میں انگریزوں نے سلطان عبدالمجید خان کو محمد علی پاشا کی بغاوت کے خلاف مدد دی اور اس کے عوض میں پہلے عدن کی بندرگاہ اور پھر سارے عدن پر قبضہ کر لیا۔ اس قبضے کی وجہ سے آنے والے برسوں میں جو نتائج نکلے وہ تصور میں نہیں لائے جا سکتے ہیں۔ اس مدد کا سارا خرچ (بیس لاکھ پونڈ) ہندوستان کے ذمہ قرض کے طور پر ڈالا گیا۔ 1878ء میں سلطان عبدالمجید خان سے خفیہ معاہدہ کر کے جزیرہ قبرص قبضے میں کیا گیا۔ اس کے بھی دوررس نتائج نکلے اسی سال برلن میں یورپی ملکوں کی کانفرنس ہوئی جس میں ترکی کے حصے بخرے کر کے آپس میں بانٹ لیے گئے۔ برطانیہ بھی حصے دار بنا۔ 1858ء میں رومانیہ، بلغاریہ، کریٹ، سرویا، مولڈویا، ولاچیا، ابوسینا، مونٹی نیگرو اور ارز گونیا کو ترکی کے قبضے سے نکلوا دیا گیا۔ 1904ء میں برطانیہ کی شہ پر فرانس نے مراکش پر قبضہ کر لیا۔

1908ء میں ترکی میں فوجی انقلاب رونما ہوا۔ یہ انقلاب فوجیوں کی تنظیم ''اتحاد المسلمین'' نے برپا کیا تھا جس کے قائد غازی انور پاشا تھے۔ بعد میں یہی حکومت کے سربراہ بنے۔ 1912ء کی جنگ بلقان میں ہندوستان کی حریت پسند تحریکوں نے ترکی کی جو اخلاقی اور مالی مدد کی تھی اسے انور پاشا بھولے نہیں تھے۔ اس لیے تحریک ریشمی رومال کی ترکی کے سربراہ کی حیثیت سے ان کی مدد غیر متوقع نہیں تھی۔ تحریک کے پہلے دو منصوبوں کے لیے فضا پہلے ہی سازگار تھی۔ ہندوستان کے تمام حریت پسندوں میں ذہنی ہم آہنگی اور اشتراک عمل کا جذبہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے وقت ہی سے پیدا ہو چکا تھا اور اس کا مظاہرہ

بار بار خصوصاً 1857ء میں اور اس کے بعد ہو چکا تھا۔ تحریک کے عملی قائد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن تھے لیکن اس کے قیام اور ساری منصوبہ بندی میں جن شخصیتوں کا ہاتھ تھا ان میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبیداللہ سندھی، ڈاکٹر انصاری، موتی لال نہرو، لاجپت رائے اور راجندر پرشاد شامل تھے۔ اس کے علاوہ 1857ء کے انقلاب نے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک کھیپ مہیا کر دی تھی جن کے دلوں میں حریت کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں اور ذہن جدید طبیعاتی تقاضوں سے روشن تھے ان نوجوانوں میں جن لوگوں کو اہم فرائض سونپے گئے ان میں پروفیسر برکت اللہ ایم اے تھے جنہیں ترکی، جرمنی اور جاپانی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ چودھری رحمت علی گریجویٹ، لالہ ہردیال ایم اے، کامریڈ متھرا سنگھ گریجویٹ، بمبئی کے شیخ محمد ابراہیم ایم اے اور چینی زبان میں ماہر بنگال کے شوکت علی گریجویٹ وغیرہ شامل تھے۔ تیسرے منصوبے کے تحت چین، جاپان، فرانس، برما اور امریکہ میں شاخوں کا کام شروع کیا گیا۔ اس کے لیے مشینری طریقہ کار اپنایا گیا۔ پہلا مشن دیوبند سے فارغ التحصیل مولانا مقبول الرحمٰن مانسہرہ ہزارہ اور شوکت علی کی سرکردگی میں چین بھیجا گیا جس میں چھ اور افراد بھی شامل تھے۔ چین میں ایک مرکزی سیرت کمیٹی قائم کر کے ملک بھر میں اس کی شاخیں کھول دی گئیں۔ اردو اور چینی زبانوں میں ایک رسالہ الیقین جاری کیا گیا۔ ان کاموں میں مشن کو بڑی کامیابی ہوئی۔ چینی مسلمانوں کی خاصی تعداد ہندوستان کی صورت حال سے متاثر ہوئی اور انگریز سامراجیت سے چھٹکارا دلانے میں ہر ممکن اخلاقی مدد کا وعدہ کیا۔ ہر چند کہ چینی عوام خود ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہے تھے اور حکومت کی سطح پر کوئی نمایاں کام نہ ہو سکا کیونکہ ملک پر سامراجیت کے دوسرے روپ شہنشاہیت اور جاگیرداری کا تسلط تھا۔ مشن نے اپنے اخراجات اس طرح پورے کیے کہ ایک شفاخانہ کھول لیا۔ مولانا مقبول الرحمٰن طبابت اور شوکت علی ڈاکٹری کرتے تھے۔

1905ء سے 1909ء تک چین میں کام کرنے کے بعد دونوں صاحبان کو برما جانے

کا حکم ملا۔ مشن کے تین ارکان کو چین میں کام کی نگرانی کے لیے چھوڑا گیا۔ شفاخانے کو فروخت کر کے ان کے گزارے کے لیے رقم دی گئی اور سفر کا خرچ بھی نکالا گیا ایک آدمی کو واپس ہندوستان بھیجا گیا۔ چار آدمی برما پہنچے اور وہاں کپڑے کا کاروبار شروع کیا گیا جس میں کافی منافع ہوا۔ برما میں مذہبی طریقہ کار اپنانے سے کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی لہٰذا انسانی رشتے کو مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا گیا اور انسانی برادری کے نام سے ایک انجمن بنائی گئی جس کا نصب العین انسانی فلاح و بہبود بتایا گیا۔ مولانا مقبول الرحمٰن نے عربی زبان میں ایک کتاب ''الانسان'' لکھی اس کا انگریزی اور برمی زبان زبانوں میں شوکت علی نے ترجمہ کیا۔ مشن 1912ء تک بڑی کامیابی سے اپنا کام کرتا رہا۔ اس نے ہزاروں افراد کو ہندوستان کے انسانی مسائل سمجھنے پر آمادہ کیا۔ ہندوستان کی اخلاقی مدد کے لیے ایک مخلص حلقہ پیدا ہوگیا۔ شومئی قسمت کہ 1912ء میں تحریک ناکام ہوگئی۔ شوکت علی اور دونوں ہندو اراکین ہندوستان چلے گئے اور مولانا مقبول الرحمٰن رنگون جا پہنچے۔ پھر شوکت علی ہندوستان سے فرار ہوکر برلن چلے گئے اور مولانا مقبول الرحمٰن 1923ء میں وطن لوٹے۔

دوسرا مشن جاپان بھیجا گیا۔ اس میں پانچ آدمی تھے اور قائد پروفیسر برکت اللہ تھے۔ انگریزی، ترکی اور جرمنی زبانوں کے علاوہ جاپانی زبان میں بھی مہارت رکھنے کی وجہ سے انہیں ٹوکیو کے ایک کالج میں پروفیسری مل گئی۔ مشن نے اسلامک فرٹیئر نٹی کے نام سے ایک انجمن بنائی اور اسی نام سے انگریزی اور جاپانی زبانوں میں رسالہ نکالا جس کے مدیر پروفیسر صاحب تھے۔ ترکی کی طرح جاپان سے بھی بھرپور مدد کی توقع تھی کیونکہ جاپان برطانیہ کا سخت مخالف تھا۔ اسی مخالفت کی بناء پر اس نے دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ پر حملہ کیا تھا مشن کو یہاں کامیابی سے ہمکنار ہوتا دیکھ کر 1910ء میں پروفیسر برکت اللہ کو چودھری رحمت علی کی مدد کے لیے فرانس جانے کا حکم ملا جہاں چودھری صاحب کی سرکردگی میں تیسرا مشن کام کر رہا تھا۔ پروفیسر صاحب نے ملازمت چھوڑ دی، اخبار بند کر دیا اور

ایک ساتھی کو لے کر فرانس کی طرف روانہ ہوئے۔

فرانس کے مشن میں چودھری رحمت علی کے ساتھ دو آدمی تھے ان میں ایک گریجویٹ رام چندر نہایت قابل نوجوان تھا۔ پروفیسر برکت اللہ نے انگریزی زبان میں ایک اخبار ''انقلاب'' جاری کیا اور تندہی سے کام کرنے لگے۔ یہ اخبار مشن کی تشکیل کردہ غدر پارٹی کا ترجمان تھا۔ رولٹ رپورٹ میں اخبار کا نام بھی غدار لکھا گیا جو کہ غلط ہے۔ فرانس میں چھ سال تک کام ہوتا رہا۔ عوامی سطح پر ''غدر پارٹی'' کی بہت حوصلہ افزائی کی گئی۔ اخلاقی مدد کے بھی روشن امکانات تھے لیکن حکومت کی طرف سے کوئی امید نہیں تھی۔ جو کچھ حاصل ہوا اسی پر اکتفاء کر کے پروفیسر برکت اللہ اور چودھری رحمت علی کو امریکہ جانے کا حکم ملا۔

امریکا میں لال ہردیال کی سربراہی میں چھ آدمیوں پر مشتمل مشن کام کر رہا تھا۔ پروفیسر صاحب اور چودھری صاحب کی شمولیت سے تعداد آٹھ ہوگئی۔ یہاں بھی ''غدر پارٹی'' کام کر رہی تھی۔ ان دونوں حضرات کے آنے کے بعد پروفیسر صاحب کی ادارت میں ''غدر'' نام سے ایک اخبار نکالا گیا۔ دراصل واشنگٹن کے اسی اخبار کا مغالطہ رولٹ کمیٹی کو ہوا تھا۔ چودھری رحمت علی کی سکونت تو پیرس میں تھی لیکن وہ واشنگٹن آتے جاتے رہتے تھے اور وہاں انہوں کچھ زمین بھی خرید لی تھی، اسے بیچ کر ایک ہوٹل کھول لیا۔ اس کے ایک کمرے میں پارٹی کا اور دوسرے کمرے میں اخبار کا دفتر قائم کیا گیا۔ ہوٹل کی آمدنی سے اخراجات پورے ہوتے رہے اور یہ پہلے ہردیال اور چودھری صاحب کی نگرانی میں چلتا رہا۔ اس کے علاوہ پارٹی والوں نے رنگوں کا کاروبار بھی شروع کر رکھا تھا۔ اس میں سے آمدنی بھی تھی اور دہلی کے مرکز سے رابطہ بھی قائم تھا۔ دہلی کے چار مسلمان اور تین ہندو، پشاور کے دو مسلمان اور ایک ہندو، لاہور کے دو مسلمان، ڈھاکا کے دو ہندو اور ایک مسلمان اور کراچی کا ایک ہندو ان لوگوں سے مال منگواتے تھے اور کاروبار کی آڑ میں مرکزی رپورٹیں بھیجی اور ہدایات حاصل کی جاتی تھیں۔ ہندوستان میں تحریک کے ناکام ہونے کی خبر ملی تو ہوٹل فروخت کر دیا گیا اور اخبار بھی بند کر دیا گیا۔ مشن کے اراکین پیرس چلے گئے پھر وہاں سے

جنیوا اور برلن ہوتے ہوئے افغانستان پہنچے اور وطن آ گئے۔

انقلابیوں کا چوتھا منصوبہ جنگی نقشوں کی تیاری تھا۔ اس منصوبے کو تین شکلیں دی گئیں۔ پہلی شکل تھی بیرونی حملے کے لیے راستوں اور محاذوں کی تفصیلی نشاندہی کرنا، حملہ آور فوج کے لیے رسد رسانی، اس کے ہیڈ کوارٹر سے رابطے اور انقلابی رضا کاروں سے رابطے کے لیے پیغام رسانی کا انتظام کرنا اور حملہ آور فوج کی نقل و حرکت کے لیے سہولت فراہم کرنا۔ دوسری شکل یہ تھی کہ سی آئی ڈی کے آدمیوں سے تعاون لیا جائے اور اس محکمے میں اپنے آدمی داخل کیے جائیں تاکہ حکومت کی پالیسیوں اور اداروں کی خبریں ملتی رہے۔ تیسری شکل یہ تھی کہ فوج میں اپنے ہم خیال بنانا اور انقلابی کارکنوں کو فوج میں بھرتی کرانا تاکہ جب حملہ ہو تو دشمن کو سبوتاژ کیا جا سکے۔

پہلا کام مولانا عبیداللہ سندھی کو سونپا گیا اور بمبئی کے شیخ محمد ابراہیم ایم اے کو ان کا مددگار بنایا گیا۔ مولانا نے شمال مغربی سرحد کے کئی دورے کیے۔ جغرافیائی پوزیشن کا بغور نظر معائنہ کیا۔ فنون و حرب سے آگاہی کے لیے انگریزی، جرمنی، ترکی، فرانسیسی اور عربی زبانوں کی کتابیں منگوا کر ان کا مطالعہ کیا۔ قدیم اور جدید طریقوں کو پرکھا اور متواتر سات سال تک کام کرنے کے بعد جنگ اور اس کے محاذوں کا ایک فقید المثال نقشہ تیار کیا۔ ان کے مطالعے سے بعد میں ترکی، جرمنی اور افغان فوجی افسروں نے بھی استفادہ کیا۔ مولانا سے تربیت یافتہ نوجوانوں نے والئی افغانستان امیر امان اللہ اور انگریزوں کے مابین جنگ میں افغان فوج کی ناقابل فراموش رہنمائی کی۔ دوسرے کام کی سربراہی ڈاکٹر انصاری نے انجام دی۔ بہت سے ہندو اور مسلم نوجوان سی آئی ڈی میں گھس گئے اور حکومت کے راز قائدین تحریک تک پہنچاتے رہے۔ تحریک کی ناکامی کے بعد کئی نوجوان پکڑے گئے اور پھانسی پر لٹکائے گئے۔ تیسری شکل کے تحت منتخب نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کرایا گیا۔ انہوں نے حب الوطن فوجیوں کو اپنا ہم خیال بنایا۔ بعض پکڑے بھی گئے اور کچھ لوگ تحریک کی ناکامی کے بعد بھی رہے اور پہلی جنگ کے بعد فوج سے نکل گئے۔ بعض ایسے بھی تھے جو

مستقل طور پر فوج میں رہے اور دوسری جنگ عظیم میں دوسرے افراد کو اپنے ساتھ ملا کر آزاد ہند فوج کے روپ میں سامنے آئے۔

پانچویں منصوبے کے تحت انقلاب کے بعد قائم ہونے والی عبوری حکومت کا خاکہ یہ بنایا گیا کہ ایک ہندو اور ایک مسلمان پر مشتمل ایک اعلیٰ اختیارات کی کونسل ہوگی۔ مسلمان رکن کے لیے شیخ الہند مولانا محمود حسن کا نام تھا۔ ہندو رکن کا نام تحقیق طلب ہے۔ کونسل کے تحت صدر، وزیر اعظم، وزیر مملکت اور ان کے ماتحت کابینہ ہوگی۔ ان عہدیداروں کے لیے مجوزہ افراد علی الترتیب راجہ مہندر پرتاپ، پروفیسر برکت اللہ اور مولانا عبید اللہ سندھی تھے۔ انہی لوگوں نے کابینہ بنائی تھی۔ فوج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے حضرت شیخ الہند کا نام تھا اور جرنیلوں کی تعداد بارہ رکھی گئی تھی۔

چھٹا منصوبہ بغاوت کے خفیہ مراکز کے قیام کا تھا۔ ہیڈ کوارٹر دہلی میں بنایا گیا۔ اس میں شیخ الہند، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبید اللہ سندھی، ڈاکٹر انصاری، گاندھی جی، پنڈت موتی لال نہرو، لالہ جپت رائے اور بابو رائے رام چندر پرشاد وغیرہ صف اول کے لوگ تھے۔ ہیڈ کوارٹر کے تحت آٹھ شاخیں پانی پت (یوپی کے اضلاع)، لاہور (پنجاب)، راندیر (بمبئی) گجرات کاٹھیاواڑ (مہاراشٹر) کراچی قلات (لسبیلہ) وغیرہ۔ اتمان زئی (شمالی سرحد)، دین پور (بہاولپور) ترنگ زئی (آزاد قبائل) اور امروٹ (سندھ میں کام کرتی تھیں) ان شاخوں کے امیر علی الترتیب مولانا احمد اللہ، مولانا محمد احمد، مولانا محمد ابراہیم، مولانا محمد صادق، خان عبدالغفار خان، مولانا غلام محمد، مولانا فضل واحد اور مولانا تاج محمود تھے۔ مرکز میں ہندو اراکین کی موجودگی کے باوجود کسی شاخ کا سربراہ کوئی ہندو نہیں تھا۔ بعض ذرائع کے مطابق بنگال میں بھی شاخیں تھیں۔ بنگال میں مولانا ریاض احمد اور شمال مغربی سرحد میں تین علماء کی مشترکہ کمان تھی۔ کہا جاتا ہے کہ چند سال جب آزاد قبائل اور انگریزوں کی خونریز جھڑپیں ہوئیں اور انگریز فوج کو پے در پے ہزیمت اٹھانی پڑی تو یہ اسی کمان کا کارنامہ تھا۔

ساتویں منصوبے یعنی بیرون ملک امدادی مراکز کے قیام کی سمت میں ہیڈکوارٹر کابل میں تھا۔ یہاں کے سربراہ راجہ مہندر پرتاب تھے۔ بعد میں مولانا سندھی بھی ان سے جا ملے اور دونوں نے مل کر کام کیا۔ اس ہیڈکوارٹر کی شاخیں مدینہ منورہ، برلن، استنبول، انقرہ اور قسطنطنیہ میں تھیں۔ برلن میں لالہ ہردیال نے نمایاں کام کیا۔ ان کی کوشش سے جرمنی اور ترکی کا پیکٹ ہوا اور جرمنی ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ کابل کے ہیڈکوارٹر نے فقید المثال کارنامہ انجام دیا۔ امیر حبیب اللہ خان اور اس کے لڑکے عنایت اللہ کے دوغلے پن (جو بعد میں غداری پر منتج ہوا) کے باوجود تحریک کے آدمیوں کو افغانستان کی سیاست میں اتنا عمل دخل حاصل ہوگیا کہ تحریک کی ناکامی کے بعد قائدین کے دوست اور ہمدرد افسروں نے امیر حبیب اللہ خان کو قتل کروا کر اس کے بیٹے خان امان اللہ کو تخت پر بٹھایا جنہوں نے شروع سے تحریک کی اخلاقی اور مالی مدد کی تھی۔ انہوں نے تخت پر بیٹھتے ہی تحریک کے نظر بند قائدین کو رہا کر کے اپنا مشیر بنا لیا۔ قائدین تحریک ہی کے مشورے سے امان اللہ خان نے انگریزوں سے دو دو ہاتھ کیے اور 23 اگست 1919ء کو افغانستان کو مکمل آزاد کروالیا۔ مولانا سندھی افغانستان میں چوری چھپے داخل ہوئے تھے تو فوج کے سپہ سالار نادر شاہ نے قندھار میں ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ جب قائدین تحریک کی ایماء پر انگریزوں سے لڑنے کے بارے میں رائے معلوم کرنے کے لیے جرگہ بلایا گیا تو حبیب اللہ خان کے سوا سب لوگوں نے لڑائی کے حق میں رائے دی۔ ان میں امان اللہ خان اور عنایت اللہ خان اور ان کا بھائی نصر اللہ خان پیش پیش تھے۔

آٹھواں منصوبہ یہ تھا کہ برطانیہ اور ترکی کی آویزش میں (وسیع تر مقصد یہ تھا کہ ترکی کے ہندوستان پر حملے کے لیے) بعض ملکوں مثلاً روس، جرمنی، فرانس اور امریکا کو ترکی کی حمایت پر آمادہ کیا جائے۔ اس ضمن میں کراچی میں اکابرین تحریک کی ایک مجلس مشاورت ہوئی۔ مولانا محمد علی کا خیال تھا کہ امریکا ترکی کا ساتھ دے گا کیونکہ وہ خود بھی برطانیہ کا غلام رہ چکا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا خیال تھا کہ امریکا غیر جانبدار رہے گا، لیکن شیخ الہند کا

موقف تھا کہ امریکا برطانیہ کی کھلے بندوں مدد کرے گا، چنانچہ یہی ہوا۔ تاہم امریکا اور فرانس کے انصاف پسند لوگوں نے برطانیہ کے خلاف احتجاج کیا اور تحریک کا مشن کسی حد تک کامیاب رہا۔

روس میں بھی تحریک کا مشن حکومت کی سطح پر ناکام رہا۔ زار نے مشن کے قائدین ڈاکٹر مرزا احمد علی اور متھرا سنگھ کی گرفتاری کا حکم دیا لیکن تاشقند کے گورنر نے جو تحریک کے کارکن بن گئے تھے، انہیں گرفتاری سے بچالیا۔ اس مشن کا تذکرہ روس کے انقلابیوں نے اپنے ایک پمفلٹ میں کیا تھا اور اسے مؤثر قرار دیا تھا۔ عوامی سطح پر مشن اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور روس برطانیہ دوستی خطرے میں پڑ گئی، جس کے لیے لارڈ کچز خود روس پہنچا۔ البتہ ایک دوسرا مشن جو روس کے راستے جاپان جارہا تھا زار کے ہتھے چڑھ گیا۔ بدقسمتی سے متھرا سنگھ جو اس مشن میں بھی شامل تھے اپنے ساتھی عبدالقادر سمیت انگریزوں کے حوالے کر دیے گئے۔ انگریزوں نے متھرا سنگھ کو پھانسی دے دی اور عبدالقادر کو لمبی قید کی سزا دی۔

بیرون ملک تحریک کو صرف جرمنی میں کامیابی حاصل ہوئی۔ راجہ مہندر پرتاپ نے وہاں تین سال رہ کر یہ کارنامہ انجام دیا۔ پروفیسر برکت اللہ اور لالہ ہردیال نے بھی ان کی اعانت کی۔ اس سلسلہ میں جرمنی کے کیپٹن ہنٹس نے بڑی مدد کی۔ وہ محاذ کے معاینے کے لیے کابل بھی گیا۔ یہ کوششیں بارآور ہوئیں اور جرمنی ترکی کی مدد کرنے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ مطمئن ہوکر راجہ مہندر پرتاب کابل چلے گئے جہاں مولانا سندھی بھی پہنچ گئے۔

نویں منصوبے میں حملے کے لیے راستوں کا تعین کرنا تھا۔ ایران برطانیہ کا حلیف اور ترکی کا دشمن تھا۔ اس لیے وہ راستہ ترک کرنا پڑا۔ دوسرا راستہ افغانستان کے ذریعے تھا۔ امان اللہ خان اور سول وفوجی افسروں کے اٹل فیصلے سے ڈر کر حبیب اللہ خان راستہ دینے پر آمادہ ہوگیا، لیکن انگریز دوستی کا حق ادا کرنے کے لیے تجویز پیش کی کہ ترکی فوج بعض مخصوص دروں سے گزرے، ہم انگریزوں سے کہہ دیں گے کہ وہاں کے قبائلی باغی ہوگئے

ہیں اور ہم مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ سرکاری فوج جنگ میں حصہ نہ لے البتہ رعایا رضاکارانہ طور پر حصہ لے سکتی ہے۔ دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ فریقین میں جس کا پلہ بھاری دیکھوں گا اس کے ساتھ ہو جاؤں گا۔

امان اللہ خان اور نصر اللہ خان نے قائدین تحریک کو سمجھایا کہ اسی پر اکتفاء کرلیں۔ جب ترکی کی فوج ملک میں داخل ہو جائے گی تو ہم اپنے باپ کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرلیں گے ورنہ اسے راستہ سے ہٹادیں گے۔ حملہ کے لیے چار محاذ بنائے گئے۔ ہر محاذ پر انقلابی کو نگران مقرر کیا گیا۔ مولانا محمد صادق کی نگرانی میں قلات اور مکران کے قبائل کا ترک فوج کی قیادت میں کراچی پر حملہ، حافظ مولانا تاج محمود سندھی کی نگرانی میں ترک فوج کی سربراہی میں غزنی اور قندھار کے قبائل کا کوئٹہ پر حملہ، درۂ خیبر کے راستہ پشاور پر مہمند اور مسعود قبائل کی ترک فوج کی قیادت میں حملہ، نگران حاجی صاحب ترنگ زئی تھے۔ اوگی ہزارہ کے محاذ پر ترکی کی فوج کا کوہستانی قبائل کو لے کر حملہ، نگرانی مولانا محمد اسحاق مانسہروی کی تھی۔

دسویں منصوبے کا مقصد حملے اور بغاوت کی ایک تاریخ مقرر کرنا تھا۔ 1905ء سے 1914ء تک نو منصوبوں کو کامیابی سے عملی جامہ پہنایا گیا اور دسویں پر عمل باقی تھا کہ جنگ عظیم چھڑ گئی۔ یہ انقلابیوں کے لیے سنہری موقع تھا۔ فوراً دیو بند میں مجلس مشاورت منعقد ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ بیرونی حملہ اور اندرونی بغاوت 19 فروری 1917ء کو ہو۔ مجلس شوریٰ نے اس کی اطلاع تمام شاخوں کو دے دی اور کہا کہ بغاوت کے لیے تیار رہیں لیکن حملے کی تاریخ کے حتمی فیصلے کے لیے دوسری اطلاع کا انتظار کریں۔ شیخ الہند کو ایک وثیقہ لکھ کر دیا گیا جس پر مجلس شوریٰ کے اراکین نے دستخط کیے۔ طے کیا گیا کہ شیخ الہند غازی انور پاشا سے بالمشافہ مل کر مجوزہ تاریخ کی منظوری لے لیں اور تحریک اور حکومت کے مابین نیز حکومت ترکی اور حکومت افغانستان کے درمیان تحریری معاہدہ کرائیں۔ اس دوسرے معاہدہ کے سلسلہ میں انہیں انور پاشا کی تحریر لے کر افغانستان جانا تھا اور اس پر حبیب اللہ خان سے دستخط لے کر واپس انور پاشا کو پہنچانا تھا۔

شیخ الہند نے اپنی جائیداد شرعی قانون وراثت کے مطابق تقسیم کر دی اور حج کا ارادہ ظاہر کر کے روانہ ہو گئے۔ حکومت نے انہیں دہلی میں گرفتار کرنے کا ارادہ کیا لیکن ان کے معتقدین کا ہجوم دیکھ کر بمبئی میں گرفتار کرنے کی ٹھانی۔ ڈاکٹر انصاری نے خفیہ پولیس میں اپنے آدمیوں کی مدد سے اس تار کو ہوم سیکریٹری کے دفتر میں رکوا دیا جو اس مقصد سے گورنر جنرل کی طرف سے بمبئی کے گورنر کو بھیجا جا رہا تھا۔ یہ تار اس وقت ملا جب آپ جہاز میں سوار ہو چکے تھے۔ چنانچہ تار عدن کے گورنر کو روانہ کر دیا گیا لیکن وہاں بھی انقلابیوں نے بروقت پہنچنے نہ دیا اور آپ بخیر وعافیت مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ اس وقت حجاز ترکی کے زیر حکومت تھا۔ وہاں کے گورنر غالب پاشا جو انور پاشا کی جنگی کمیٹی کے سیکریٹری بھی تھے انقلابی تحریک کے ہمنوا تھے۔ شیخ الہند نے ان سے دو تحریریں لیں۔ ایک میں جہاد کی ترغیب تھی اسے چھپوا کر ہندوستان اور افغانستان میں تقسیم کروانا تھا۔ دوسری تحریر حکومت افغانستان کے نام تھی کہ شیخ الہند جو کچھ بھی کہیں گے اسے ہماری تائید حاصل ہے۔ انگریزوں نے اس پہلی تحریر کو غالب نامہ کہا اور اسی کی بناء پر بعد میں غالب پاشا کو گرفتار کر کے جنگی قیدی رکھا۔ انہوں نے بھی اپنی اس تحریر کا اقرار کیا دوسری کا نام تک نہ لیا۔

شیخ الہند نے ''غالب نامہ'' مولانا محمد میاں کے حوالے کیا کہ اسے ہندوستان اور افغانستان لے جائیں۔ وہ ہندوستان پہنچے تو سی آئی ڈی پیچھے لگ گئی۔ چنانچہ وہ افغانستان چلے گئے اور اس کی اشاعت کی۔ اسی اثناء میں ریشمی رومال پکڑا گیا اور غالب نامہ بیکار ہو کر رہ گیا۔ غالب پاشا کی دوسری تحریر بھی رائیگاں گئی کیونکہ وہ ریشمی رومال کے پکڑے جانے کے بعد افغانستان پہنچی۔ البتہ اس سے افسروں اور قبائلی سرداروں میں نیا عزم پیدا ہوا اور امان اللہ خان انقلاب لانے میں کامیاب ہوئے۔

شیخ الہند اور انور پاشا کی ملاقات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ جمال پاشا ساتھ تھے۔ انور پاشا نے پہلے ان سے تحریر کردہ دونوں معاہدے لے لیے اور واپس چلے گئے۔ ایک ماہ بعد یہ معاہدے شیخ الہند کو مدینہ منورہ کے گورنر نے بلا کر دے دیے۔ ان پر انور پاشا کے دستخط ثبت

تھے اور حملے و بغاوت کی منظوری بھی تھی۔ دونوں معاہدوں کا مجموعی نام ''انور نامہ'' رکھا گیا۔ شیخ الہند نے تحریر اور حکومت ترکی کے معاہدے کو اپنے پاس رکھ لیا اور افغانستان ترکی معاہدہ مولانا ہادی حسن کو دے کر انہیں بھیج دیا کہ اسے افغانستان پہنچا دیا جائے۔ اس دستاویز کو بھجوانے میں شیخ الہند نے غیر معمولی حسن تدبر سے کام لیا۔ خاص طور سے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا اور اس کے تختوں کے درمیان اس طرح چھپوایا کہ نظر نہ آتا تھا۔ ساتھ ہی بمبئی کے ایک رکن کو پیغام بھجوایا کہ وہ عرشئہ جہاز پر ہی مولانا ہادی حسن سے صندوق لے لیں اور اسے فلاں پتے پر پارسل کر دیں۔ جوں ہی بمبئی کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا وہ رکن عرشئہ جہاز پر گئے اور اسے قلیوں سے اٹھوا کر باہر لے گئے اور اسی وقت اسے مظفر نگر میں حاجی محمد نبی کے پتے پر ارسال کر دیا۔ سی آئی ڈی نے مولانا ہادی حسن کی تلاشی لی اور انہیں مشتبہ قرار دے کر نینی تال بھجوا دیا جہاں انہیں حوالات میں بند کر دیا گیا۔

حاجی محمد نبی کو شیخ الہند نے ساری بات کہلوا بھیجی تھی۔ انہوں نے معاہدے کو اپنے پاس رکھا کچھ عرصہ بعد مولانا ہادی حسن رہا ہو کر آئے تو انہوں نے حلیہ بدل کر اپنا نام ظفر احمد رکھا اور معاہدے کو افغانستان پہنچا دیا۔ حبیب اللہ خان نے اپنے دونوں بیٹوں امان اللہ خان اور نصر اللہ خان اور سول و فوجی افسروں اور قبائلی سرداروں کو آتش زیر پا دیکھا تو طوعاً و کرہاً اس کی منظوری دے دی۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور نصر اللہ خان نے ایک ماہر کاریگر سے معاہدے کی ساری عبارت جو عربی زبان میں تھی ایک ریشمی رومال پر کڑھوائی، اس میں حبیب اللہ خان اور اس کے تینوں بیٹوں کے دستخط بھی آ گئے۔ رومال کا رنگ زرد تھا اس کی لمبائی و چوڑائی ایک مربع گز تھی۔ اس پر زرد رنگ سے چاروں کے دستخط دوبارہ کروا لیے گئے اس کے بعد رومال کو پشاور بھجوایا گیا۔ یہ فرض شیخ عبدالحق نے انجام دیا جو بنارس کے نو مسلم گریجویٹ تھے اور افغانستان و ہندوستان کے درمیان کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور اسی تجارت کی آڑ میں پیغام رسانی کرتے تھے۔ انہوں نے اسی قسم کے پانچ رومال لیے اور ریشمی رومال کو ان میں ملا دیا۔ پروگرام یہ تھا کہ رومال حیدر آباد میں شیخ عبدالرحیم کو پہنچایا

جائے گا جو اسے لے کر حج کو جائیں گے اور شیخ الہند کے حوالے کریں گے اور موصوف اسے انور پاشا کو لے جا کر دیں گے اور پروگرام کے مطابق ترکی، افغانستان کے راستے 19 فروری 1918ء کو ہندوستان پر حملہ کر دے گا۔

شیخ عبدالحق نے یہ امانت پشاور میں حق نواز خان کو رات نو بجے پہنچائی انہوں نے صبح چار بجے اسے ایک خاص آدمی کے ہاتھ بہاولپور کے مقام دین پور میں سجادہ نشین خواجہ غلام محمد کو بھجوا دیا۔ نماز فجر سے پہلے فوج نے حق نواز کے گھر پر چھاپا مارا اور انہیں گرفتار کر لیا۔ ان کی رہائی ایک ماہ بعد ہوئی۔ خواجہ غلام محمد کو رومال اگلے دن دس بجے صبح ملا۔ انہوں نے اسی وقت اسے ایک آدمی کے ہاتھ حیدر آباد چلتا کیا ان کے گھر پر بھی فوج نے شام کے چار بجے چھاپہ مارا اور انہیں گرفتار کر لیا اور وہ چار ماہ تک قید رہے۔ ریشمی رومال دوسرے دن دوپہر کو حیدر آباد میں شیخ عبدالرحیم کو ملا اور عشاء کے وقت جب وہ اسے گدڑی میں سی رہے تھے تو فوج کے ہتھے چڑھ گئے۔ اس دستاویز کے ہاتھ آ جانے سے انگریزوں کو مجاہدین اور حکومت ترکی کے تفصیلی عزائم کا ثبوت مل گیا۔ انہوں نے داخلی طور پر فوری قدم یہ اٹھایا کہ ہر اس مقام پر فوج بھیجی دی جہاں بغاوت کا خطرہ تھا اور شمال مغربی سرحد پر فوج دگنی کر دی۔ اس کے ساتھ ہی ملک بھر میں انقلابیوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی جس شخص پر ذرا سا شبہ گزرا اسے گرفتار کر لیا۔ گرفتار شدگان پر طرح طرح کی سختیاں کیں۔ دو چار کے سوا سب ہی ثابت قدم رہے تاہم تحریک دفن ہوگئی۔

انگریز نے خاص طور پر سب سے پہلے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور ترکی کی ہر سرحد پر محاذ کھول دیے ایران میں فوج داخل کر کے ترکی اور افغانستان کے درمیان حد بندی کر دی۔ اس کے علاوہ عرب اور ہندوستان کے زرخرید ایجنٹوں سے ترکوں کے خلاف فتوے دلوائے۔ جنگ عظیم دوم ختم ہو چکی تھی اور انگریزوں کو موقع مل گیا تھا کہ افغانستان کو دبائیں لیکن تحریک کے جو کارکن وہاں گرفتاری سے بچے رہے تھے انہوں نے قبائلیوں کی بڑی رہنمائی کی۔ حاجی صاحب ترنگ زئی نے قبائلیوں کو جمع کر کے تین سال تک

انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ قلات اور لسبیلہ کے قبائل نے دو سال تک مقابلہ کیا۔ امان اللہ خان نے کوہاٹ تک قبضہ کرلیا تھا لیکن انگریزوں سے صلح ہوگئی اور افغانستان کی مکمل آزادی اور خودمختاری تسلیم کرلی گئی۔ شیخ الہند کو مکہ مکرمہ میں گرفتار کرلیا گیا۔ ان پر مصر کی فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور پھر جنگی قیدی بنا کر مالٹا بھیج دیا گیا۔ جنگ ختم ہوئی تو آپ ہندوستان آئے۔ کچھ عرصہ خلافت تحریک میں کام کیا اور رحلت فرمائی۔

اس ضمن میں ریشمی رومال پکڑا کیسے گیا کچھ مصدقہ اور غیر تصدیق شدہ باتیں ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی کا خیال تھا کہ پشاور کے حق نواز خان نے مخبری کی لیکن مولانا حسین احمد مدنی کو اس سے اختلاف تھا اور ان کا کہنا تھا کہ حبیب اللہ خان اور اس کا لڑکا عنایت اللہ خان مجاہدوں کے ہر منصوبے کی انگریزوں کو باقاعدہ رپورٹ پہنچاتے تھے۔ ان لوگوں کی غدار فطرت کے سبب یہ بات خارج از امکان نہیں ہے۔ غداری کے سلسلے میں تحریک کے اکثر ارکان متفق ہیں کہ انگریزوں کے جاسوس مجاہدین کے روپ میں تحریک میں گھس گئے تھے اور کچھ لوگوں نے جان بچانے کے لیے بھی راز اگل دیے تھے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آشنا کرد

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

گاہ گاہ باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

انگریز کی خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹیں

علماء ہند اور شیخ الہند کی تحریک ریشمی رومال کے خطوط جب پکڑے گئے تو اس میں دیے گئے تمام منصوبوں کا انکشاف بھی ہوگیا اور اب انگریز کے لیے انہی خطوط کی روشنی میں ہر جگہ پکڑ دھکڑ اور ظلم و تشدد کے راستے آسان ہوگئے۔ حجاز مقدس میں شیخ الہند اپنے رفقاء کے

ساتھ گرفتار کر لیے گئے اور پھر مصر میں مقدمہ چلا کہ مالٹا میں سب کو کئی سال تک اذیت ناک قید میں رکھا گیا۔ ہندوستان بھر میں تلاشیاں اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔صوبہ سرحد میں مجاہدین کے تمام ٹھکانوں کا تعاقب کیا گیا اور قید و بند سے لے کر پھانسی تک نوبتیں آئیں۔اس موقع پر مناسب سمجھتا ہوں کہ تحریک شیخ الہند کے چند ایسے اشخاص کا تذکرہ کروں جو اس تحریک میں انگریز کے لیے سب سے زیادہ نمایاں تھے اور انگریز کی خفیہ ایجنسیوں نے ان کی الگ الگ خفیہ فائل تیار کی تھی تاکہ بوقت ضرورت اور بوقت قدرت ان کا سارا ریکارڈ حکومت کے ہاتھ میں ہو اور ان کو ہر طرح کی سزا دی جاسکے۔ یہ سارے مجاہدین جن سے متعلق خفیہ ایجنسی کی مختصر رپورٹ درج ہے کل 222 مبارک نفوس تھے جو انگریز سی آئی ڈی کو مطلوب تھے۔انگریز کی خفیہ ایجنسی نے ان سے متعلق عجیب وغریب جملے لکھے ہیں جس کے تذکرے سے قارئین کو تحریک ریشمی رومال کی اچھی خاصی تاریخ اور اچھی خاصی معلومات فراہم ہوجائیں گی اور دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ انگریز مسلمانوں کا کس قدر خفیہ اور کس قدر ظالم دشمن ہے اور ابلیس کی ایجنسیوں کے متعلق جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

"انه یراکم هو وقبیله من حیث لاترونهم"

یعنی ان ایجنسیوں سے انگریز کی ایجنسیوں کی کس قدر مشابہت اور مماثلت ہے اور جس طرح بعض انسان شیطان کے لیے آلہ کار بنتے ہیں اسی طرح کس انداز سے بعض کلمہ گو مسلم انگریز کے لیے قبیل یعنی حامی اور چمچہ بن جاتے ہیں۔

اب جن چند اشخاص کی رپورٹ میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ خالص انگریز کے خفیہ ادارے کی زبان ہے جو ریشمی خطوط کے سازشی کیس انڈیا آفس لندن میں محفوظ ریکارڈ کا اردو ترجمہ ہے۔آپ پڑھیں اور دیکھیں کہ کس قدر جچے تلے الفاظ میں اور کس انداز کے شستہ مضامین میں اور کس طرح گرفت ہے؟؟

گاہ گاہ بازخواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گرداغہائے سینہ را

(1) محمود حسن مولانا:

حضرت مولانا بھی کہا جاتا ہے۔ ریشمی رومال خطوط کے مکتوب الیہ، مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے صدر مدرس اور پارسائی اور تقدس کے لیے مشہور ہیں، ان کے مرید جن میں سرکردہ مسلمان بھی ہیں ہندوستان بھر میں ہیں۔ عبیداللہ کے اثر میں آنے سے ان کے خیالات تبدیل ہوئے۔ دیوبند میں ان کا مکان اتحادی اسلامی کے سازشوں کا گڑھ تھا۔ اس شخص نے سیف الرحمٰن، فضل الٰہی اور فضل محمود وغیرہ کو سرحد پار قبائلیوں کو جہاد پر بھڑکانے کے واسطے بھیجا۔ ایس ایس اکبر جہاز کے ذریعہ وہ خود بھی تیرہ منحرف اشخاص کے ساتھ 18 اکتوبر 1916ء کو ہجرت کر کے عرب کو روانہ ہو گئے۔ عرب میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے پے درپے اس بات کی کوشش کی کہ ہندوستان میں جہاد کے مقصد کے لیے حکومت ترکی کی ہمدردیاں حاصل کریں۔ انور پاشا، جمال پاشا اور غالب پاشا سے ملاقاتیں کیں اور فرمان حاصل کیے جن میں سے ایک فرمان محمد میاں عرف مولوی منصور کے ذریعہ افغانستان اور آزاد علاقہ کے سازشیوں کو دکھائے جانے کے بعد کابل پہنچایا گیا۔ ہندوستان میں اتحاد اسلامی کی سازش میں مولانا کی قائدانہ رہنمایانہ شخصیت بڑی سرکردہ ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ جنرل ہیں۔ 20 دسمبر 1916ء کو شریف مکہ کے احکام سے (مکہ میں) ان کو گرفتار کر لیا گیا اور جدہ بھیج دیا گیا جہاں سے انہیں 12 جنوری 1917ء کو مصر روانہ کر دیا گیا۔

(2) حسین:

واقعات بعد جدہ بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ نے جو خط لکھا ہے اس میں یہ نام آیا ہے۔ یہ حسین احمد مدنی ہے جو کہ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ یہ خاندان اصل میں ضلع فیض آباد یوپی کا ہے لیکن 1899ء میں حجاز کو ہجرت کر گیا تھا مولوی حسین احمد مدنی مدینہ کے مفتی تھے۔ ہندوستان سے جانے سے پہلے وہ دیوبند میں مدرس تھے۔ مولانا محمود حسن کا پکا مرید اور جہاد کا زبردست مبلغ ہے۔ مدینہ میں مولانا

محمود حسن اس کے مکان میں ٹھہرے تھے۔شریف مکہ کے حکم سے 20 دسمبر 1916ء کو یا اس کے لگ بھگ اسے مکہ میں گرفتار کرلیا گیا تھا اور جدہ بھیج دیا گیا تھا جہاں سے اسے 12 جنوری 1917ء کو مصر روانہ کردیا گیا تھا۔

نوٹ: جنود یہ ربانیہ کا لفظ تحریک ریشمی رومال اور شیخ الہند کی جماعت کا نام ہے۔خفیہ رپورٹ میں یہ نام بار بار آتا ہے اور واقعات بعد جدہ سے مراد شیخ الہند کی گرفتاری کے بعد کے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔(راقم الحروف)

(3)عبیداللہ (سندھی):

اس نے ریشمی رومال خطوط پر دستخط کیے ہیں۔پہلے سکھ تھا اور اس کا اصل نام بوٹا سنگھ ہے چیانوالی ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا ہے۔اوائل عمر میں اسلام قبول کرلیا تھا ابتدائی تعلیم سندھ میں پائی اور پھر مدرسہ دیوبند میں داخل ہوا۔تکمیل درس کے بعد اس نے بارہ برس سندھ میں گزارے جہاں پیر جھنڈا اور نواب شاہ میں مدرسے قائم کیے۔1912ء میں دیوبند واپس آ گیا جہاں جمعیت الانصار قائم کی۔جنگ بلقان میں بڑے پیمانے پر ہلال احمر فنڈ کے لیے روپیہ جمع کیا اور غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کی تبلیغ کرکے اہمیت اور شہرت حاصل کی۔بعد میں وہ دلی میں مقیم ہوگیا جہاں اس نے نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم کیا جس کا وہ اب بھی ناظم ہے۔وہ مولانا ابوالکلام آزاد، قاضی ضیاءالدین، مولوی احمد چکوالی، حسرت موہانی، محمد علی آف کامریڈ، شوکت علی، مولوی بشیر، مولوی غلام محمد، عبدالقادر ساکن دین پور، شیخ عبدالرحیم ساکن حیدرآباد سندھ وغیرہ وغیرہ کا شریک کار ہے۔فروری 1915ء میں جب لاہور کے جہادی طلبہ فرار ہوکر ہندوستانی متعصبوں کے پاس (یاغستان) پہنچے تو وہ لاہور میں موجود تھے مولانا محمود حسن کا پکا مرید ہے۔اس نے حضرت مولانا پر اثر ڈالا اور پھر انہیں اتحاد اسلامی کا اتنا زبردست مبلغ بنا دیا۔وہ دیوبند کے خفیہ مشوروں میں شریک ہوتا تھا۔قصور کے محمد علی بی اے اور مولوی ابراہیم سندھی ایم اے جو حبیبیہ کالج میں عبیداللہ کی سازش سے پروفیسر مقرر کیے گئے تھے فی الحقیقت وہاں پر انقلابی

کام کے لیے زمین ہموار کرنے کے واسطے بھیجے گئے تھے۔ جولائی 1915ء براہ کوئٹہ قندھار افغانستان کے لیے روانہ ہو گیا۔ مولوی عبید اللہ سندھی، فتح محمد اور محمد علی برادر احمد علی کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ اکتوبر 1915ء میں کابل پہنچا۔ پرنس عنایت اللہ جان اور سردار نصر اللہ خان اور امیر سے ملاقاتیں کیں۔ حاجی عبدالرزاق سے قریبی تعلقات قائم کیے جو نائب امیر سلطنت کا پیش کار تھا۔ محمد طرزی مدیر سراج الاخبار سے ملا اور تارا خان سے جو امیر کی افواج کا کمانڈر انچیف تھا تعلق پیدا کیا۔ سول ہسپتال کابل میں جرمن مشن کے ممبروں سے خفیہ ملاقاتیں کیں۔ مولوی عبید اللہ اور مولوی عبدالرحیم نے آزاد علاقہ کے بعض حصوں کا دورہ جرمن وسٹرین ممبروں کو کرایا۔ وہ علم جہاد بلند کرنے کے لیے اور سارے افغانستان کو بھڑکا کر برطانیہ کے خلاف جنگ کرانے کے ارادہ سے ہندوستان سے گیا تھا۔ فروری 1916ء میں اس نے عبید اللہ سندھی اور فتح محمد کو کابل سے جہاد کے فتوے اور خطوط دے کر اپنے خاص خاص شرکاء کار کے پاس ہندوستان روانہ کیا۔ جولائی 1916ء میں اس نے شیخ عبدالحق کے ہاتھ حیدر آباد کے شیخ عبدالرحیم کو ریشمی خطوط روانہ کیے ان خطوط کا پتا چل گیا اور یہ حکومت کے قبضہ میں آ گئے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کابل میں قائم مقام سالار ہے۔

(4) ابوالکلام آزاد:

محی الدین کنیت ابوالکلام آزاد، الہلال کا بدنام ایڈیٹر، انجمن حزب اللہ اور کلکتہ دارالارشاد کالج کا بانی، دلی کا باشندہ ہے لیکن تعلیم عرب میں پائی ہے۔ انتہائی درجہ میں اسلامی اتحاد کا حامی ہے۔ نہایت کٹر انگریز اور بے حد متعصب ہے۔ دیوبند کی سازش جہاد کا نہایت سرگرم رکن تھا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ حالیہ شورش میں اس نے ہندوستانی متعصبوں کو روپے کی اور دوسری طرح کی مدد دی ہے۔ ''جنود ربانیہ'' کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔

(5) محمد علی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل محمد علی ایم اے، رام پور ریاست صوبہ جات

متحدہ کا ہے اور دلی کے اخبار کا مریڈ کا بدنام ایڈیٹر ہے۔ اتحاد اسلامی کا آتش بیان حامی ہے۔ ترکوں سے زبردست ہمدردی رکھتا ہے۔ شوکت علی کا بھائی ہے، ڈاکٹر انصاری کا گہرا دوست ہے۔ عبیداللہ کا قریبی ساتھی ہے۔ صوبہ جات متوسطہ میں 1915ء میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔

(6) شوکت علی مولوی:

مولوی شوکت علی ساکن رامپور یوپی، اتحاد اسلامی مشہور حامی بدنام محمد علی کا بھائی ہے۔ عبیداللہ کا مخلص ساتھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے سفر کابل میں اس کو مالی امداد دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ شوکت علی نے عبیداللہ کی درخواست پر مولوی سیف الرحمٰن کو جب وہ سرحد پار جا رہا تھا پانچ سو روپے دیئے تھے۔ جنود ربانیہ میں وہ لیفٹیننٹ جنرل ہے۔

(7) سید سلیمان ندوی:

مولوی شبلی نعمانی کا پیرو اور ان کے ادارہ ندوۃ العلماء کا پرجوش حامی ہے۔ اس نے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں سید مرتضٰی حسن چاند پوری کے تحت تعلیم پائی، پھر وہ پونا کالج میں پروفیسر ہو گیا تھا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

(8) سیف الرحمٰن مولوی صاحب:

ولد غلام خان ساکن متھرا تھانہ شکرگڑھ شمال مغربی سرحدی صوبہ، مولانا محمود حسن نے جہاد کی جو سازش تیار کی تھی۔ اس میں ایک اہم ترین شخص ہے۔ سیف الرحمٰن درانی خاندان کا ہے اس کا خاندان کابل سے ترک وطن کر کے پشاور آیا اور اسی ضلع میں سکونت پذیر ہو گیا۔ تقریباً پانچ برس ہوئے سیف الرحمٰن دلی چلا گیا۔ جون 1915ء تک وہ دلی میں رہا۔ جبکہ مولانا محمود حسن، عبیداللہ اور ابوالکلام آزاد کی اسکیموں کے تحت وہ سرحد گیا۔ وہ حاجی ترنگ زئی صاحب پر اثر ڈال کر ان سے غلط اقدامات کراتا رہا (یعنی انگریز مخالفت) جن کا وہ خود ہی سیکریٹری بن گیا تھا۔ سیف الرحمٰن کے اثر سے حاجی صاحب ہمیشہ قبائل اور مجاہدین میں تعصب کا جوش پیدا کرنے میں سرگرمی سے مصروف رہتا ہے۔ 1915ء میں

سرحد پار جو لڑائیاں ہوئیں ان کی ذمہ داری بڑی حد تک اس پر ہے۔ اب وہ کابل میں ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خطوط میں بھی اس کا ذکر ہے۔

(9) عزیز گل:

پسر شہید گل کا کا خیل پٹھان، درگائی شمال مغربی سرحدی صوبہ میں رہتا تھا۔ بڑا آتشیں مزاج ہے۔ جب وہ دیو بند میں طالب علم تھا اسی وقت سے مولانا محمود حسن کا پکا مرید ہو گیا تھا۔ بڑا اہم سازشی ہے اور ہجرت کا بڑا خواہشمند ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ہمیشہ مولانا کو اکسایا ہے کہ وہ جہاد کے لیے ہجرت کر جائیں۔ وہ دیو بند میں خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا اور ستمبر 1915ء میں مولانا محمود حسن کے ہمراہ عرب گیا تھا۔ اس کے سفر حجاز سے پہلے مولانا محمود حسن نے اس کو آزاد علاقہ میں بھیجا تھا تاکہ حاجی صاحب ترنگ زئی، سیف الرحمٰن اور دوسرے منحرف لوگوں کو مطلع کر سکے کہ حضرت مولانا کا ارادہ ہندوستان سے ہجرت کرنے کا ہے نیز لڑائی کا اور جہاد کی تیاریوں کا مشاہدہ کر سکے۔ وہ حضرت مولانا کے ہمراہ اس وقت بھی ٹھہرا رہا جبکہ ان کے اکثر وپیرو اور مریدین ہندوستان کو واپس کروائے گئے۔ یہ کہا جاتا تھا کہ عزیز گل انور پاشا اور جمال پاشا کے فرمان لے کر عنقریب ہندوستان آئے گا اور اس فرمان کو افغانستان لے جانا ہوگا لیکن بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو شریف مکہ کے حکم سے 20 دسمبر کو یا اس کے لگ بھگ گرفتار کر لیا گیا اور جدہ بھیج دیا گیا جہاں سے 12 جنوری 1917ء کو اسے مصر روانہ کر دیا گیا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں مولوی عزیز گل کا نام لے کر اسے کرنل دکھایا گیا ہے۔

(10) بابرہ ملا صاحب:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ عبدالرحمٰن سالارزائی ''بابوکڑہ باجوڑ'' کا لڑکا ہے۔ سالارزئی اور مہمند قبائلیوں میں بااثر ہے۔ عمر 66 سال ہے۔ بڑا افسادی وسرکش مولوی ہے۔ 1915ء میں ابتداء میں جہاد سے انکار کیا لیکن جب حاجی صاحب ترنگ

زئی نے طعنہ دیا تو دس ہزار مہمندوں کے ساتھ شب قدر پر ستمبر 1915ء میں حملہ آور ہوا۔ اس کو جان صاحب بھی کہا جاتا ہے لیکن اس پر جان صاحب باجوڑ کا شبہ نہ ہونا چاہیے۔

(11) حاجی صاحب ترنگ زئی:

حضرت مولانا (شیخ الہند) کے نام عبید اللہ نے اپنے خط میں صرف حاجی لکھ کر اس کا تذکرہ کیا ہے اور جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ اس کا اصلی نام فضل واحد ہے لیکن حاجی صاحب ترنگ زئی کے نام سے مشہور ہے۔ لڑکا ہے فضل احمد حاجی خلیل محمد پیرزادہ آف عمر زئی آف ترنگ زئی نزد چارسدہ ضلع پشاور کا۔ پشاور کے اکثر دیہات میں نہایت بااثر ہے۔ نہایت متعصب ہے اور حکومت کے خلاف سخت مخالفانہ جذبات رکھتا ہے 1915ء میں دیوبند کے مولانا محمود حسن کے ایماء پر آزاد علاقہ میں چلا گیا تھا جہاں سیف الرحمٰن اس سے جاملا تھا۔ اس کے بعد سے مہمند، بونروال اور دوسرے قبیلوں کو علم جہاد بلند کرنے پر اکسانے میں نہایت سرگرم رہتا ہے۔ شب قدر کے حملہ کے لیے خاص طور سے ذمہ دار ہے کابل کے سازشیوں سے رابطہ ہے اور پانی پت کے ایم حمید اللہ اور صوفی مسجد لاہور کے مولوی احمد کے ذریعہ دیوبند پارٹی سے امداد حاصل کی۔

(12) فضل محمود عرف مولوی محمود:

شاید یہ ضلع پشاور کا رہنے والا ہے۔ مولانا محمود حسن کا مرید ہے۔ اس کو سیف الرحمٰن اور فضل ربی کے ساتھ سرحد پار بھیجا گیا تھا تاکہ قبائلیوں کو برطانیہ کے خلاف جنگ کے لیے بھڑکا سکیں۔ 1915ء میں قبائلیوں کی شورش کا بڑی حد تک ذمہ دار ہے۔ جون 1916ء کے لگ بھگ مولانا فضل ربی اور عبد العزیز کے ہمراہ حاجی ترنگ زئی کی طرف سے خفیہ مشن پر کابل گیا کہ سردار نصر اللہ خان سے ملاقات کرے۔ مشن کے دوسرے ممبروں کی واپسی کے بعد کابل میں ٹھہرا رہا اور جولائی 1916ء میں انقلابیوں کی پارٹی کے ساتھ آزاد علاقہ کی طرف واپس آیا جو ملاؤں اور خانوں کے لیے سردار نصر اللہ خان کے خطوط ساتھ لائی تھی۔ وہ حاجی صاحب ترنگ زئی کے لیے خط لایا تھا۔ شاید ابھی تک آزاد علاقہ میں

ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ کرنل ہے۔

(13) فضل ربی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ غالباً یہی مولوی فضل ربی عرف ابوالفتح ولد محمود آف تھانہ شنکیاری ضلع ہزارہ، پہلے حاجی ترنگ زئی کے قائم کردہ مدرسہ غدر تحصیل مروان میں معلم تھا۔ 1918ء کے ایک جلسہ میں جسے غدر اسکول کے لیے روپیہ جمع کرنے کے واسطے طلب کیا گیا تھا اس نے نہایت قابل اعتراض تقریر کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ فضل ربی حال ہی میں دیوبند کے مدرسہ کا متعلم تھا جہاں وہ مولانا محمود حسن کا پکا مرید بن گیا تھا اور مولانا کے مکان پر خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ محمود حسن نے اسے مولوی سیف الرحمٰن اور فضل محمود وغیرہ کے ہمراہ جہاد کی تبلیغ کے لیے آزاد علاقہ کی طرف بھیجا تھا۔ 1915ء کی بہت سی لڑائیوں کے لیے ذمہ دار ہے۔ جون 1916ء میں فضل ربی، فضل محمود اور عبدالعزیز کے ہمراہ ترنگ زئی کی طرف سے خفیہ مشن پر سردار نصر اللہ خان سے ملاقات کرنے کابل گیا تھا۔ دس بارہ دن کے بعد واپس آ گیا تھا اس وقت شاید آزاد علاقہ میں ہے۔

(14) کوہستانی ملا سنڈا کئے ملا:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ سوات میں سنڈا کئے ملا اور دوسرے مقامات میں کوہستانی ملا یا فقیر کے نام سے مشہور ہے۔ ستمبر 1915ء میں سوات میں برطانوی فوجوں پر حملہ کرنے کے لیے اس نے سواتی لوگوں کا لشکر جمع کر لیا تھا۔

(نوٹ: سنڈا کئے بابا تھاکوٹ کے سامنے علاقہ کے تھے اب بھی ان کا خاندان موجود ہے)

(15) پاچا ملا عبدالخالق:

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ پاچا کی زیارت گاہ کا نگران اور محافظ ہے جو بونیر میں گدے زئی کے علاقے کی اہم زیارت گاہ ہے۔ یہ بظاہر ہر عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتا لیکن دوسرے اہم ملاؤں جیسے سنڈا کئے ملا وغیرہ کی آؤ بھگت کرتا ہے۔ 1915ء میں حاجی صاحب ترنگ زئی کا ایک خط اسے ایک ہندوستانی متعصب کے ذریعہ پہنچا تھا۔

(16) پشاور جہادی پارٹی:

اس کا اطلاق ان چار مہاجرین پر ہوتا ہے جو 1915ء کے آخر میں جہاد کے لیے پشاور سے کابل پہنچے تھے۔ فقیر محمد ساکن لکی مروت ضلع بنوں، یہ کوہاٹ میں وٹرنری اسسٹنٹ تھا۔ عبدالوحید، فضل قادر، شیر علی، طلبہ اسلامیہ ہائی اسکول پشاور، یہ لوگ شاید اب کابل میں ہیں۔

(17) ثناء اللہ مولوی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ یہی شخص مولوی ثناء اللہ امرتسری ہے۔ انجمن اہل حدیث پنجاب کا صدر ہے۔ ہندوستان میں شاید سب سے ممتاز وہابی ہے۔ امرتسر سے شائع ہونے والے اخبار اہل حدیث کو مرتب کرتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ مولانا محمود حسن کا شاگرد ہے اور شاید بیس، پچیس برس گزرے ان سے حدیث پڑھی تھی۔ وہ ایم ابراہیم کا بڑا گہرا مخلص دوست تھا۔

(18) شفیق الرحمٰن حکیم رام پور:

انور پاشا اور جمال پاشا ترک افواج کی کامیابی کے لیے جب دعا مانگنے کے واسطے مدینہ آئے تو یہ وہاں موجود تھا اور اس نے دونوں جنرلوں کی تعریف میں اس وقت ایک قصیدہ پڑھا تھا۔ وہ جہاد کا زبردست حامی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے مدینہ میں وہ آیات اور احادیث نبویؐ جمع کیں جن میں جہاد کی تلقین کی گئی اور پھر انہیں طبع کرنے کے لیے شام بھیج دیا تاکہ انہیں تقسیم کیا جاسکے۔

(19) تاج محمد ساکن سندھ:

شاید یہی مولوی تاج محمد ساکن امروٹ سکھر سندھ ہیں۔ سندھ میں دوسرے نمبر پر اس کا زبردست اثر ہے جو صرف مولوی ہمایوں کے اثر سے کم ہے۔ وہ کھڈہ کراچی کے مولوی محمد صادق کا دوست ہے جو اب کاروار میں نظربند ہے۔ خیال ہے کہ اس نے مولوی عبیداللہ کے فرار افغانستان میں اس کی مدد کی تھی۔ اس کے ہزاروں پیرو ہیں جن میں بڑے بڑے

زمیندار، پلیڈر اور سرکاری ملازمین شامل ہیں۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔

(20) یار محمد ساکن کابل:

سرحد پار کا پٹھان اور شاید افغانستان کا باشندہ ہے۔ وہ 1907ء میں ہندوستان آیا تھا۔ دیوبند کے مدرسہ کا پرانا طالب علم ہے۔ کچھ تعلیم مدرسہ فتح پوری میں حاصل کی تھی جہاں وہ بعد میں مولوی سیف الرحمٰن کے ماتحت فقہ کا استاد مقرر ہو گیا تھا۔ وہ اس کے ہمراہ 1915ء میں کابل کو فرار ہو گیا تھا۔ یار محمد حنفی فرقہ کا ہے۔ سیف الرحمٰن اور حاجی صاحب ترنگ زئی کے ساتھ بلاناغہ رہتا ہے۔ شاید اس نے رستم کی لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ نومبر 1915ء میں واپس آیا تھا اور پانی پت کے حمید اللہ سے 230 روپے سیف الرحمٰن کے واسطے لے گیا تھا۔ شاید اب آزاد علاقہ میں ہے۔

(21) شیخ ابراہیم آف سندھ:

محمد صادق کا بھتیجا جو کھڈہ کراچی کا مشہور متعصب مولوی ہے (اب نظر بند ہے) اور عبید اللہ کا دوست ہے۔ شیخ ابراہیم ایم اے نے پونا میں تعلیم پائی۔ فروری 1915ء میں اسے حبیبیہ کالج کابل میں پروفیسر کی جگہ مل گئی جہاں وہ برطانیہ کا کٹر مخالف بن گیا۔ وہ کابل کا ایک بڑا انقلابی ہے اور سازشیں کرنے اور منصوبے بنانے میں اس نے بڑا نمایاں حصہ لیا۔ شیخ ابراہیم اور محمد علی قصری کو عبید اللہ نے خاص طور سے کابل بلا لیا تھا کہ وہ وہاں جہاد کے لیے زمین ہموار کر سکیں۔ وہ شاید اس وقت سرحد پار کے ملاؤں، قبائلیوں وغیرہ کو جہاد پر اکسانے میں مصروف ہے۔

(22) عبد الرحیم مولوی:

عرف محمد بشیر عرف محمد نذیر پسر مولوی رحیم بخش سابق امام چینیاں والی مسجد لاہور، وہابیوں کی کتابوں کا بیوپاری، انتہائی متعصب اور پرجوش، جہاد کی تحریک کا بڑا سرگرم ممبر ہے۔ لاہور کے جہادی طلبہ کو سرحد فرار کے لیے خاص ذمہ داری اسی کی ہے۔ ان طلبہ کے مفقود الخبر ہونے کے بعد خود بھی اچانک بڑی تیزی کے ساتھ آزاد علاقہ کو غائب ہو گیا۔

ہندوستانی متعصبوں میں اس کا بہت کافی اثر ہے۔ مجاہدین کی حال ہی میں ''چمر کنڈ'' (بونیر سے آگے چغرزئی کے پاس ایک جگہ کا نام ہے) میں جو آبادی قائم ہوئی ہے عبدالکریم کی غیر حاضری میں اس کے گورنر کے فرائض انجام دیتا ہے۔ کابل میں خاص سازشیوں سے اس کا رابطہ ہے۔ رئیس المجاہدین اور سردار نصراللہ خان کے ایلچی کا کام کرتا ہے اور کئی مرتبہ کابل جاچکا ہے۔ 1915ء کی سرحدی جنگ میں حصہ لے چکا ہے۔ درحقیقت اسی شخص نے بونیر، سوات کے قبائل کو اور مہمندوں کو برطانوی سرحد پر حملہ کے لیے اکسایا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ سردار نصراللہ خان سے روپیہ اور گولی بارود لایا تھا۔ اب سرحد پار کے علاقہ میں قبائلیوں کو جہاد پر اکسانے میں سرگرمی سے مصروف ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

(25) احمد جان مولوی:

دیوبند کے مدرسہ کے معلم مولوی غلام رسول کا بھتیجا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب مولانا محمود حسن نے عزیز گل کو جہاد کی تیاری کا پتا چلانے کے لیے آزاد علاقہ کو بھیجا تھا تو یہ ان کے ہمراہ گیا تھا۔

(26) کاظم بے:

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ ایک ترک فوجی افسر ہے جس کو قسطنطنیہ سے ترک جرمن مشن کے ساتھ انور پاشا نے خاص طور سے روانہ کیا تھا۔

(27) عبدالعزیز شاویش شیخ:

اتحاد اسلامی کا بدنام مصری حامی ہے۔ بغاوت کا مجرم پاکر سزایاب ہوا۔ 1911ء میں مصر سے ترکی روانہ ہوا۔ اس کے بعد سے اتحاد و ترقی کمیٹی میں مصر اور ہند کے امن کے خلاف سب سے سرگرم سازشی ہے۔

(28) انصاری ڈاکٹر:

جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لیفٹیننٹ جنرل ہیں۔ جدہ کے بعد کے واقعات بیان

کرتے ہوئے عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے اس میں ان کا تذکرہ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ڈاکٹر مختار احمد انصاری آف دہلی 1913ء میں جنگ بلقان کے وقت ترکی کو بھیجے جانے والے کل ہند میڈیکل مشن کے لیڈر اور آرگنائزر تھے۔ حکیم عبدالرزاق کے بھائی اور مولانا محمود الحسن کے پکے مرید ہیں۔اتحاد اسلامی کے مشہور حامی اور ہندوستان میں سب سے خطرناک ترک نواز مسلمان ہیں۔ دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے مصارف مہیا کرتے ہیں۔خیال ہے کہ ڈاکٹر انصاری ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے مولانا محمود حسن کو ہندوستان سے ہجرت کرنے پر اکسایا تھا۔ مولوی عبیداللہ سندھی کابل سے ڈاکٹر انصاری کے لیے دو خط لائے تھے۔ایک برکت اللہ نے اور دوسرا عبیداللہ نے بھیجا تھا۔

(27) پسر شیخ حبیب اللہ آف بابو چک ضلع گوجرانوالہ

سندھ میں مولوی عبیداللہ کی نگرانی میں تعلیم پائی۔تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدرآباد سندھ میں استاد مقرر کیا گیا۔جب دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم ہوا تو کچھ دن احمد علی طالب علم رہا لیکن وہ جلد ہی پروفیسر بن گیا اور اسے نظارۃ المعارف القرآنیہ کا ناظم بنا دیا گیا۔بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ ایم احمد علی اتحاد اسلامی کی سازش جہاد کا ایک سرگرم ممبر تھا۔اس کی رہائش گاہ وقتاً فوقتاً سازشیوں کے ملنے اور سازشیں گھڑنے کے لیے مرکز کا کام دیتی تھی اور آزاد علاقہ کو جانے اور وہاں سے آنے والے سازشی اس میں ٹھہرا کرتے تھے۔جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ کرنل ہے۔

ایک رپورٹ:

دلی میں احمد علی کو گرفتار کرلیا گیا جسے عبیداللہ نے اپنا مدرسہ سپرد کیا تھا لیکن اس کا بھائی محمد علی ہاتھ نہیں آسکا۔احمد علی نے بتایا کہ 1915ء کے رمضان کے بعد سے وہ ان سے نہیں ملا ہے،لیکن دلی پولیس نے جو اطلاعات حاصل کی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ عید کے پندرہ دن بعد محمد علی خفیہ طور پر اپنے بھائی سے ملنے آیا تھا۔یاد رہے کہ عبدالخالق

قاصد نے بیان کیا تھا کہ محمد علی جو اس کے ہمراہ کابل سے ہندوستان آیا تھا بیان کرتا تھا کہ اسے ایک خفیہ مشن پر لاہور جا کر مولوی احمد علی لاہوری سے ملاقات کرنی ہے اور پھر دلی جا کر اپنے بھائی سے ملنا ہے جس کے واسطے وہ بڑی اہم خبر لایا ہے اور وہ اسے مجبور کرے گا کہ وہ اس کے ساتھ کابل واپس چلے۔

احمد علی نے پہلے عبید اللہ کی ایک لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس کی موت کے بعد اس نے لاہور کے مولوی احمد کی دختر سے نکاح کر لیا تھا۔ دلی پولیس رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ احمد علی پر جرح کرنے سے پتا چلا کہ رمضان 1915ء میں ایک اہم میٹنگ ہوئی تھی جس میں احمد علی نے عبید اللہ اور عبد اللہ نیز شاید دوسرے اشخاص سے بھی ملاقات کی تھی۔ عبد اللہ کے سفر حجاز سے فوراً پہلے کا واقعہ ہوگا۔

نوٹ: حضرت لاہوری کا مشہور جملہ تھا کہ ''انگریز نے ہمارا دین چھینا، ہمارا تاج چھینا، ہمارا تخت چھینا اور ہمیں دین پر معترض بنا کر چھوڑا۔''

خفیہ رپورٹ کی اصطلاحات

☆ اسمس:

مجاہدین کی بستی کا ہیڈ کوارٹر جو مداخیل کے علاقہ دربند سے تیس میل شمال مغرب میں ہے۔ پشتو میں اسمس یا اسمستہ کے معنی غار کے ہیں۔ علاقہ حسن زئی میں کنار کے پاس کالو کے قریب اسمس مشہور جگہ ہے، بندہ نے دیکھا ہے۔ (راقم)

☆ مولانا:

اس خفیہ رپورٹ میں جہاں مولانا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ ہیں۔

☆ آزاد علاقہ:

اس رپورٹ میں جگہ جگہ آزاد علاقہ کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد صوبہ سرحد کے قبائلی علاقے ہیں جہاں انگریز کی حکومت نہیں تھی۔ حسن زئی چغر زئی خاص مصداق ہے۔

☆ یاغستان:
اس سے بھی مراد قبائلی علاقے ہیں۔ نیز پشاور تک اور افغانستان تک کے علاقے مراد لیے جاتے ہیں۔

محترم قارئین!!

تحریک ریشمی رومال کی ناکامی کے بعد انہی خطوط سے حاصل کردہ معلومات اور دیگر جاسوسی ذرائع سے حاصل شدہ تفصیلات کی روشنی میں حکومت برطانیہ کی خفیہ رپورٹ کی ایک جھلکی میں نے آپ کو دکھا دی۔ یہ صرف 27 علماء سے متعلق چند باتیں ہیں۔اس کے علاوہ 174 علماء کی رپورٹیں اوراق کے پیٹ اور ظالمانہ تاریخ کی پیشانی پر سربستہ داستان ہے۔آپ اندازہ لگائیں کہ اس رپورٹ میں ہر لفظ سے کس طرح غضب ٹپکتا ہے اور ہر لفظ کی تہہ میں کس قدر عداوت پڑی ہے اور مسلمانوں کے دینی فریضے کو کس طرح سازش کے لفظ سے بار بار یاد کیا جاتا ہے مثلاً اتحاد اسلامی کا بدنام ممبر ہے، جہاد کی سازش کا علمبردار ہے، بڑا سازشی مولوی ہے، اس نے فلاں مولوی سے ملاقات کی، اس نے اس کو سازشی بنایا، فلاں مولوی نے فلاں کو گمراہ کیا، فلاں جگہ مولوی میٹنگ میں کیا فلاں کے گھر پر سازشیوں کا ہجوم رہتا تھا، فلاں مولوی نے فلاں کو خط لکھا تو وہ پکڑا گیا، فلاں کے خط میں فلاں کا ذکر ہے یا نام کی طرف اشارہ ہے اس لیے یہ بھی مجرم ہے، فلاں نے جہاد کی ترغیب دی اور فلاں جہاد کی تبلیغ کرتا ہے، فلاں آدمی فلاں وقت میں افغانستان چلا گیا اور فلاں کو علاقہ غیر میں جاتے دیکھا گیا، فلاں نے پیسہ بھیجا اور فلاں نے ترکی افسر سے ملاقات کی، جگہ وہ تھی، تاریخ یہ تھی، دن یہ تھا وغیرہ وغیرہ۔ یہ شیطانی جال جس طرح ایک سو سال پہلے مسلمانوں کو پھانسنے کے لیے بچھایا گیا تھا اب تک اسی طرح بچھا ہوا ہے اور جو لب ولہجہ اور جو عداوت و دشمنی اس وقت تھی اسی طرح آج ہے اور جس طرح انگریز کل کے افغانستان سے خوفزدہ ہو کر غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکتیں کرتے تھے آج بھی وہی حرکتیں ہیں۔ لہٰذا مسلمان حکمرانوں اور مسلمان نوجوانوں اور مسلمان عوام پر فرض ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ کی

ان چالوں کو سمجھیں اور پھر مسلمانوں کو اس سے بچائیں ورنہ تم صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح ایسے مٹ جاؤ گے کہ تمہاری داستان بھی نہ ہوگی داستانوں میں بہر حال میں نے نوجوانوں اور مسلمانوں کو متوجہ کرنے کیلئے یہ تاریخی مواد بڑی مشکل سے اکٹھا کر کے سامنے رکھا ہے کیونکہ سوئے قطاری کشم ناقہ بے زمام را۔اب ہر نوجوان کو چاہیے کہ اس کو پڑھے اور غیرت ایمانی کو بیدار کر کے میدان جرأت میں کود پڑے۔

گاہ گاہ بازخواں این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گرداغہائے سینہ را
ایک ہوں، مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر
اس دور میں کچھ خاک نشینوں کی بدولت
باقی اسلام کی عظمت کا نشاں ہے

تحریک جہاد کا تسلسل، حاجی محمد امین رحمہ اللہ میدان میں

کوئی ساتھی یہ نہ سمجھے کہ یہ تحریک جو انگریزوں، سکھوں اور ملحدوں کے خلاف اٹھی تھی دب گئی یا ختم ہوگئی۔ دین حق کے رزم و بزم کا یہ وہ گلستان ہے جس کے پھولوں کی آبیاری شہداء کی جانوں اور ان کے پاکیزہ خون سے ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ جہد مسلسل اس خون کی برکت سے اشخاص و حالات سے بے نیاز ہو کر آگے ہی کی طرف گامزن رہی ہے۔ چنانچہ تحریک شیخ الہند کا سفر کبھی رکا نہیں۔ آپ کے اکابر رفقاء کے انتقال کے بعد الحمدللہ اس تحریک کو کسی نہ کسی شکل میں حاجی ترنگ زئی صاحب نے آگے بڑھایا اور آپ نے انگریز سے اس وطن عزیز میں اسلام کی سربلندی کے لیے تین سال تک خونریز جنگیں لڑیں۔ آپ کے بعد عاشق رسول حاجی محمد امین صاحب آف عمرزو چارسدہ نے کئی سال تک باقاعدہ منظّم انداز سے انگریز کے خلاف جہاد کیا اور کشمیر کے محاذ پر تقریباً ہر جگہ کئی کئی جنگیں ہوئیں۔ ابتدائی جنگیں پشاور میں ہوئیں پھر آپ گرفتار ہوئے، پھانسی گھاٹ پر گئے، پھر

رہائی ملی۔حضرت حاجی ترنگ زئی سے حاجی محمد امین صاحب بیعت بھی ہوئے اور آپ کو حاجی ترنگ زئی صاحب نے خلافت بھی عطا کی۔

مجاہد کی خلافت کیا ہوتی ہے؟ بس ایک تلوار ہوتی ہے اور میدان حق میں سر کٹانے کے لیے جھوم جھوم کر رفتار ہوتی ہے۔ چنانچہ 1935ء میں علاقہ مہمند باجوڑ میں حق و باطل کا معرکہ گرم ہوا۔حاجی صاحب ترنگ زئی اور حاجی محمد امین اور ان کے باعمل مجاہدین نے انگریزوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔حاجی محمد امین مجاہدین کو گرمانے کے لیے پشتو میں نظم جہاد پڑھتے تھے اور آگے بڑھتے تھے۔دو مصرعے ملاحظہ ہوں:

کلہ میدان کبن روستو کیگی چہ ایمان لری ثوك

کلہ پہ سر او مال یریگی چہ ایمان لری ثوك

یعنی جس کے دل میں جذبہ ایمان ہو وہ جان و مال قربان کرنے سے کہاں ڈرتا ہے اور جس کے دل میں ایمان ہو وہ میدان جنگ سے کہاں پیچھے ہٹتا ہے۔

دین حق کی حفاظت وحمایت میں محمد امین نے سر پر کفن باندھ لیا ہے ان کے ساتھ وہی جاتے ہیں جن کے دل ایمان سے لبریز ہیں۔

پھر حاجی محمد امین صاحب کشمیر کے محاذ کی طرف بڑھنے لگے۔آپ کے ساتھ باقاعدہ منظّم لشکر تھا۔آپ کی جماعت کا نام ''جماعت ناجیہ صالحہ'' تھا۔آپ گڑھی حبیب اللہ مظفر آباد ڈومیل اوڑی سے ہوتے ہوئے سری نگر اور بارہ مولا کے درمیان ''پٹن'' کے مقام پر اپنے مجاہدین کے ساتھ پہنچے اور آسمانی بجلی بن کر ہندوؤں پر گرے۔دشمن بھاری نقصان اٹھا کر بھاگ گیا۔یہ 2 نومبر 1947ء کا واقعہ ہے پھر اسی محاذ سے آپ بیس میل آگے بڑھتے چلے گئے اور تین ہزار کے لشکر جرار سے آپ نے دشمن کے اگلے مضبوط مورچوں پر حملہ کیا اور دشمن کو شکست ہوئی آپ نے تعاقب کیا اور تین تنہا اتنے آگے نکل گئے کہ سرینگر سے صرف ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک پل تک پہنچ گئے۔وہاں آپ کو بم کا ایک ٹکڑا لگنے سے زخم آیا اور کچھ مجاہدین شہید بھی ہو گئے،لہٰذا 60 میل کا مفتوحہ علاقہ دوبارہ چھوڑنا پڑا۔

یہ حملہ آپ نے 4 نومبر 1947ء کو کیا تھا۔

حاجی محمد امین اوران کی جماعت ناجیہ کے مجاہدین نے دوبارہ حملہ کی تیاری شروع کی اور حاجی محمد امین صاحب بیس دن سول سوسائٹی اسپتال ایبٹ آباد میں زیرعلاج رہ کر میدان جہاد کی طرف زخمی حالت میں پھر چلے پڑے۔اس دفعہ پونچھ سیکٹر میں پلندری سے نومیل کے فاصلے پر''دیرکوٹ'' کے مقام میں ڈوگرہ فوج سے زبردست جنگ ہوئی اور مجاہدین نے فتح حاصل کی۔ اس کے بعد علاقہ ''منگ'' میں مجاہدین کی زبردست جنگ باقاعدہ منظّم فوج رجمنٹ آٹھ اورنو سے ہوئی، اللہ نے مجاہدین کو فتح عطا کی۔اس کے بعد پانچواں حملہ قبائلیوں کی معیت میں راولاکوٹ پر ہوا جس کے نتیجے میں ہندوستانی افواج پونچھ میں اکٹھی ہوگئیں۔ چنانچہ وہاں پر مجاہدین اور ہندوستانی افواج کی کئی جنگیں ہوئیں۔ حاجی محمد امین صاحب کے 460 مجاہدین نے سربکف ہوکر راجوڑی کے مقام پر 1948ء میں حملہ کردیا۔کئی جنگیں ہوئیں، آزاد کشمیر گورنمنٹ کی فوج بھی تھی۔ مقام''دپٹکس'' دھنی دھار گردھن، تھنا، دریاں، بدھل، نیلی دھری، سمہوٹ اور کترو کے علاقوں میں جنگیں ہوئیں۔بعض مقامات میں دست بدست لڑائی ہوئی جماعت ناجیہ کے مجاہدین حاجی محمد امین کی کمانڈ میں تراڑکھل اور بجیرہ اور بٹل سے پونچھ کی طرف چل پڑے اور دھرمسال میں جا اترے۔ 6 جولائی 1948ء کو یہ مجاہدین راجوڑی اور پونچھ کے درمیان مقام ''مینڈر'' میں پہنچ گئے۔ یہاں جماعت کی نئی منظّم تشکیل ہوئی، قواعد شرعیہ کی توضیح وتشریح کی گئی اور پھر جگہ جگہ لڑائی شروع ہوگئی۔ ہندوستانی فوج اگر مسلم علاقہ پر قابض ہوتی تو آگ لگادیتی اور اگر پسپا ہوکر بھاگتی تو پھر بھی آگ لگادیتی۔ بہرحال مجاہدین اور آزاد کشمیر کی فوج نے مل کر کئی علاقے آزاد کرالیے اور''مینڈر'' سے جماعت ناجیہ نے فیصلہ کیا کہ اب واپس کیمپ جائیں گے چنانچہ وہ واپس آگئے آج جو کشمیر آزاد کشمیر کے نام سے موجود ہے یہ کئی شدید جنگوں اور بڑے جہاد کے بعد آزاد ہوا ہے۔ایک دفعہ مجھ سے حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی نے فرمایا کہ آپ کا کس قوم سے تعلق ہے؟ میں نے کہا کہ قوم مدے خیل

سے ہے۔ پوچھا گاؤں کون سا ہے؟ میں نے کہا کہ الائی راشنگ۔ پوچھا کہ راشنگ میں میرے ایک ساتھی مولانا سید اکبر صاحب تھے، وہ اب زندہ ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ فرمایا وہ بہت بہادر آدمی تھے ہم دونوں اکٹھے رات کو ساتھیوں کے ساتھ کشمیر میں ہندو افواج پر حملے کرتے تھے اور دن کو واپس آتے تھے۔ اس گفتگو کے نقل کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ کشمیر کے جہاد میں مولانا غلام غوث ہزاروی جیسے اکابر علماء نے بنفس نفیس حصہ لیا ہے۔ یہ تسلسل ہے اکابر علماء دیوبند کے جہادی کارناموں کا اور اب الحمدللہ انہی کی اولاد کشمیر کے میدان میں بڑھ چڑھ کر جہاد کر رہی ہے۔ اگر خود حکومت پاکستان کی بعض رکاوٹیں جہاد کشمیر کے راستے میں نہ ہوتیں تو شاید مقبوضہ کشمیر بہت پہلے آزاد ہو چکا ہوتا۔ بہر حال اب تو حالات کچھ اور ہیں۔ میں نے بڑی محنتوں سے آپ کے سامنے دنیا پر جہاد کے نقوش کا منظر رکھا ہے جو جہاد کے لیے (اللہ قبول فرمائے) انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اسے پڑھیے اور آگے بڑھیے۔ یہ عزت وعظمت کا راستہ ہے۔

وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه جيش الانبياء والمرسلين نبي الرحمة ورسول الملاحم محمد ابن عبدالله صلوات الله عليه وسلامه وعلى آله واصحابه اجمعين. آمين يا رب العالمين.

فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی

بنوری ٹاؤن، کراچی

نوجوانوں کے نام ایک دردبھرا پیغام

اے ملت اسلامیہ کے نوجوانو! اگر تمہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے یا اس قبرستان کا سناٹا توڑنے کے لیے میری چیخوں کی ضرورت ہے تو میں آخری فریضہ ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔ یاد رکھو تمہاری عزت وعظمت اور تمہاری ملت کی آزادی کے بجھتے ہوئے چراغوں کو آج خون کی ضرورت ہے، لیکن ایک بوڑھا کمزور آدمی تمہیں آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں دے سکتا اور ایک تنہا فرد کے آنسو ایک قوم کے اجتماعی گناہوں کا کفارہ نہیں ہو سکتے۔

اس دنیا میں کئی سیاسی غلطیوں کی تلافی ممکن ہے۔ ہاری ہوئی جنگیں دوبارہ لڑی اور جیتی جاسکتی ہیں۔ شکستہ اور ٹوٹے ہوئے قلعے دوبارہ تعمیر ہوسکتے ہیں۔ تاریک راتوں میں بھٹکے ہوئے قافلے صبح کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کر سکتے ہیں، لیکن ایک اجتماعی گناہ ایسا بھی ہے جس کے لیے کوئی کفارہ نہیں ہوتا اور بھٹکے ہوئے قافلوں کے لیے ایک رات ایسی ہوتی ہے جس کے لیے کوئی صبح نہیں ہوتی۔ اے اہل پاکستان! میں تمہیں اس آخری گناہ سے روکنا چاہتا ہوں جس کے بعد قوموں کے لیے رحم اور بخشش کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ میں تمہیں اس تاریک رات کی ہولناکیوں سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جو کبھی ختم نہیں ہوتی...... ایک قوم کا آخری گناہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ظلم کے خلاف لڑنے کے حق سے دست بردار ہوجائے اور بدقسمتی سے تمہارے حکمران اس گناہ کے مرتکب ہوچکے ہیں۔ انہوں نے تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سارے دروازے بظاہر ہمیشہ کے لیے بند کردیے ہیں اور مستقبل کی تمام امیدوں کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے۔ انہوں نے جرأت کے وہ اخلاقی اور ذہنی حصار توڑ دیے ہیں جو مظلوم اور بے بس انسانوں کے لیے آخری جائے پناہ کا کام دیتے ہیں۔ اگر اس گناہ کی سزا تمہاری موجودہ نسل تک محدود رہ سکتی ہے تو مجھے اس قدر اضطراب نہ ہوتا، لیکن تمہارے حکمرانوں نے وہ سارے چراغ بجھا دیے ہیں جو آئندہ نسلوں کو سلامتی کا راستہ دکھا سکتے ہیں۔

بکریوں کی حفاظت بھیڑیوں سے؟

نوجوانو! یہ بات یاد رکھو کہ جب حکمران تمہاری آزادی اور بقاء امریکا کو سونپ دیں گے تو تمہارے مصائب اور مشکلات کی نہ ختم ہونے والی رات شروع ہوجائے گی۔ میرے نوجوان دوستو! مجھے حکمرانوں کے امریکا کے ساتھ تعاون اور افغانستان کے غیور مسلمانوں کی بقاء ہی کے اس معاہدے پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں جسے تم مستقبل کے امن اور خوشحالی کی ضمانت سمجھتے ہو۔ یہ معاہدہ اس عفریت کے چہرے کا حسین نقاب ہے جس کے خون آشام ہاتھ تمہاری شہ رگ تک پہنچ چکے ہیں۔ اگر تمہارا یہ نظریہ ہے کہ تم بھیڑ بن کر

بھیڑیوں کی سرپرستی میں زندہ رہ سکتے ہو تو بار بار کہوں گا کہ حکمرانوں کے ان معاہدوں اور مذاکرات سے تم جہنم کے اس دروازہ پر دستک دے رہے ہو جو گمراہی اور ذلت ورسوائی کی آخری منزل ہے۔ مجھے صرف یہ اندیشہ نہیں ہے کہ اس جہنم کی آگ میں صرف تم بھسم ہو جاؤ گے بلکہ میرا خیال ہے کہ ہماری آیندہ نسلیں شاید صدیوں اس جہنم کا ایندھن بنتی رہیں گی۔

عزیز ہم وطنو! کیا تم صرف زندہ رہنے کے لیے دشمن کی غلامی اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے؟ لیکن یاد رکھو کہ تم اور تمہارے بیٹے اور پوتے غلامی کی ان زنجیروں کو اپنے ہاتھوں کا زیور سمجھنے کے بعد بھی اپنے آقاؤں سے زندہ رہنے کا حق نہیں منوا سکیں گے۔

میرے تازہ دم نوجوانو! مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تمہیں ایک بدترین غلامی اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے گا بلکہ میرا اندازہ ہے کہ تمہیں اپنی روح اور بدن کی ساری آزادیوں سے دست بردار ہونے کے بعد بھی زندہ رہنے کا حق دار نہیں سمجھا جائے گا۔ فرض کر لو اگر تم انسانیت کے بلند مقاصد سے منہ پھیر لو اور اپنے اسلامی اور قومی اقدار سے بھی بیزار ہو جاؤ تو پھر بھی تمہیں صرف حیوانوں کی طرح زندگی کا حق محفوظ رکھنے کے لیے ان درندوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا جو تمہارا خون پینے، تمہارا گوشت نوچنے اور تمہاری ہڈیاں چبانے سے پہلے یہ اطمینان چاہتے ہیں کہ تم مکمل طور پر ان کے نرغے میں آ چکے ہو اور تمہارے اندر اپنی مدافعت کے لیے وہ حیوانی شعور بھی باقی نہیں رہا جو کمزور بکریوں کو بھی سینگ مارنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

یہ کس قوم کا قبرستان ہے؟

میرے مجاہد نوجوان ساتھیو! مجھے صرف یہی خدشہ نہیں کہ تمہاری درس گاہیں بند کر دی جائیں گی۔ تمہارے کتب خانے جلا دیے جائیں گے، بلکہ مجھے خدشہ ہے کہ اگر حکمرانوں کی یہی پست ذہنیت رہی تو پھر قوم کی تباہی کے راستے کی ہر نئی منزل پچھلی منازل سے بہت زیادہ تاریک نظر آئے گی۔ پھر مستقبل کے مؤرخ تمہارے اجڑے ہوئے شہروں کے

کھنڈرات دیکھ کر یہ کہا کریں گے:

''یہ ویرانے ان بدنصیب حکمرانوں کی یادگاریں ہیں جنھوں نے آسمان کی بلندیوں سے ہمکنار ہونے کے بعد کشمیر وافغانستان اور اسامہ بن لادن اور ایٹمی تنصیبات کا امریکا سے سودا کر کے ذلت وپستی اور بے غیرتی کا راستہ اختیار کیا تھا۔ مؤرخین لکھیں گے کہ یہ اس قافلے کی آخری منزل ہے جس کے رہنماؤں نے اپنی آنکھوں پر پٹیاں باندھ لی تھیں۔ یہ اس قوم کا قبرستان ہے جس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لیا تھا''۔

ملت اسلام کے جاں نثارو! اگر تم ہمت، عظمت اور جرأت وشجاعت کا جھنڈا بلند کرلو تو دنیا کا ہر غیور اور بہادر نڈر مسلمان تمہارے شانہ بشانہ کھڑا ہوگا، لیکن اگر تم مایوسی اور بزدلی کا شکار ہوگئے یا اپنے حکمرانوں کی طرح تم نے بھی یہ سمجھ لیا کہ دشمنان دین ووطن کے ساتھ تم بہتر طور پر زندہ رہ سکتے ہو تو اپنوں میں سے کوئی بھی تمہاری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔ تم اگر باہر کے مسلمانوں کو آزادی کا راستہ دکھانا چاہتے ہو تو تمہیں پہلے اپنے خون سے آزادی کے چراغ روشن کرنے ہوں گے، لیکن اگر تم خود موت کی نیند سو گئے تو دوسرے تمہیں اس قبرستان کے اندھیروں میں جگانے کے لیے آواز نہیں دیں گے۔

مولانا فضل محمد بن نور محمد

استاذ جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی